Knowledge for All

SABIL-E-SAKINA

۷۸۶

۹۲-۱۱۰

یاصاحب الزماں ادرکنی

لبیک یا حُسینؑ

خصوصی تعاون: نذر عباس
رضوان رضوی

اسلامی کُتب (اردو) DVD

ڈیجیٹل اسلامی لائبریری ۔

SABEEL-E-SAKINA
Unit#8,
Latifabad Hyderabad
Sindh, Pakistan.
www.sabeelesakina.co.cc
sabeelesakina@gmail.com

یہ کتاب

اپنے بچوں کے لیے scan کی بیرونِ ملک مقیم ہیں

مومنین بھی اس سے استفادہ حاصل کرسکتے ہیں.

منجانب.

سبیلِ سکینہ

یونٹ نمبر ۸ لطیف آباد حیدر آباد پاکستان

استعاذہ

(اللہ تعالیٰ کے حضور پناہ طلبی)
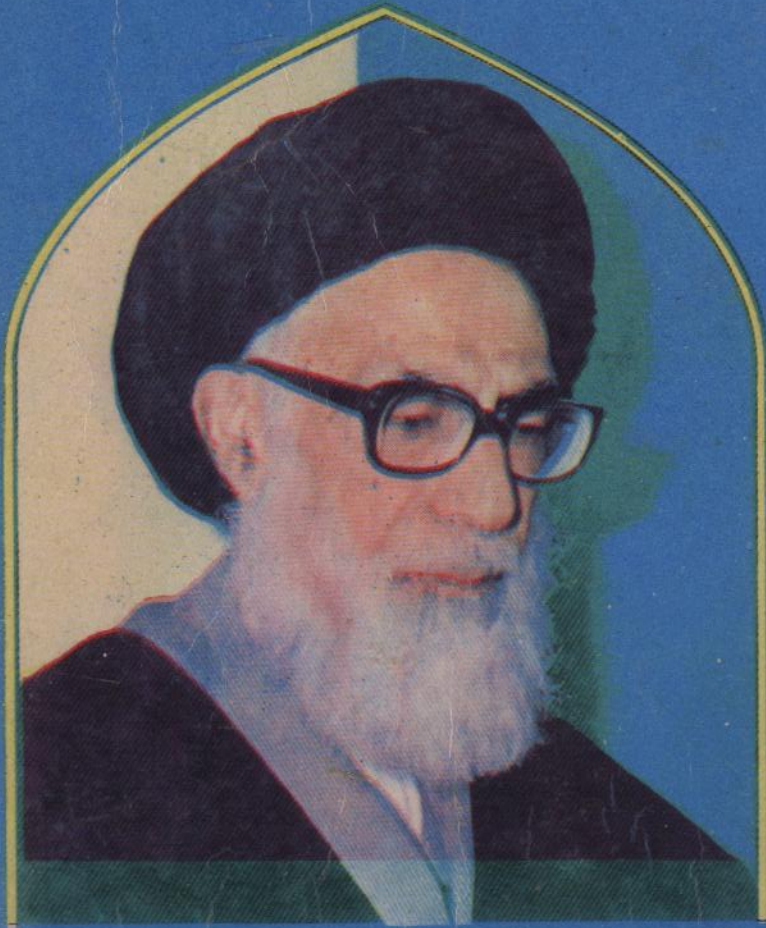
شہید محراب حضرت آیت اللہ سید عبدالحسین دستغیب شیرازی

نام کتاب	استعاذہ (اللہ تعالیٰ کے حضور پناہ طلبی)
مصنف	شہید محراب حضرت آیۃ اللہ سید عبد الحسین دستغیب رح
مترجم	سید غضنفر حسین البخاری
تعداد	ایک ہزار (۱۰۰۰)
سنہ اشاعت	جون ۱۹۹۶ء
مطبوعہ	اے۔ بی۔ سی آفسیٹ پریس، دہلی
کاتب	سید رفیع کامل کشمیری
حجم	۳۶ × ۲۳ / ۱۶
ناشر	عباسؑ بک ایجنسی، رستم نگر، لکھنؤ
زیر اہتمام	طٰہٰ پبلشنگ سینٹر، رستم نگر، درگاہ حضرت عباسؑ لکھنؤ
ہدیہ	پینتیس ۳۵ روپے

★

ملنے کا پتہ

عباسؑ بک ایجنسی

درگاہ حضرت عباسؑ، رستم نگر، لکھنؤ ۳

فون نمبر ۲۶۰۷۵۶

عرض ناشر

نفس امارہ سے مجاہدہ اور شیطان کے شر سے اللہ تعالیٰ کے حضور پناہ طلبی کے مختلف موضوعات پر مبنی آیت اللہ دستغیب شیرازی علیہ الرحمہ کی یہ گراں مایہ اور عدیم المثال تصنیف "استعاذہ" ملت مسلمہ کے لیے ایک انمول تحفہ ہے۔

اس کتاب میں استعاذہ کی حقیقت و اہمیت، اس کے معنی و مفہوم اور اس کے ارکان یعنی تقویٰ، تذکّر، توکل، اخلاص اور تضرع کو استدلال، آیات، اخبار اور حکایات کے ساتھ انتہائی سادہ و سلیس زبان میں بڑے دل چسپ اور فکر انگیز طریقے سے بیان کیا گیا ہے۔

خدا کا شکر ہے کہ اس عظیم تصنیف کو ہندوستان میں ہم اپنے ادارے کے توسل سے شائع کرنے کی سعادت حاصل کر رہے ہیں۔

شہید محراب آیت اللہ دستغیب شیرازی علیہ الرحمہ کی تصنیفات و تالیفات میں "توبہ" کی اشاعت کا شرف ہمارا ادارہ حاصل کر چکا ہے۔ نیز گناہانِ کبیرہ کا مکمل سیٹ و "قلب سلیم" زیر طباعت ہیں جو انشاءاللہ جلد منظر عام پر لائی جائیں گی۔

زیر نظر کتاب "استعاذہ" آیت اللہ دستغیب شیرازی علیہ الرحمہ کے متبرک ترین آثار میں سے ہے جسے خاص و عام نے متعدد جریدوں اور رسالوں میں بے دریغ خراج عقیدت پیش کیا ہے۔ اس کتاب کے مضامین فکر انگیز روایات اور دلکش حکایات سے مزین ہیں جس کی وجہ سے قاری کو ذہنی تھکن کا احساس نہیں ہوتا بلکہ اس کے انہماک و اشتیاق میں غیر معمولی اضافہ ہو جاتا ہے۔

امید ہے کہ قارئین کرام ادارہ کی اس پیش کش کا خلوص دل کے ساتھ استقبال کر کے ہماری حوصلہ افزائی فرمائیں گے۔ والسلام

سید علی عباس طباطبائی

عباسؑ بک ایجنسی، درگاہ حضرت عباسؑ لکھنؤ

فہرست مضامین

ارکان پنجگانہ استعاذہ

رکن اوّل ۔ تقویٰ

مجلس | مطالب | صفحہ

رکن دوم ۔ تذکر

رکن سوم ۔ توکّل

مجلس | مطالب | صفحہ

مجلس | مطالب | صفحہ

رکن چہارم ، اخلاص

مجلس | مطالب | صفحہ

رکن پنجم ۔ تضرع

مجلس — مطالب — صفحہ

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

مقدمہ

حقیقی پناہ صرف وہی دے سکتا ہے جو خود نجات یافتہ ہو۔

حضرت شہید محراب جناب آیت اللہ دستغیب کی یہ بے مثال تصنیف "استعاذہ" کے عنوان سے پیش خدمت ہے جیساکہ اس کے نام سے ظاہر ہے، شیطان لعین کے شر سے خدائے تعالیٰ کے حضور پناہ طلبی اس کا موضوع ہے۔ بے مثال تبحر علمی اور آیات و اخبار پر کامل دسترس کے بل پر اہل بیت اطہرؑ کی روایات صحیحہ کے حوالوں سے آپ نے صرف اسی ایک موضوع پر پینتیس مجالس ارشاد فرمائی ہیں استعاذہ کی حقیقت و اہمیت، اس کے معنی و مفہوم اور اس کے ارکانِ پنجگانہ ــــــ تقویٰ، تذکر، توکل، اخلاص اور تضرّع پر آپ کے یہ ایمان افروز خطبات بڑے دلچسپ اور فکر انگیز ہیں اور بہت سے بصیرت افروز اور روشن نکات کے حامل ہیں۔ استدلال میں آپ نے آیات و اخبار و حکایات سے بکمال خوبی و خوش اسلوبی استفادہ کیا ہے اور حقائق کو بڑی سلیس اور سادہ زبان میں پوری تفصیل سے ایسے انداز میں بیان فرمایا ہے کہ ہر ذہن بآسانی سمجھ لے۔

لیکن جو حقیقت خاص طور پر قابل توجہ اور غور طلب ہے وہ یہ ہے کہ آپ کسطرح اور کیونکر اپنی زندگی میں اس قدر مرجع خلائق تھے کہ بوقت شہادت بھی اور اس کے بعد بھی دنیا آپ کے لئے سوگ نشین ہوئی اور سب نے آپ کے فراق میں نوحہ خوانی۔ اور آپ کی عظیم تصنیفات کو پھول کی پتیوں کی صورت خریدا اور دوسروں کو ہدیہ کیا۔

در اصل آپ خود صحیح معنوں میں استعاذہ پر عمل پیرا تھے. عمر بھر آپ نے نفس امارہ اور ہوائے نفسانی کے خلاف مجاہدہ کیا اور ملکات فاضلہ کے حصول کیلئے جدوجہد کی، شیطان ملعون کے ساتھ طولانی جہاد میں مصروف رہے اور بالآخر اس پر فتحیاب ہوئے. یہی وجہ ہے کہ آپ نہایت ہی دل نشین اور موثر انداز میں شیطان خبیث کی شناخت کرواتے ہیں اور انسان کو اس کے دام تزویر سے رہائی پانے کی کامیاب تدابیر اور خود کو اس کے شر سے محفوظ رکھنے کے لئے اللہ تعالےٰ کی پناہ طلب کرنے کے مفصل طرق و اطوار بتاتے ہیں یہ کتاب اس مقدس بزرگ کے متبرک ترین آثار میں سے ہے جسے خاص و عام نے متعدد جریدوں اور مجلوں میں بے دریغ خراج عقیدت پیش کیا ہے. اس کتاب کے مضامین فکر انگیز روایات اور دلکش حکایات سے مزین و مرصع ہیں. ان کی وجہ سے قاری کو تھکن کا احساس نہیں ہوتا بلکہ اس کے انہماک و اشتیاق میں اضافہ ہو جاتا ہے.

مجھے خوب یاد ہے کہ ایک دفعہ جب ایک فلم بردار آپ کی کسی کتاب کے آفسٹ کیلئے اس کی فلم بنانے لگا تو اس کے مطالعہ میں کھو گیا. خود اس کا بیان ہے کہ: "مطالعے کے دوران دفعتاً مجھے احساس ہوا کہ سٹڈیو بند کرنے کا وقت ہو گیا ہے درآنحالیکہ میں نے ایک صفحے کی بھی فلم نہیں لی تھی. اس کے بعد بھی جب کبھی دوران فلم بندی میری نظر کسی مضمون پر پڑ گئی تو وہیں ٹک گئی اور پھر مجھے احساس نہ رہا کہ میں کتنی دیر اس کے مطالعے میں محو رہا ــــ"

اے ربّ غفّار! اُن کی روح کو اپنی رحمت کے سایہ میں رکھ اور ان کے نواسہ عزیز کی روح کو ان کے جملہ شہید رفقاء کے ساتھ غریق رحمت فرما ــــ

۱۳۶۰/۱۲/۵ شمسی ہجری

مطابق ۱۹۸۲/۲/۲۴ میلادی

سید محمد ہاشم دستغیب

مجلس ۱

بسم اللہ الرحمن الرحیم ۔ وقل ربّ أعوذ بک من ھمزات الشیاطین وأعوذ بک ربّ أن یحضرون ۔ (۲۳:۹۸)

قرآن واخبار میں استعاذہ کی اہمیت:

قرآن مجید اور اخبار اہل بیت رسولؐ میں جس موضوع پر سب سے زیادہ توجہ دی گئی ہے وہ استعاذہ ہے یعنی شیطان لعین کے شر سے اللہ تعالےٰ کے حضور پناہ طلبی جو "اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم" کے مقدس الفاظ سے کی جاتی ہے لیکن یہ نہایت ضروری ہے کہ قلب انسانی میں سچی کیفیت اس کیلئے پیدا ہو تاکہ اسے صحیح معنوں میں استعاذہ کہا جا سکے.

استعاذہ کی اہمیت واضح کرنے کے لئے اللہ تعالےٰ نے کلام پاک میں ارشاد فرمایا ہے:

"فاذا قرأت القرآن فاستعذ باللہ من الشیطان الرجیم"

(پس جب تو قرآن پاک کی تلاوت شروع کرے تو شیطان مردود سے اللہ تعالےٰ کی پناہ طلب کرے)

نماز میں تکبیرۃ الاحرام کے بعد بھی استعاذہ کا حکم وارد ہوا ہے لیکن وہاں اسے آہستہ پڑھنا چاہیئے. مفسرین کرام نے آہستہ خوانی کی وجہ یہ بتائی ہے کہ پناہ طلب اس شخص کی مانند ہے جو موقعہ پا کر دشمن سے فرار کر کے خود کو پوشیدہ رکھنا چاہتا ہے، اشارہ اس حقیقت کی طرف ہے کہ اے پناہ طلب! تو اپنے عدوئے مبین سے حالتِ فرار میں ہے جو کہ ہر لحظہ تیری گھات میں ہے بس اپنے آپ کو حتی الامکان اس سے پوشیدہ رکھ کر آہستگی سے عظیم پناہ گاہ کا دروازہ کھٹکھٹا ــــ

عبادت کی ابتدا میں استعاذہ:

استعاذہ کا ایک نہایت ضروری وقت عبادت کی ابتدا کا ہے. انسان جو بھی عبادت کرے اس پر لازم ہے کہ شر شیطان سے اللہ تعالےٰ کی پناہ مانگ لے کیونکہ ابلیس کی جو جنس بشر کے ہر فرد کو گمراہ کرنے کے لئے ہر وقت گھات میں

ہے۔ انتہائی کوشش ہوتی ہے کہ انسان کے عملِ خیر کو برباد کرے اور یا تو اسے پورا ہی نہ ہونے دے تاکہ وہ اس کے ثواب سے محروم رہے اور یا کم از کم عبادت کے بارے میں اُسے ریا، وغرور میں مبتلا کر دے۔

مثلاً آپ نے چاہا کہ وضو کریں تو آپ پر لازم ہے کہ پہلے استعاذہ کریں، ابلیس لعین سے خدا کی پناہ مانگیں۔ اس کے بعد وضو کریں آپ نے بارہا دیکھا ہے کہ یہی وضو شیطان کی بازی گاہ بن گیا کیونکہ بعض اوقات ان وسوسوں کی وجہ سے جو وہ انسان کے دل میں ڈالتا ہے، ساری کی ساری عبادت اکارت ہو جاتی ہے اور بے معنی ہو کر رہ جاتی ہے۔

غرضیکہ استعاذہ امور عبادی میں سے ہے جنہیں صحیح معنوں میں اور کما حقہٗ بجا لانے کے لئے ضروری ہے کہ شیطان ملعون کے شر اور اس کے عمل دخل سے اللہ تعالےٰ کی پناہ حاصل کر لی جائے۔

مباح امور میں استعاذہ کی تاکید:

مباح امور مثلاً کھانے پینے اور پہننے وغیرہ میں بھی استعاذہ کا حکم ہے اور ہر عمل کیلئے مخصوص دعائیں منقول ہیں مثلاً لباس پوشی کے وقت کہیے:

"اللّٰھم استر عورتی ولا تجعل الشیطان لہٗ نصیبا"

(خداوند میری جائے ستر کو پوشیدہ رکھ اور اسے شیطان کے عمل دخل سے محفوظ فرما)

ہر پست و ذلیل اور ہر بلند و عزیز مقام پر شیطان سے پناہ مانگنی چاہئے۔ اگر مسجد میں جائیں تو استعاذہ کریں کہ مبادا یہ دشمن عنید وہاں بھی آپ کا پیچھا نہ چھوڑے۔ حتیٰ کہ بیت الخلا جاتے وقت بھی استعاذہ کی تاکید وارد ہوئی ہے جس کے الفاظ یہ ہیں:

"اللّٰھم انّی اعوذ بک من الخبیث المخبث الرجس النجس الشیطان الرّجیم"

(پروردگار میں شیطان خبیث و خباثت کار نجس و پلید سے آپ کی پناہ مانگتا ہوں)

شیطان مسجد کے دروازے پر

ایک متقی شخص کا بیان ہے: "میں نے مکاشفہ میں شیطان لعین کو مسجد کے دروازے پر کھڑا پایا۔ میں نے اس سے کہا:

"اے ملعون ازلی تو یہاں کیا کر رہا ہے؟" اس نے جواب دیا:

میرے ساتھی کہیں اِدھر اُدھر ہو گئے ہیں، ان کا انتظار کرتا ہوں۔

میں سمجھ گیا کہ صاحبانِ عقل و شعور ہوں گے کہ یہ ملعون ان کے ساتھ مسجد میں نہیں جا سکا۔ اور اتنی احتیاط انہوں نے ضرور کی ہوگی کہ درِ مسجد پر استعاذہ کیا ہوگا۔

گھر سے نکلتے وقت استعاذہ

پس استعاذہ ہر حال میں لازم ہے۔ جب آپ گھر سے باہر جا رہے ہوں تو شیاطین دروازے پر آپ کے منتظر ہوتے ہیں[1]۔ اس وقت آپ استعاذہ کیجئے اور یہ دعائے ماثور پڑھیے:

"بسم اللّٰہ وباللّٰہ اٰمنتُ باللّٰہ توکلتُ علی اللّٰہ ولا حول ولا قوۃ الا باللّٰہ"

(اللہ تعالےٰ کے نام سے اور اسی کی توفیق سے (میں اپنے کام سے جا رہا ہوں) میرا اس ذاتِ اقدس پر ایمان ہے اور اسی پر میرا توکل ہے اور کوئی بھی طاقت و قوت اس ذات بزرگ و برتر کے سوا (امور کائنات کی مدبّر و مدیر) نہیں ——)

کلام پاک میں تاکیداً ارشاد ہوا ہے:

"انّہٗ یراکم ھو وقبیلہ من حیث لا ترونھم۔ انا جعلنا الشیاطین اولیاء للذین لا یؤمنون"

(شیطان اور اس کا گروہ تمہارے ہر عمل کے نگران رہتے ہیں درانحالیکہ تم ان کے وجود سے بے خبر ہوتے ہو۔) اسے بہر حال اپنا دشمن سمجھو کیونکہ ہم نے شیاطین کو بے ایمانوں کا دوست بنایا ہے۔)

شیطان ملعون سے صرف ایک چیز آپ کو بچا سکتی ہے اور وہ استعاذہ ہے۔ اللہ تعالےٰ کی پناہ کے علاوہ اس سے محفوظ رہنے کی اور کوئی راہ نہیں۔

اس شخص کی طرح جو کسی بڑے آدمی کے خیمہ پر آنا چاہ رہا ہو جس کے دروازے پر ایک خونخوار کتا بیٹھا ہے جو آپ کو اندر نہیں جانے دے رہا۔ آپ کا فرض ہے کہ صاحب خیمہ سے پناہ طلب کریں کہ میں آپ کی خدمت میں حاضر ہونا چاہتا ہوں

---

[1] گھر یا کمرے میں داخل ہوتے وقت اور وہاں سے نکلتے وقت اور کھانا کھاتے وقت بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کہنا استعاذہ کا قائم مقام ہے کیونکہ روایت میں وارد ہوا ہے کہ بسم اللہ کہنے سے شیطان بھاگ جاتا ہے اور ان مقامات میں بسم اللہ کہنا دراصل استعاذہ ہی ہے تاکہ شیطان اس کام میں دخل انداز نہ ہو اور وہ کام اللہ تعالےٰ کی توفیق سے سرانجام ہو نہ کہ شیطان کی تدبیر سے۔

براہ کرم اس جان لیوا رکاوٹ کو دور فرمایئے ـــ یہ بہرحال ایک مثال تھی جو بیان کی گئی ۔

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو استعاذہ کا حکم اے انسان تو بھی چاہتا ہے کہ بارگاہ قدس تک رسائی حاصل کرلے درانحالیکہ شیطان کی ہر ممکن کوشش یہ ہے کہ تو وہاں تک نہ پہنچنے پائے۔ وہ تیرے کام میں اسقدر خرابی اور رکاوٹ ڈالتا ہے کہ تیرے لئے اپنی منزل مقصود تک رسائی محال ہو جاتی ہے۔ اس صورت سے نجات کی واحد صورت خدا سے استعاذہ ہے۔

اللہ تعالٰے نے نبی علیہ السلام کو حکم دیا :

" قل رب اعوذبك من همزات الشياطين واعوذبك رب ان يحضرون "ــــ

(کہئے اے حبیبؐ : اے اللہ میں شیطانوں کے وسوسوں اور قلب و روح پر ان کے ورود و تسلط سے تیری پناہ طلب کرتا ہوں)

اسی طرح سورۂ معوذتین میں " ...... من شر الوسواس الخناس " فرمایا ہے۔

بس جب دشمن اسقدر جری اور قوی ہو تو آپ کو اور مجھے آرام نہیں کرنا چاہئے اور اس سے غافل نہیں ہونا چاہئے۔ بلکہ اپنے تمام قویٰ کو مجتمع کر کے اس سے بچنے کی تدبیر اللہ تعالٰے کی پناہ میں رہ کر کرنی چاہئے۔ ورنہ دفعتاً آپ محسوس کریں گے کہ جس آستانہ پر آپ مدتوں سر اطاعت وعقیدت خم کئے پڑے رہے وہ تو شیطان کا ہے جسے آپ نادانی اور بےخبری سے اللہ کا سمجھتے رہے۔ اس مدت میں آپ پکارتے تو آپ خدا کو تھے لیکن در اصل مخاطب آپ کا شیطان تھا منہ سے تو آپ " یا اللہ " کہتے تھے لیکن اطاعت آپ کی شیطان کی تھی۔

پوری عمر شیطان کی پوجا منتخب التواریخ میں ایک حکایت نقل کی گئی ہے میرے استاد مرحوم شیخ علی الحائری نے اپنے ایک درس میں فرمایا : " اصفہان کے کسی گاؤں میں ایک مریض حالت نزع میں تھا۔ گاؤں کے زاہد عالم سے درخواست کی گئی کہ اس کے سرہانے آکر اسے تلقین کریں۔ تلقین کے دوران جب وہ مریض " لا الہ الا اللہ " کہہ کر خدائے تعالٰے کی وحدانیت کی شہادت دیتا تھا تو کمرے کے گوشے میں سے آواز آتی تھی " صدقت عبدی " (میرے بندے تو نے سچ کہا)۔ اور جب وہ " یا اللہ " کہتا تو کونے سے آواز آتی " لبیك عبدی " (میرے بندے میں حاضر ہوں)۔ عالم نے پوچھا :

" اے صاحبِ آواز تو کون ہے ؟ " تو جواب میں آواز بولی :

" میں اس کا معبود ہوں جس کی اس نے ساری عمر پرستش کی ہے۔ میں شیطان ہوں۔ "

جی ہاں حقیقت یہی ہے کہ اس کا معبود شیطان ہی تھا جس کی ہر صدا پر اس نے لبیک کہا۔ صبح و شام اسی کے حکم پر چلتا رہا۔ زبان اس کی اسی کی تلقین سے گویا تھی۔ آنکھ اس کی اسی کے ارادے سے دیکھتی تھی اور دل اس کا اسی کی خواہش پر عمل پیرا تھا۔ ساری عمر جب وہ اسی حالت میں رہا تو اب وہ " یارب " کہے یا " یاابلیس " مخاطب اور مجیب اس کا شیطان ہی ہوگا۔ اور اگر دم نزع پر پردہ اٹھ بھی گیا تو سوائے حسرت و حرمان کے کیا حاصل ہو سکتا ہے اور افسوس و ندامت کا کیا فائدہ ہے ؟ !ــ

اہل ایمان ! کوشش کیجئے کہ استعاذہ پر عمل پیرا رہیں، دشمن کو کمزور اور اس کے کام کو معمولی نہ سمجھئے۔ یہ خیال نہ کیجئے کہ " اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم " کے الفاظ ادا کردینا کافی ہے۔ یاد رکھئے کہ جب تک آپ ان کلمات کی حقیقت پر عمل پیرا نہیں ہوں گے، کوئی فائدہ حاصل نہ ہوگا۔

حکومت ـــ نامحرموں سے خلوت ـــ غصہ روایات اہل بیت علیہم السلام میں چند مواقع پر استعاذہ کی خصوصی تاکید وارد ہوئی ہے۔

۱. قضاوت : قاضی کیلئے فریاد رسی اور انصاف کے نازک موقعہ پر استعاذہ کے بغیر چارہ نہیں۔

۲. خلوت با نامحرم : پرائی عورت کے ساتھ خلوت اتنا نازک اور خطرناک موقعہ ہوتا ہے کہ شیطان خواہ مخواہ مسلّط ہو جاتا ہے اور ایسے انداز میں ظاہر ہو کر وسوسہ انداز ہوتا ہے کہ انسان چاہ ہلاکت میں گر جاتا ہے۔

۳ غصہ : قضاوت اور خلوت با نامحرم تو اتفاق کی بات ہے۔ لیکن غیظ و غضب کی حالت انسان کیلئے سخت ابتلا کا وقت ہوتا ہے۔ جب انسان غضبناک ہوتا ہے تو اس کے خون میں جوش آتا ہے اور شیطان پوری قوت سے اس پر سوار ہو جاتا ہے۔

چونکہ شیطان اپنی خلقت کے اعتبار سے آتشی اور لطیف ہے لہٰذا بجلی کی سی قوت و سرعت سے انسان میں نفوذ کر جاتا ہے۔

آپ اسی مثال سے جو شیطان نے حضرت نوحؑ سے بیان کی، حقیقت کو سمجھنے کی کوشش کیجئے۔ شیطان کے الفاظ یہ ہیں: "غیظ و غضب کے وقت انسان کی میرے ہاتھ میں وہ حالت ہوتی ہے جو بچے کے ہاتھ میں گیند کی ہوتی ہے۔"

آپ نے دیکھا کہ بچہ گیند کو جس طرح چاہے، جس طرف چاہے بآسانی پھینکتا ہے۔ اسی طرح شیطان بھی انسان پر غیظ و غضب کے عالم میں ایسا مسلط ہو جاتا ہے کہ اس سے ہر حرام کام کرواتا ہے اور تعجب نہیں اگر اس کے زیر اثر انسان سے کفر بھی سرزد ہو جائے۔ اس خطرناک صورت احوال سے صرف وہ خوش قسمت افراد بچ سکتے ہیں جن پر اللہ تعالےٰ کی نظرِ خاص ہو

مجلس ۲

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ۔ قل ربّ اعوذ بک من ھمزات الشیاطین و اعوذ بک ربّ ان یحضرون (۲۳: ۹۸)

شب گذشتہ کی گذارشات کا خلاصہ یہ ہوا کہ مومنین کو چاہئے کہ مسئلہ استعاذہ کو اہمیت دیں اور نص قرآنی کے مطابق ہر حال میں شیاطین کے شر سے اللہ تعالےٰ کی پناہ مانگیں کیونکہ انہوں نے نہ کبھی انسان کو اس کے اپنے حال پر آزاد چھوڑا ہے اور نہ ہی کبھی چھوڑیں گے۔ ان کی انتہائی کوشش یہی ہوتی ہے کہ انسان سے فعلِ خیر سرزد نہ ہو اور اگر کبھی وہ اس کی کوشش کرے تو اسے ناکام بنا دیں اور اسے خراب کر کے تکمیل تک نہ پہنچنے دیں۔

بعض مواقع پر ان کی یہ کوشش بہت ہی سخت ہوتی ہے اور بالخصوص تین مواقع — قضاوت، خلوت با نامحرم اور غیظ و غضب پر تو، جیسا کہ شب گذشتہ مثالوں سے واضح کیا گیا، وہ ہر ممکن طریق سے انسان کو تباہ کرنے کی سعی کرتے ہیں

دام شیطان

آج رات تین مزید اعمال خیر — عہد، نذر اور صدقہ کا ذکر کیا جائے گا جن کی انجام دہی میں شیطان فریب و اغوار کی پوری توانائیوں کے ساتھ رخنہ انداز ہوتا ہے۔

اگر کوئی شخص اللہ تعالےٰ سے کسی عمل کے کرنے یا اسے ترک کر دینے کا عہد کرے یا ایسی نذر مانے جو فقہی اعتبار سے کتب اعمال میں مذکور شرائط صحت پر پوری اترتی ہو تو شیطان ہر ممکن طریقے سے اسے باز رکھنے کی سعی کرتا ہے اور اس کی شکست کیلئے سرتوڑ کوشش کرتا ہے۔

اسی طرح جب کوئی راہ خدا میں صدقہ دینا چاہتا ہے تو شیطان کی انتہائی کوشش یہ ہوتی ہے کہ وہ صدقہ نہ دے سکے کیونکہ مومن کے صدقہ دینے سے شیطان کی کمر ٹوٹ جاتی ہے۔ چنانچہ اخبار میں آیا ہے کہ جونہی کوئی مومن صدقہ دینے کے ارادے سے اپنا ہاتھ جیب کی طرف لے جاتا ہے تو شیطان کے ستر چیلے اس کے ہاتھ سے چمٹ جاتے ہیں اور ہر ممکن وسوسہ

سے اسے باز رکھنے کی کوشش کرتے ہیں کبھی وہ حسب تنبیہ خداوندی "الشیطان یعدکم الفقر و یامرکم بالفحشاء"۔ البقرہ : ۲۶۸ (شیطان تمہیں غریبی اور مفلسی سے ڈراتا ہے اور فواحش کے ارتکاب پر اکساتا ہے۔) آپ کو اس بات سے ڈرائیں گے کہ صدقہ کی یہ رقم دے دینے کے بعد آپ مفلس و محتاج ہو جائیں گے اور کبھی یہ وسوسہ آپ کے دل میں ڈالے گا کہ اس کے بعد اگر کوئی ضروری موقعہ خرچ کرنے کا آگیا تو آپ پیسے کہاں سے لائیں گے۔ لہٰذا اس صدقہ سے باز رہیۓ۔ غرضیکہ اس کی انتہائی کوشش یہ ہوگی کہ آپ راہ خدا میں کوئی پیسہ خرچ نہ کریں۔

صدقہ کر کے اسے جتاؤ نہیں

اور اگر آپ نے صدقہ دے ہی دیا تو اب شیطان کی ہر ممکن کوشش یہ ہوگی کہ اس کو کسی نہ کسی طرح سے باطل کر دے اور اس کا ثواب آپ کو نہ مل سکے۔ چنانچہ آپ کو احسان جتانے پر اکسائے گا۔ مثلاً آپ کے دل میں ڈالے گا کہ آپ صدقہ وصول کرنے والے سے کہیں: "یہ میں ہی تھا جس نے رحم کھا کر اس آڑے وقت میں تمہاری مدد کر دی ورنہ کوئی دوسرا تمہاری دستگیری نہ کرتا" اور یا یہ آپ کی زبان سے کہلوا کر صدقہ وصول کرنے والے کو ذہنی اذیت دلائی کہ: "اب تو یہ لو لیکن آئندہ کیلئے اس کام سے باز آؤ .... اور دوبارہ میرے پاس نہ آنا ـــ وغیرہ۔

چنانچہ کلام پاک میں واضح ارشاد ہے کہ " لا تبطلوا صدقاتکم بالمن والاذیٰ۔ البقرہ : ۲۶۳ (اپنے صدقات کو احسان جتا کر اور ذہنی اذیت دیکر باطل نہ کرو۔)

بہر حال چونکہ آپ کا دشمن ازلی شیطان یہی چاہے گا کہ آپ کا کار خیر بے اثر ہو جائے۔ لہٰذا آپ کو بھی اس کی اس منحوس کوشش کو باطل کرنے کی سعی بلیغ کرنی چاہئے۔

شیطان کی نظر دل پر ہے

سب تفاسیر میں خصوصاً مجمع البیان میں نبیؐ علیہ السلام سے یہ روایت نقل کی گئی ہے کہ شیطان ہمیشہ مومن کے دل پر نظر رکھتا ہے اور جب اسے عبادت خدا میں مصروف پاتا ہے تو فرار کر جاتا ہے۔ نبیؐ کا ارشاد ہے: اِن الشیطان واضع خطمه علی قلب ابن آدم فاذا ذکر اللہ خنس و اذا نسی التقم قلبه فذالک الوسواس الخناس (مجمع البیان) شیطان نے انسان کے دل پر نکیل ڈالی ہوئی ہے لیکن جب انسان اللہ کا ذکر کرتا ہے تو شیطان وہاں سے کھسک جاتا ہے

لیکن جب انسان اللہ کا ذکر بھلا دیتا ہے تو شیطان اس کے دل کو نگل لیتا ہے۔

ان الشیطان یلتقم الی قلب المومن فاذا ذکر اللہ هرب ـــ شیطان مومن کے دل کو نگل لینے کا ارادہ کرتا ہے لیکن جب مومن اللہ کا ذکر کرتا ہے تو شیطان بھاگ جاتا ہے۔

غرضیکہ شیطان آخر دم تک انسان کا پیچھا نہیں چھوڑتا۔ اس موضوع کو کلام پاک نے بھی بڑی اہمیت دی ہے اور انسان سے عہد لیا ہے کہ وہ شیطان کی پیروی سے باز رہے گا۔ اللہ تعالےٰ نے واضح الفاظ میں شیطان کو انسان کا کھلا دشمن قرار دیا ہے۔ کلام پاک میں ارشاد ہے : " الم اعهد الیکم یا بنی آدم ان لا تعبدوا الشیطان انه لکم عدو مبین یٰسین؛ (اے آدم کی اولاد کیا ہم نے تمہیں تاکید نہیں کی تھی کہ شیطان کے بندے نہ بننا۔ یقیناً وہ تمہارا کھلا دشمن ہے) ۔ اللہ تعالےٰ نے انسان کو اپنے ازلی دشمن کی دوستی سے منع فرمایا ہے اور اس کی پیروی کے خلاف اُسے خبردار کیا ہے۔

شیطان کیا ہے۔ وہ کیوں پیدا کیا گیا؟

دو موضوع ہمیشہ سے مورد بحث چلے آئے ہیں ایک یہ کہ شیطان کون ہے اور کیا ہے۔ اور اس کی خلقت میں کیا حکمت و مصلحت پوشیدہ ہے اور دوسرا یہ کہ اس کے ہتھکنڈوں اور وسوسوں سے بچنے کی کیا صورت ہے ـــ یہ دونوں بحثیں تفصیل طلب ہیں اور ان کے جو علمی جواب دئے گئے ہیں وہ عوام کے لئے مفید نہیں ہیں اور چونکہ تفصیل ان کی کچھ مفید نہیں لہٰذا مختصراً ان کے جواب دے جاتے ہیں :-

شیطان شناسی کا کیا فائدہ ہے

محققین کے بقول اگر کسی سچے مخبر نے آپ کو خبر دی کہ آج رات مسلح چوروں کا ایک گروہ آپ کے گھر میں نقب لگائے گا۔ آپ کے گھر کو ویران کر دے گا۔ آپ کا مال و دولت لوٹ لے گا اور آپ اور آپ کے اہل خاندان کو ہلاک کرے گا تو اگر آپ صاحب عقل و شعور ہوں گے تو اپنے کچھ حامی تلاش کریں گے۔ دروازوں کو مضبوط و مستحکم کریں گے۔ جن راہوں سے ان چوروں کے آنے کا اندیشہ ہو ان میں رکاوٹیں کھڑی کریں گے اور مورچہ بندی کریں گے۔ لیکن بصورت دیگر اگر آپ صرف یہی پوچھنے پر اکتفا کریں گے کہ یہ چور کون ہیں، کہاں کے رہنے والے ہیں، کیسا لباس پہنتے ہیں۔ بوڑھے ہیں یا جوان۔ ان کی نفری کتنی ہے۔ وہ کُرد ہیں یا ترک .... ؟ تو جب تک آپ کی یہ تحقیقات مکمل ہوگی، وہ لوگ اپنا کام کر چکے ہونگے

جو چیز آپ کیلئے ضروری ہے وہ یہ ہے کہ آپ شیطان سے بچنے کی راہ تلاش کریں۔ اب اُس کی خلقت کی کیفیت کیاہے اور اس کی وسوسہ اندازی کے انداز و اطوار کیا ہیں یا اس کی خلقت کی حکمت و مصلحت کیا ہے، ان باتوں سے آپ کو کیا مطلب ہے؟ آپ پر صرف یہ فرض عائد ہوتا ہے کہ اس سے بہرصورت بچیں۔

اور اب جبکہ مخبر صادق نے خبر دے دی ہے کہ آپ کا ازلی دشمن شیطان آپ کی گھات میں ہے آپ کو چاہیئے کہ بے فائدہ باتوں میں وقت ضائع نہ کریں اور اس سے نجات کا کوئی حیلہ تلاش کریں لیکن چونکہ اس قسم کے سوالات عموماً ہوتے رہتے ہیں، ان کا جواب مختصراً پیش خدمت ہے:

شیطان آگ سے خلق ہوا ہے اور لطیف مخلوق ہے:

انسان اگرچہ چار عناصر ــــ آگ، پانی، مٹی، ہوا سے خلق کیا گیا ہے لیکن اس کا خاکی جنبہ دوسرے تین جنبوں سے مقدار میں زیادہ اور ماہیت میں قوی تر ہے اس لئے ثقل رکھتا ہے اور وزن دار ہے اور اسی وجہ سے اس کے ادراکات اور قوت عمل بہت محدود ہے۔

اسکے برعکس شیطان کی خلقت میں آگ اور ہوا کا عنصر غالب ہے اس لئے اس کی ساخت بہت لطیف اور دائرہ تصرف اس کا بہت وسیع ہے۔

انسان خود کو بڑی طاقت اور قدرت والا سمجھتا ہے لیکن شیطان کو ایسی قدرت حاصل ہے کہ مثلاً وہ اپنے بدن کو اتنا چھوٹا کر سکتے ہیں کہ ایک چھوٹے سے سوراخ میں داخل ہو سکیں یا اتنا بڑا بنا سکتے ہیں کہ وسیع جگہ پر محیط ہو جائیں وہ فاصلے جن کو انسان ایک ماہ میں بمشکل طے کر سکتا ہے۔ وہ ایک لحظہ میں طے کر لیتے ہیں اور جن چیزوں کے اٹھانے پر انسان ہرگز قادر نہیں ہو سکتا وہ باآسانی اٹھا لیتے ہیں۔

سورۃ النمل میں اللہ تعالےٰ نے قصہ سلیمان اور تخت بلقیس کے ضمن میں اس حقیقت کی طرف اشارہ فرمایا ہے:

قال عفریت من الجن انا آتیک بہ قبل ان تقوم من مقامک وانی علیہ لقوی امین۔ (النمل: ۳۹) (ایک بڑے سے جن نے کہا میں تخت بلقیس کو آپ کے اپنی جگہ سے اٹھنے سے پہلے پہلے لیکر آتا ہوں۔ میں یقیناً اس کی طاقت رکھتا ہوں اور مجھ پر بھروسہ کیا جا سکتا ہے۔)

شیطان آپ کو دیکھتا ہے

پس یہ اعتراض کہ اگر شیطان موجود ہے تو ہم اس کو کیوں نہیں دیکھ سکتے بے جا ہے ــ آپ کی آنکھ صرف کثیف جسم کو دیکھ سکتی ہے، لطیف چیز کو نہیں آپ ہوا کو نہیں دیکھ سکتے، اس کی لہروں کو نہیں دیکھ سکتے کیونکہ وہ لطیف ہیں۔ آپ کی آنکھ خاکی ہے اور صرف مجسم اشیاء ہی کو دیکھ سکتی ہے۔ اسی لئے کلام پاک میں ارشاد خداوندی ہے: "انہ یراکم ھو وقبیلہ من حیث لا ترونھم" (وہ اور اس کا لشکر تمہیں ایسے مقام سے دیکھتے ہیں جہاں سے تم انہیں نہیں دیکھ سکتے۔)

ہاں بعض اوقات شیاطین اپنے آپ کو مجسم بھی کر سکتے ہیں جس کی وجہ سے انسان انہیں دیکھ سکتا ہے۔ چنانچہ بہت سے انبیاء مثلاً حضرت نوحؑ، حضرت یحییٰؑ اور جناب خاتم الانبیاء محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور بعض دوسرے صالح بندوں نے شیطان کو دیکھا ہے اور اب بھی دیکھتے ہیں۔

شیطان کی خلقت اور انسان کی سعادت

جہاں تک اس کی خلقت کی حکمت کا تعلق ہے خالق علیم و حکیم جس چیز کی بھی تخلیق کا ارادہ فرمائے، درست ہے چنانچہ اسمیں وہی حکمت کارفرما ہے جو تخلیق بنی آدم اور حیوانات میں کارفرما ہے خواہ ہم اس کو سمجھیں یا نہ سمجھیں۔

شیطان کی تخلیق میں بھی بڑی حکمت ہے لیکن اس کی تفصیل بہت علمی اور طولانی ہے اور عوام کے سمجھنے کی نہیں، جو کچھ امکانی طور پر بیان کیا جا سکتا ہے وہ یہ ہے کہ:

تخلیق شیاطین کی حکمت و مصلحت اتنی ہی کافی ہے کہ انسان کی سعادت بھی ظاہر ہو سکے اور اس کی بدبختی بھی آشکار ہو سکے اور اس کے داخل بہشت ہونے یا واصل جہنم ہونے کا استحقاق بھی واضح ہو سکے۔

خدا نے حکم دیا صدقہ دو، شیطان کہتا ہے، نہ دو اگر دو گے تو تمہارا مال کم ہو جائے گا۔ اگر آپ صاحب عقل و رشد ہیں اور صاحب ایمان و عزم ہیں تو اس منہ پر تھوکیں گے کہ ملعون! اللہ تعالےٰ تو فرماتا ہے صدقہ دو، مال میں برکت کا باعث ہے، تمہارے مال میں واقع ہونے والی کمی کو ہم پورا کریں گے، "وما انفقتم من شیٔ فھو یخلفہٗ وھو خیر الرازقین" (اور تم جو کچھ خرچ کرو گے ہم پورا فرمائیں گے۔ ہم خیر الرازقین ہیں)!

اگر آپ عزم و استقلال میں پہاڑ کی طرح مستحکم ہوں گے تو عقل و رشد آپ کا اس مقام پر ثابت ہو جائے گا لیکن اگر

خدانخواستہ کم عقل و ضعیف العزم ہوں گے تو ایک ہی شیطانی وسوسہ آپ کے قدم اکھیڑ دے گا۔

یہ شیاطین کی تخلیق کی برکت ہی ہے کہ اس سے سعادتمندوں کی سعادت اور اصحاب عقل و تمیز کی معقولیت نکھر کر سامنے آتی ہے۔

شیاطین کی تخلیق کا مقصد انسان کی آزمائش ہے

ہم سب خدا و آخرت کا ذکر کرتے ہیں لیکن ہم دل سے ان پر ایمان رکھتے ہیں یا نہیں۔ یہ صرف شیاطین ہی ہیں جن کے ذریعے ہمارے جھوٹ کی ہمارے سچ سے تمیز ہو سکتی ہے۔

اگر آپ اللہ کا نام پورے ایمان سے لیتے ہیں تو پھر اس کے وعدے پر کیوں ایمان نہیں رکھتے؛ اگر خدانخواستہ آپ نے شیطان کے وسوسے کو قبول کر لیا تو آپ صرف زبان کے مومن ٹھہرے۔ اگر آپ واقعی بہشت پر ایمان رکھتے ہیں تو اس کو خریدنے اور اس کے اہل بننے کی کوشش کیوں نہیں کرتے اور جہنم سے بچنے کی تدبیر کیوں نہیں کرتے۔

"وما کان لہ علیھم سلطان الا لنعلم من یومن بالآخرۃ ممن ھو منھا فی شک" (سبا: ۲۱)

(شیطان کا ان پر کوئی بھی قابو نہ تھا بس ہم جاننا چاہتے تھے کہ کون آخرت پر ایمان رکھتا ہے اور کون اسکے بارے میں شک میں مبتلا ہے)

آپ دیکھتے ہیں کہ فلاں خاتون دینداری کی مدعی ہے۔ ایک شیطان بصورت انسان اس تک پہنچتا ہے اور کہتا ہے کہ: واہ آپ بھی خرافاتی اور دقیانوسی ہو گئی ہیں کہ اتنی بڑی چادر سر پر اوڑھ رکھی ہے؛ اور جب آپ دوسری بار اسے دیکھیں گے تو مردوں سے کچھ مختلف نظر نہ آئے گی۔ شیطان کے اسی قسم کے وسوسوں اور تمسخر سے انسان گمراہ ہو جاتا ہے۔

یقیناً شیاطین کی تخلیق کا مقصد یہی ہے کہ معلوم ہو جائے کہ کون صاحب عزم و استقامت ہے اور کون نہیں۔ اس کی تخلیق کی سب سے بڑی حکمت مومن و فاجر کی تمیز ہے۔

اللہ کا وعدہ اور شیطان کا وعدہ :

انسان کیونکر شیطان کے وعدے کو اہمیت دیتا ہے۔ اس کی اسی قسم کی وسوسہ اندازی کی وجہ سے کہ خدا کی راہ میں خرچ نہ کرو غریب ہو جاؤ گے اور اگر اس سے ضروری تر موقعہ خرچ کرنے کا پیش آیا تو کیا کرو گے؟۔

لیکن خدا کے وعدے کو انسان ایک غیر محسوس وعدہ سمجھتا ہے کہ خدا کی راہ میں ایک روپے تک خرچ نہیں کرتا لیکن شیطان کی خدمت میں اس کی طرف سے اپنی معمولی سی مدح ثنا پر اور اخبارات یا ریڈیو پر اپنا نام سن کر ہزاروں روپیہ ہدیہ کر دیتا ہے۔

خدا کے ساتھ معاملے میں تو جب وہ فرماتا ہے کہ اپنے غریب ہمسائے کے ساتھ، اپنے مفلس رشتہ دار کے ساتھ نیکی کرو اور اس کی مالی مدد کرو، ہم کہتے ہیں کہ ہماری مالی حالت اس کی اجازت نہیں دیتی، لیکن اگر معاملہ شیطان کے ساتھ ہو اور خالص دنیاوی ہو تو کس طرح دوسروں سے بڑھ چڑھ کر خرچ کرتے ہیں۔

صدائے رحمانی اور صدائے شیطانی

شیطان انسان کے امتحان کیلئے خلق فرمایا گیا ہے اور ایسا ہی ہونا بھی چاہئے۔ وہ سینما بھی کھولتا ہے اور انسانی شیطانوں کی تربیت بھی کرتا ہے اور اس طرح وہ اس حیوانِ دو پایہ کو اپنے دام فریب میں پھنساتا ہے۔

کیا سینما کے برابر میں مغرب کے وقت اللہ تعالٰی کا وعدہ بخشش "حی علی الفلاح" کے الفاظ میں بلند نہیں ہو رہا؟ یہ دونوں منظر ساتھ ساتھ ہونے ہی چاہئیں تاکہ "لیمیز اللہ الخبیث من الطیب" نیکو کار کی بدکردار سے تمیز ہو سکے۔

کل ہی محشر بپا ہوگا جس کیلئے ثواب و عقاب کی بنیاد اور استحقاقات کی فراہمی آج مرتب ہونی چاہئے۔

شیطان کسی کو مجبور نہیں کرتا

لیکن شیطان کسی کو طاقت سے حرام کاری پر مجبور نہیں کرتا اور کسی کے اختیار پر اس کا کوئی قابو نہیں یعنی وہ اس قدر قدرت نہیں رکھتا کہ انسان کے عزم کو اپنا محکوم بنالے۔ "وما کان لی علیکم من سلطان" (مجھے تم پر کوئی حکومت حاصل نہ تھی)۔ اس کا کام صرف وسوسہ و تحریک ہے۔ اگر کوئی مسجد میں آتا ہے تو اپنے اختیار اور مرضی سے آتا ہے۔ اور جو سینما جاتا ہے وہ بھی اپنی مرضی ہی سے جاتا ہے وہ تجھ پر حاکم نہیں ہے کہ تجھے مجبور کرے بلکہ خود تو اپنے پاؤں سے جہاں چاہتا ہے جاتا ہے۔

یہ قصور تیرا ہے کہ اس کے فریب و وسوسہ کا شکار ہو جاتا ہے اور کل قیامت کے روز جب لوگ اس کے گرد جمع ہونگے اور اس سے جھگڑیں گے تو وہ بالکل عقلی اور منطقی جواب دیگا اور کہے گا: میں تمہیں کھینچ کر دوزخ میں نہیں لے گیا میں نے صرف تمہیں دعوت گناہ دی تھی اور وسوسے میں مبتلا کیا تھا۔ یہ قصور تمہارا ہے کہ تم نے دعوت قبول کی۔ اب مجھے ملامت کیوں کرتے ہو اپنے آپ کو ملامت کرو، میری تم پر کوئی حکومت تو تھی نہیں کہ تمہیں مجبور کرتا۔

"وماکان لی علیکم من سلطان اِلّا اَن دعوتکم فاستجبتم لی فلا تلومونی ولُومُوا انفسکم۔"

(ابراھیم: ۲۲)

مجلس ۳

بسم اللہ الرّحمٰن الرّحیم: وقل ربّ اعوذ بکَ من ھمزات الشّیاطین واعوذ بک ربّ ان یحضرون (۲۳: ۹۸)

ابلیس کی حاسدانہ روش

شیطان حاسد ہے۔ چونکہ خود درگاہ خداوندی سے راندہ جا چکا ہے۔ اسلئے برداشت نہیں کر سکتا کہ انسان کو مقام قرب الٰہی تک پہنچا ہوا دیکھے۔ وہی بشر جسے یہ ملعون حقیر جانتا تھا اور از روئے تفاخر و استحقار کہتا تھا۔

"خلقتنی من نار وخلقتہٗ من طین" —— مرا ز آتش اور اِز خاک آفریدی

(مجھے تونے آگ سے پیدا فرمایا اور اس (آدمؑ) کو مٹی سے خلق کیا) اور آگ مٹی سے برتر ہے (اس لئے تیرا مجھے اس کیلئے سجدے کا حکم انصاف پر مبنی نہیں)

لیکن وہی بشر ایسے مقام تک رسائی حاصل کرتا ہے جہاں سے اس بدبخت کو دھتکار دیا گیا اور کہا گیا: "اخرج منہا انّک من الصاغرین لیس لک ان تتکبّر فیہا۔۔۔۔" (نکل جا یہاں سے کہ تو پست و ذلیل ہے۔ تجھے یہاں بڑائی جتانے کا کوئی حق نہیں)۔

انسان چاہتا ہے کہ عبادت کے ذریعے سے مقام قرب خداوندی حاصل کر لے۔ لیکن شیطان اپنے پورے قویٰ و وسائل اور پوری توانائیوں کے ساتھ یہ کوشش کرتا ہے کہ اس کے راستے میں رکاوٹ ڈالے اور اسے اس مقام بلند تک نہ پہنچنے دے۔ تاکہ اپنے جذبۂ حسد کی تسکین کر سکے اور ایسا ملعون ہے کہ اگر بڑی برائی پر قادر نہ ہو تو چھوٹی ہی پر قناعت کر لیتا ہے۔ مثلاً اگر کفر و شرک پر قادر نہ ہو سکا تو حرام و مکروہ یا اس سے کم درجہ کی برائی پر قانع ہو جائے گا۔

حاسد اور متکبّر کا جنّت سے کوئی واسطہ نہیں

حضرت امیر المومنین علیہ السلام نہج البلاغہ کے خطبۂ قاصعہ میں ارشاد فرماتے ہیں: "اے لوگو! شیطان حسد کی

وجہ سے ملعون ہوا اور بہشت سے نکالا گیا۔ ایسا نہ ہو کہ تم بھی حسد میں مبتلا ہو کر ویسے ہی ہو جاؤ۔ شیطان کو اللہ تعالےٰ نے تکبر کی وجہ سے جنّت بدر کیا جب وہ کبر و حسد کی وجہ سے راندۂ درگاہ ہوا تو تم کبر و حسد کی وجہ سے جنّت میں کیسے جا سکتے ہو؟ ناممکن ہے کہ فرشتوں کے استاد کو تو اس حرکت کی وجہ سے جنّت سے نکال دیا جائے اور تمہیں اسی حرکت کی وجہ سے جنّت میں داخلہ مل جائے۔۔۔۔"

باوجود اس کے کہ وہ ملعون مدتوں خدا کی عبادت میں مصروف رہا۔ لیکن آخر میں اس نے تکبر کیا اور خود کو ہلاک کر لیا۔ عظمت اور بڑائی صرف ذاتِ واجب کو زیبا ہے۔ "العظمۃ والکبریا ردائی" (عظمت و کبریا صرف مجھے (ذات خالق) کو زیبا ہے۔) تو اے انسان! تجھے بڑا بننے سے کیا حاصل؟ آقائی و کبریائی تیرا لباس نہیں ہے۔ بڑائی جتلانا تجھے سجتا نہیں، "مَیں" "میں" کرنا تجھے جچتا نہیں۔ تکبر تجھے زیب نہیں دیتا۔ سب انسان اللہ تعالےٰ کے سامنے فقیر و محتاج ہیں۔ "یا ایّھا النّاس انتم الفقراء الی اللہ و اللہ ھو الغنی" غنی مطلق، سلطان مطلق صرف اللہ تعالےٰ ہے وہ خود فرماتا ہے۔

"لا الٰہ الّا انا فاعبدنی" (صرف میری عبادت کرو کہ میرے سوا کوئی معبود نہیں۔)

غرضیکہ اگر انسان بڑائی اور تکبر کرے گا تو شیطان کا ساتھی بن جائے گا۔

ابلیس کی خواہش پوری ہو گئی

روایت میں آیا ہے کہ جب شیطان لعین جنت سے نکال دیا گیا تو اللہ تعالےٰ سے یوں عرض گذار ہوا:

"خداوندا۔ میری چھ ہزار سالہ عبادت کیا ہوئی؟" جواب ملا:

"اس کے بدلے میں جو چاہو ہم دیں گے۔" کہنے لگا:

"مجھے قیامت تک مہلت دے۔" (انظرنی الی یوم یبعثون)۔ فرمایا:

"تو مہلت یافتہ ہے۔" (انّک من المنظرین الی یوم الوقت المعلوم)۔ کہنے لگا۔

"میری دوسری خواہش یہ ہے کہ مجھے قدرت عطا فرما کہ انسانوں کے دلوں میں شبہ اور وسوسہ ڈال سکوں۔"

اس کی یہ خواہش بھی منظور ہوئی کیونکہ کئی الٰہی حکمتوں اور مصلحتوں کی حامل تھی۔

ابوالبشر حضرت آدمؑ بارگاہ احدیت میں گڑگڑائے کہ: "اے پروردگار! میری غریب اولاد پر مسلط یہ بدترین دشمن پہلے ہی کیا کم طاقتور تھا کہ اب آپ نے اسے قیامت تک کی مہلت عطا کرنے کے علاوہ اُسے ان کے قلب و روح میں شبہ

آفرینی اور وسوسہ اندازی کی قدرت بھی دے دی میری اولاد تو اب بے بس ہو کر رہ جائے گی۔" جواب ملا:

"اے آدم مایوس نہ ہو۔ ہم ہر شیطان کے ساتھ ایک فرشتے کو بھی پیدا کریں گے۔" (جو شیطانی وسوسہ اندازی کیخلاف تیری اولاد کے عزم کا معاون ہوگا۔)

ملائکہ میں بھی الہام کی طاقت ہے

جب بھی شیطان انسان کے دل میں وسوسہ پیدا کرتا ہے تو فرشتہ اس کے مقابلے میں نیکی کا الہام کرتا ہے۔ شیطان کہتا ہے "مسجد میں نہ جا" فرشتہ الہام کرتا ہے کہ "ضرور جا"۔ شیطان کہتا ہے "فلاں فعل حرام کا ارتکاب کر، بعد میں توبہ کر لینا۔" فرشتہ کہتا ہے ایسا مت کرنا، ممکن ہے کہ تجھے موت آجائے اور تو توبہ نہ کر سکے اور بالفرض اگر توبہ کر بھی سکا تو کیا ضروری ہے کہ تیری توبہ قبول ہی ہو جائے اور تو بخشا بھی جائے۔"

اپنے دل کی طرف توجہ کیجئے۔ اس میں خیر کی خواہش پیدا ہو یا شر کی، آپ ہمیشہ اس کے بارے میں شش و پنج کی حالت میں ہوتے ہیں۔ اگر شیطان آپ کو کسی بدی پر اکساتا ہے تو فرشتہ بھی آپ کو اس کی بد انجامی سے متنبہ کرتا ہے اور اگر شیطان آپ کو کسی نیکی کے ترک پر آمادہ کرتا ہے تو اس کے مقابلے میں فرشتہ آپ کو اس کی ترغیب دیتا ہے۔

دوراہے پر

غرضیکہ اے انسان تو دوراہے پر ہے، خواہ نفس کی پیروی میں ہوی و ہوس میں کھو جا، یا عقل و روح اور فرشتۂ خیر کی پیروی کر کے رستگار ہو جا قدرت و طاقت کو اللہ تعالےٰ نے پورے نظم و عدل سے خلق فرمایا ہے لیکن انسان خود اپنے آپ پر ظلم کرتا ہے۔ چنانچہ کلام پاک میں واضح ارشاد خداوندی ہے کہ اللہ تعالےٰ تو انسانوں پر کبھی کوئی ظلم نہیں کرتا، یہ انسان ہی ہے جو خود پر ظلم کرتا ہے۔

"وما کان اللہ لیظلمھم ولکن الناس کانوا انفسھم یظلمون۔"

توبہ کا دروازہ کھلا ہے

مزید ارشاد خداوندی ہوا: اگر ہم نے تمہاری اولاد پر ابلیس کو غالب کیا ہے اور اسے قیامت تک کی مہلت دی ہے تو اسکے عوض تمہاری اولاد کیلئے توبہ کا دروازہ ہمیشہ کیلئے کھول دیا ہے۔

اگر آپ شیطان کے دام فریب میں گرفتار ہو گئے ہیں تو اپنے دادا بزرگوار حضرت آدمؑ کی طرح جو توبہ کریں اور بارگاہ خداوندی میں عاجزی اور زاری کریں۔ تاکہ جناب آدم علیہ السلام کی طرح جو توبہ کی قبولیت کے بعد بالاتر اور بزرگ تر مقام پر پہنچ کر درجۂ اصطفا تک پہنچے۔ "ان اللہ اصطفی آدم ونوحا وآل ابراہیم وآل عمران علی العالمین۔"

آپ بھی توابین کے مرتبہ پر فائز ہو کر اللہ تعالےٰ کے محبوب بن جائیں کیونکہ "اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ التَّوَّابِیْنَ"۔ (اللہ تعالےٰ توبہ کرنے والوں کو پسند فرماتا ہے)

رحمت کا دامن آخری دم تک وسیع ہے

ساری امم سابقہ کیلئے بھی توبہ کا دروازہ کھلا تھا لیکن اسکی قبولیت کی شرطیں بہت کڑی تھیں۔ یہ نبی علیہ السلام کے وجودِ اقدس کی برکت ہے کہ آپ کی امت کیلئے جو امت مرحومہ کہلاتی ہے توبہ کا دروازہ بہت وسیع و کشادہ ہے کیونکہ ہمارے نبیؐ رحمۃ للعالمین ہیں اور توبہ بھی شعبہ ہائے رحمت میں سے ایک شعبہ ہے۔

بحارالانوار جلد سوم کی ایک روایت کے مطابق حضورؐ نے فرمایا: "ہر وہ شخص جو اپنی موت سے ایک سال پہلے توبہ کر لے بخش دیا جاتا ہے۔" پھر فرمایا: "ایک سال تو زیادہ ہے اگر ایک مہینہ ہی قبل از مرگ توبہ کر لے تو اللہ تعالےٰ اسے معاف فرما دیتے ہیں۔" پھر فرمایا: "ایک مہینہ بھی زیادہ ہے، اگر ایک دن بھی موت سے پہلے توبہ کرے تو بخش دیا جاتا ہے۔" پھر فرمایا "ایک روز بھی زیادہ ہے، اگر موت، برزخ اور عزرائیل کو آنکھوں سے دیکھ لینے سے پہلے بھی توبہ کر لے تو اللہ تعالےٰ اسے بخش دینگے"

غرضیکہ اگر کوئی مسلمان زندگی کے آخری لمحے پر بھی اپنے گناہوں پر نادم و پشیمان ہو تو اللہ تعالےٰ اسے معاف فرما دیتے ہیں۔

خوشا حال اس دل کا جو اللہ تعالےٰ کی یاد میں رہے۔ کیا عجیب نظام ہے؟ آیا رحمت اس سے بھی زیادہ وسیع ہو سکتی ہے؟ دیکھ لیجئے کہ شیطان کے وسوسوں کے مقابلے میں خدا کی رحمت کتنی بے پایاں ہے۔

حسن بصری کا سوال امام زین العابدینؑ کا جواب

روایت ہے کہ ایک دفعہ حج کے دوران حسن بصری نے کہا: العجب کل العجب ممن نجی کیف نجی! (نہایت حیرانی کی بات ہے کہ بچنے والا کیسے بچ گیا!) بڑے ہی تعجب کی بات ہے کہ انسان ابلیس کے اسقدر طاقتور دام فریب سے نجات پالے۔" حسن بصری کی یہ باتیں جناب سید الساجدینؑ کی خدمت میں پہنچیں تو آپ نے فرمایا: "العجب کل العجب ممن ھلک کیف ھلک (تعجب ہے ہلاک ہونے والے سے کہ وہ کیسے ہلاک ہوا۔) تعجب ہے اس بدبخت پر جو اللہ تعالےٰ کی اس قدر وسیع رحمت سے محروم ہو کر ہلاک ہوا جو کائنات کی ہر مخلوق پر محیط ہے۔

موت سے پہلے بیماری کا ورود نعمت ہے

ایک عمر ہم نے گناہ میں گذاری۔ اب کوچ کا وقت ہے۔ غالباً موت سے پہلے اللہ تعالےٰ کے لطف و کرم ہی کا یہ ایک کرشمہ ہے کہ

انسان بیماری میں مبتلا ہو اور کچھ مدت صاحب فراش رہ کر اللہ تعالےٰ کی ملاقات کے لئے تیاری کرے۔

یہی وجہ ہے کہ اچانک موت عام طور پر ایک مصیبت سمجھی گئی ہے۔

اے رخصت ہونے والے کتنی زندگی تم نے شیطان کی پیروی میں گذاری ہے اب لحظہ بلحظہ موت قریب ہو رہی ہے، حقیقتاً یہ چیز بڑی ہی عجیب ہوگی کہ پورا مہینہ بستر میں رہ کر بھی تم بیدار نہ ہو سکو۔

مجلس ۴

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم " وقل ربّ اعوذبك من همزات الشياطين واعوذبك ان يحضرون
(۲۳: ۹۸)

شر شیطان سے بچاؤ کی صورت صرف استعاذہ ہے

شیطان کے وسوسے اور وہ مصائب و آلام جو انسان کو اس بدذات سے پہنچتے ہیں کسی سے پوشیدہ نہیں سب جانتے ہیں کہ یہ انسان کا شدید ترین دشمن ہے جو آخری سانس تک اس کا پیچھا نہیں چھوڑتا۔ اس کا مقصد وحید یہ ہے کہ انسان خدا اور آخرت پر ایمان نہ لائے یا کم از کم کوئی نیکی اس سے سرزد نہ ہو بلکہ ہمیشہ بدی کی طرف مائل رہے۔

سب سے ضروری امر یہ ہے کہ انسان شیطان سے نجات حاصل کرے لیکن اسقدر طاقتور اور چھپے والے دشمن سے نجات کی سبیل ہے کیا؟ — کلام پاک اس کا واحد علاج " استعاذہ " تجویز کرتا ہے " اس میں واضح ارشاد ہے: " فاستعذ باللہ " (خدا کی پناہ طلب کر) کیونکہ اس کے سوا حق تک رسائی ممکن نہیں —

خیمہ سلطانی اور خونخوار کتا

ایک مثال میں نے عرض کی تھی کہ شیطان ایک ایسے خونخوار کتے کی مانند ہے جو خیمہ سلطانی کے دروازے پر بیٹھا ہو اور جب بھی کوئی اندر جانا چاہے تو وہ اس پر لپکتا ہے تاکہ وہ داخل نہ ہو سکے۔ یہ ایسا کمینہ خصلت دربان ہے جس کے شر سے سلطان کے خاص دوستوں کے علاوہ کوئی بھی محفوظ نہیں۔ (صرف خاصان خدا ہی اس بدخو دشمن سے بے نیاز ہو کر حریم قدس میں جا سکتے ہیں) — بہر حال خیمہ میں داخل ہونے کیلئے ہمیں صاحب خیمہ سے اس دشمن ازلی کے شر و عناد سے پناہ مانگنی چاہئے اور اس کی بارگاہ میں پہنچنے کیلئے اسی سے ہمت اور توفیق طلب کرنی چاہئے کیونکہ صرف اسی کی قہر بھری تنبیہ سے یہ وحشی دشمن رام ہو سکتا ہے۔ اس کے علاوہ ہرگز کوئی چارۂ کار نہیں۔

پس ضروری ہے کہ اللہ تعالےٰ کی پناہ طلب کی جائے تاکہ اس کی توجہ خاص سے شیطان کے شر سے امان مل سکے۔ اسی ضمن میں اللہ تعالےٰ نے نبی علیہ السلام سے قرآن مجید میں ارشاد فرمایا ہے: " وقل رب اعوذبك من همزات الشياطين واعوذ

باللہ ربّ ان یحضرون۔" (کہئے اے حبیبؐ: اے پروردگار میں شیاطین کے وسوسوں سے اور اپنے قلب و روح پر اُن کے غلبے اور ورود سے آپ کی پناہ مانگتا ہوں)

خصوصاً تنہائی کے وقت جب تک لطف و کرم ایزدی آپ کے شامل حال نہ ہو وساوس شیطانی سے آپ کا بچنا ممکن نہیں۔ آپ کو پکارنا چاہئے "یاغیاث المستغیثین، یاملاذ اللائذین۔" (اے فریادیوں کی فریاد سننے والے! اے پناہ طلبوں کی پناہ گاہ! مجھے شر شیطان سے محفوظ رکھ) کیونکہ اگر اللہ تعالےٰ کا حفظ و امان اور اس کی پناہ نہ ہو تو شیطان کے شر سے بچنا ممکن نہیں۔

استعاذہ دل سے ہو نہ کہ زبان سے

لیکن حقیقتِ استعاذہ کو سمجھنا چاہئے کہ کیا صرف زبان سے "اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم" یا فارسی یا اردو میں اس کا ترجمہ ادا کردینا کافی ہے، یقیناً ایسا نہیں ہے بلکہ استعاذہ ایک معنوی اور روحانی کیفیت ہے جس کا اظہار ان الفاظ سے ہوتا ہے۔ اگر دلی کیفیت استعاذہ کی ہے تو استعاذہ مفید ہے ورنہ بارہا ایسا ہوا ہے کہ استعاذہ کے یہ الفاظ شیطان کا بازیچہ بنگئے ہیں کیونکہ استعاذے کی حقیقی قلبی کیفیت کے بغیر یہ الفاظ سراسر تکلف ہیں جن کی ادائیگی شیطان کی انگیخت پر ہوتی ہے۔

استعاذہ کی تین قسمیں

استعاذے کی تین صورتیں ہیں:-

۱۔ نہ استعاذے کی کیفیت ہوتی ہے اور نہ ہی استعاذے کے الفاظ کے مفہوم کا علم ہوتا ہے مثلاً اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم کی ادائیگی اس صورت میں کہ نہ تو دل سے یہ الفاظ نکلیں اور نہ ذہن کو ان کے معانی معلوم ہوں یہ صورت خالصتاً شیطانی مذاق ہے۔

۲۔ استعاذہ کے الفاظ کے معنیٰ اور مفہوم کا علم ہو اور ان کی ادائیگی بھی درست ہو لیکن دل استعاذہ کی کیفیت سے بیگانہ ہو اور اعمال میں شیطان کی اطاعت صاف نظر آتی ہو، اگرچہ زبان سے "لعنت بر شیطان" کہے لیکن درحقیقت استعاذہ اس کا اللہ کے حضور نہیں بلکہ شیطان سے ہوگا۔

۳۔ استعاذے کے الفاظ کا پورا پورا احساس و ادراک ہو اور انہیں نہ دل سے پوری سمجھ، سنجیدگی اور اخلاص سے ادا کیا جائے اور دل اللہ تعالےٰ کی عظمت و جبروت کی معرفت سے سرشار ہو۔ استعاذے کی صرف یہی صورت صحیح و مقبول ہے۔

اللہ تعالےٰ کی اطاعت میں پناہ طلبی

گناہ کے ہر مرتکب شخص کا اللہ تعالےٰ کی نافرمانی کے دوران معبود و مسجود شیطان ہی ہوتا ہے خواہ زبان سے وہ شیطان پر ہزار لعنت و نفرین ہی کیوں نہ کرے اس سے واضح تر الفاظ میں کہوں کہ جب کوئی شخص منہ سے تو اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم کہے اور کردار اس کا یہ ہو کہ کسی پر وہ تہمت لگائے، کسی کو فحش بکے، کسی کی عزت کے ساتھ کھیلے، دوسروں کے رازوں کو فاش کرے، غرضیکہ کسی بھی گناہ صغیرہ یا کبیرہ سے اُسے باک اور دریغ نہ ہو وہ کہتا تو "اعوذ باللہ من الشیطان" ہے لیکن عملی طور پر مقصود اس کا "اعوذ بالشیطان من الرحمان" ہوتا ہے کہ میں (نعوذ باللہ) خدا سے فرار کر کے شیطان کی پناہ میں آتا ہوں۔ زبان سے تو وہ کہتا ہے کہ میں اللہ تعالےٰ کی اطاعت میں پناہ لیتا ہوں۔ لیکن عمل اس کا اس سے بالکل الٹ ہوتا ہے اور جب نافہمی کا پردہ اٹھ جاتا ہے تو پتہ چلتا ہے کہ اعوذ باللہ کے الفاظ دراصل شیطان ہی نے اس کی زبان سے کہلوائے تھے تاکہ اسکے ناقص عقیدے اور کمزور ایمان کا مذاق اڑائے۔

شیطان کے رد میں شیطانی تصنیف

روایت ہے کہ ایک عالم نے شیطان کے وساوس، اس کے ہتھکنڈوں اور اس کے ہاتھوں فریب خوری کے خلاف تنبیہی حامل ایک کتاب لکھنے کا ارادہ کیا۔ انہیں دنوں ایک پارسا نے عالم مکاشفہ میں شیطان سے کہا: "ملعون! اب دیکھنا کس طرح تیری رسوائی اور روسیاہی ہوتی ہے۔ فلاں مولانا عنقریب تیرے دجل و فریب کا تار و پود بکھیر دینگے اور دنیا کی نظروں میں تو ذلیل و خوار اور رسوا ہو جائے گا۔

شیطان نے استہزا سے ہنس کر جواب دیا: بڑی خوش فہمی میں مبتلا ہو۔ یہ کتاب تو میرے ہی ایماء پر لکھی جارہی ہے۔"

انہوں نے پوچھا: "یہ کیسے ممکن ہے۔؟" تو شیطان نے جواب دیا: میں نے ہی اس کے دل میں وسوسہ ڈالا ہے کہ تم بڑے عالم فاضل ہو۔ اپنے علم کی نمائش کرو۔" اس کو تو شعور ہی نہیں کہ نام تو کتاب کا اس نے "ردِ شیطان" رکھا ہے لیکن دراصل اس سے اس کا ارادہ اپنے علم و فضل کی نمائش اور اپنی عظمت کے اظہار کا ہے۔

وہ خود انسان کو اکساتا ہے کہ اس پر لعنت کرے یا اس کی زبان سے غیر ارادی طور پر "اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم" کہلوا کر اسے بیوقوف بنائے۔

استعماری طاقتوں کی سیاست

استعماری حکومتوں کا کاروبار بھی ایسا ہی ہے۔ اپنی بعض نوآبادیات میں انہوں نے اپنے گماشتے رکھے ہوتے ہیں جو استعماری مقاصد کے حصول میں ان کے

معاون ومددگار ہوتے ہیں۔ بعض اوقات اپنے سیاسی مصالح کی وجہ سے وہ انہیں ہدایت کرتے ہیں کہ ان کو برا بھلا کہیں گالیاں دیں اور استعمار کی مذمّت کریں لیکن یہ سب کچھ وہ اپنی سیاست کی پردہ پوشی اور اصلیت کو چھپانے کیلئے کرتے ہیں تاکہ ان افراد کے توسط سے اپنے استعماری منصوبوں کی تعمیل وتکمیل بہتر انداز میں کرسکیں۔

شیطان کی سیاست کتنی عجیب ہے۔ سب سے پہلا سیاستدان اور سب سیاستدانوں کا استاد اور پیرو مرشد یہی ملعون ہے۔ سیاست کا معنی ہی "درپردہ کام کرنا" ہے۔ یہ ہر ایک کو بے وقوف بناتا ہے لیکن اپنا نقش پا کہیں بھی نہیں چھوڑتا ہر خرابی اس کے اشارے سے ہوتی ہے لیکن کسی کو محسوس نہیں ہوتا کہ انگیخت اس کی تھی۔

استعاذہ کی حقیقت گناہ سے فرار ہے

پروردگارا۔ ہمیں ہمت دے کہ شیطان ملعون سے گریز کرسکیں، گناہ سے فرار کرسکیں اور جرائم سے محفوظ رہ سکیں۔ اللہ تعالےٰ سے یہ استعاذہ ہمیں گناہوں سے دور رکھتا ہے اور ہماری زبانوں کو لگام میں رکھتا ہے کہ لغویات نہ کریں بلکہ اس کی بجائے اعوذ باللہ کہیں ـــــ خداوند عالم کے حضور شرورِ ابلیس سے پناہ مانگیں بالفاظ دیگر اعوذ باللہ کا مطلب ہوا کہ:

اَعُوذُ بِطَاعَۃِ اللّٰہِ مِن طَاعَۃِ الشَّیطان

میں شیطان لعین کی جرم وگناہ سے بھرپور اطاعت سے فرار کرکے اطاعت الٰہی کی پناہ میں آتا ہوں۔

ہاتھ شیر کے منہ میں اور پیروں سے فرار

اگر کوئی شخص اپنا ہاتھ تو شیر کے منہ میں ڈال دے اور زبان سے کہے کہ میں شیر سے بہت ڈرتا ہوں اور اس سے کسی مستحکم ومضبوط قلعہ میں پناہ طلب کرتا ہوں یہی مثال اس شخص کی ہے جو منہ سے تو شرِ ابلیس سے اللہ کی پناہ مانگتا ہو لیکن بندۂ مطیع وفرمانبردار کی طرح پوری عاجزی کے ساتھ شیطان کے دامِ تزویر میں جکڑا ہوا ہو

تا زہر بد زبانت کو تہ نیست | لیک اعوذت اعوذ باللہ نیست

جب تک کسی کی زبان پر لغو جاری رہے گا وہ شیطان کا حلقہ بگوش غلام رہے گا۔ اس صورت میں اس کا "لعنت بر شیطان" کہنا دروغِ محض ہوگا۔ ایسی "اعوذ باللہ گوئی" سے اسے استغفار کرنا چاہئے ـــــ

بلکہ آن نزدِ صاحبِ عرفاں | نیست الّا اعوذ بالشیطان

گاہ گوئی اعوذ وگر لاحول | لیک فعلت بود مکذب قول

لغوگو انسان کا اعوذ باللہ کہنا صاحب عرفان کے نزدیک اعوذ بالشیطان ہے زبان سے کبھی وہ اعوذ کہتا ہے اور کبھی لاحول لیکن اس کے عمل سے اس کے قول کی تکذیب ہوتی ہے۔

اگر شیر آپ کے پیچھے لگا ہو تو آپ کو چاہئے کہ کسی مضبوط پناہ گاہ میں خود کو محفوظ کریں نہ کہ مزید اس کے نزدیک ہوں اور اپنا ہاتھ تو اس کے منہ میں ڈال دیں اور زبان سے پناہ کیلئے چیخ وپکار کریں۔ استعاذہ کی حقیقت دراصل یہی ہے کہ شر شیطان سے اللہ تعالےٰ کی حفاظت کے مضبوط ومحکم قلعے میں پناہ لی جائے۔

سچا خواب اور شیطان کا دام فریب

جناب شیخ انصاریؒ کے کسی شاگرد سے روایت ہے کہ جس زمانے میں میں ان کے پاکیزہ درس کے فرشتگانہ ماحول میں زیر تعلیم تھا تو ایک رات میں نے عالم واقعہ میں شیطان ملعون کو دیکھا کہ اپنے ہاتھ میں چند لگامیں پکڑے ہوئے ہے۔ میں نے اس سے پوچھا: "یہ کس لئے تو نے پکڑی ہوئی ہیں؟" کہنے لگا: "ان کو لوگوں کی گردنوں میں ڈال کر انہیں اپنی طرف کھینچتا ہوں۔ کل میں نے ایک شیخ مرتضیٰ انصاری کی گردن میں ڈال دی اور انہیں ان کے کمرے سے نکال کر ان کے گھر کے دروازے کے سامنے تک باہر گلی میں لے آیا لیکن وہ گلی کے نصف بیچ میں مجھ سے چھوٹ کر واپس چلے گئے۔

جب میں بیدار ہوا تو شیخ کی خدمت میں حاضر ہوکر اپنا خواب ان سے بیان کیا۔

شیخ نے فرمایا: "شیطان نے تم سے ٹھیک کہا۔ کیونکہ کل اس ملعون نے چاہا تھا کہ اپنے دلفریب بہانوں سے مجھے اپنے دام میں پھانسے۔ دراصل ہوا یہ کہ گھر میں کوئی چیز درکار تھی لیکن میرے پاس اس کیلئے پیسے نہ تھے۔ دل میں آئی کہ سہم امامؑ میں سے کلام پاک کا ایک نسخہ جو میرے پاس بے مصرف پڑا ہے اسے قرض کے ارادے سے بیچ کر اس کی قیمت لے وہ حاجت پوری کر دوں اور بعد میں وہ قرض ادا کر دوں۔

اس کلام پاک کے نسخہ کو لے کر میں گھر سے باہر آیا حتیٰ کہ گلی میں پہنچ گیا اور جب جنس خریدنے لگا تو عین وقت پر مجھے خیال آیا کہ اس قسم کی حرکت کیوں کروں؟ پس اپنے اس ارادے پر پچھتایا اور شرمندہ ہوکر گھر واپس آگیا اور قرآن پاک کو اسکی

جگہ پر واپس رکھ دیا۔ (سیرت و شخصیت شیخ انصاریؒ ص ۸۸-۸۹)

بعض لوگوں نے اس واقعے کو یوں بیان کیا ہے کہ اس شاگرد نے بہت سی رسیاں شیطان کے ہاتھ میں دیکھیں ان میں سے ایک رسی بہت مضبوط اور موٹی تھی۔ اس نے ملعون ازلی سے پوچھا کہ یہ رسیاں کس لئے ہیں تو اس نے جواب دیا ان سے آدم کی اولاد کو اپنی طرف کھینچتا ہوں اور انہیں گناہ میں گرفتار کرتا ہوں۔" اس نے پوچھا: یہ بڑی رسی کس کے لئے ہے؟" تو اس نے جواب دیا: یہ تمہارے استاد شیخ انصاریؒ کیلئے ہے۔ کل اس سے میں انہیں بازار تک لے آیا تھا لیکن وہ اسے توڑ کر آزاد ہو گئے اور واپس چلے گئے" اس نے پوچھا: میرے لئے ان میں سے کونسی رسی ہے؟" اس نے جواب دیا: تمہارے لئے رسی کی ضرورت نہیں۔ تم باتوں ہی سے بآسانی شکار ہو سکتے ہو۔"

ارکان پنجگانۂ استعاذہ

مجلس ۵

بسم اللہ الرحمٰنِ الرحیم ۔ اِنّ الّذین اتقوا اذا مسّہم طائف من الشّیطان تذکروا فاذا ھم مبصرون (الاعراف: ۲۰۱)

لفظ سے مفہوم واضح ہونا چاہیئے

استعاذہ دینی مقامات میں سے ایک مقام ہے اور ہر مسلمان پر واجب ہے اور جیسا کہ عرض کیا گیا پورے عزم وارادہ سے اور اپنی پوری روح کے ساتھ ہونا چاہیئے نہ کہ صرف زبان سے۔ کیونکہ صرف لفظ ادا کر دینا تو پڑھ دینا ہی ہے اور اس سے زیادہ کچھ نہیں اور جو قرآن مجید میں ارشاد ہے کہ فاستعذ باللہ۔ (اللہ تعالےٰ کی پناہ طلب کرو) اس سے مراد ان الفاظ کی حقیقت ہے نہ کہ ان کا ظاہرِ محض اور حقیقت دو امروں کی متقاضی ہے: ایک شیطانِ لعین سے فرار اور دوسرے خدائے رحمان کے حضور اس راندہ درگاہِ ایزدی سے پناہ طلبی ۔ اگر یہ دو مقصد حاصل ہوتے ہوں تو استعاذہ واقعی استعاذہ ہے ورنہ محض سخن گستری ہے۔ غرضیکہ لفظ سے مفہوم واضح ہونا چاہیئے اور اس میں اِس کی رُوح کی حقیقت جھلکنی چاہیئے۔

استعاذہ کی حقیقت پر غور کرنے اور کلام پاک کے مطالعے سے اس کے بارے میں یہ حقیقت معلوم ہوتی ہے کہ استعاذہ کے پانچ بنیادی رُکن ہیں:

رکن اوّل جو شیطان لعین سے فرار ہے، تقویٰ پر مبنی ہے۔

اس کے دوسرے ارکان: تذکّر، توکّل، اخلاص اور اللہ کے حضور عاجزی ہیں۔ اور ان کے مجموعی طور پر حاصل ہو جانے سے استعاذہ کی حقیقی کیفیت پیدا ہوتی ہے۔ جب مومن ان ارکان پنجگانہ پر عمل پیرا ہوتا ہے تو شیطان لعین اس سے کوسوں دور ہو جاتا ہے خواہ وہ زبان سے "اعوذ باللہ من الشّیطان الرّجیم" کہے یا نہ کہے اور اس کی بچی اور بہترین صورت یہ ہے کہ شیطان مومن کے نزدیک آ کر اُسی طرح "آدم زدہ" ہو جائے جس طرح ایک عام انسان جن کی نزدیکی سے "جن زدہ" ہو جاتا ہے۔ اس صورت میں ابلیس ملعون ہرگز مومن انسان کے قریب پھٹکنے کی جرأت نہیں کرے گا۔

شیطان پرہیزگاروں سے دور بھاگتا ہے

ارکانِ استعاذہ کے شواہد کلام پاک سے مختصراً پیش کئے جاتے ہیں: "ان الذین اتقوا اذا مسّہم طائف من الشّیطان تذکروا فاذا ھم مبصرون۔" (پرہیزگاروں کو جب شیطان کی طرف سے کوئی وسوسہ محسوس ہوتا ہے تو وہ خدا کے ذکر میں مشغول ہو جاتے ہیں پس یکایک ان کی بصیرت روشن ہو جاتی ہے)۔

پس اولین شرط ابلیس کے شر سے خود کو محفوظ رکھنے کی یہ ہے کہ تقویٰ اختیار کیا جائے۔ جن لوگوں نے پرہیزگاری اختیار کی جونہی کوئی وسوسہ ان کے دل میں وارد ہوا، وہ یادِ خدا میں مشغول ہو گئے اور اللہ تعالےٰ سے مدد طلب کی، فوراً ان پر روشن ہو گیا کہ یہ شیطان کی حرکت تھی، چنانچہ اس سے فرار کر کے وہ حق تعالےٰ کی پناہ میں آ گئے۔ چنانچہ اس آیہ شریفہ میں تقویٰ و ذکر خدا کی طرف اشارہ ہوا۔

توکل اللہ تعالےٰ پر ہونا چاہیئے

قرآنِ مجید میں ارشاد خداوندی ہے: "واذا قرأت القرآن فاستعذ باللہ من الشّیطان الرّجیم۔ انّہ لیس لہ سلطان علی الذین آمنوا وعلی ربّہم یتوکلون" (۱۶: ۹۸-۹۹)

(قرآن پڑھتے وقت شیطان ملعون ومردود سے اللہ تعالےٰ کی پناہ مانگ لیا کرو۔ ایمان والوں اور خدا پر توکل کرنے والوں پر اسے کوئی غلبہ ونفوذ حاصل نہیں)۔

جو شخص اللہ تعالےٰ پر توکل کرتا ہے، شیطان کو اس پر کوئی تسلط واختیار حاصل نہیں۔ شیطان کی حکومت صرف ان لوگوں پر ہے جو اللہ تعالےٰ پر بھروسہ نہیں کرتے۔ ان کا سارا بھروسہ مادی اسباب اور دنیاوی امور پر ہوتا ہے۔ لیکن اگر بھروسہ فقط ذاتِ الٰہی پر ہو تو یقین کیجئے کہ شیطان بے چارہ، بے بس اور ناکارہ ہے

اگر کسی شخص کو دل سے اللہ تعالےٰ پر بھروسہ نہ ہو تو زبان سے لاکھ کہتا رہے "میں اللہ تعالےٰ کی پناہ مانگتا ہوں" لیکن دراصل وہ مادی اسباب ۔ دنیاوی طاقت، اثر ورسوخ، مال ودولت اور رشتہ داریوں وغیرہ سے پناہ مانگ رہا ہوتا ہے، چنانچہ آیہ شریفہ مذکورہ کے مطابق شیطان اس پر مسلط ہے۔ بعد کی آیہ مبارکہ میں اسی مفہوم کی طرف اشارہ ہے:

" اِنّما سلطانہ علی الّذین یتولونہ والّذین ھم بہ مشرکون" (۱۶: ۹۹)

(شیطان کا تسلط ان پر ہے جو اس کی دوستی کا دم بھرتے ہیں اور اس کے فرمان بردار ہیں۔ اور اس کی حکومت ان پر ہے جو اسے اللہ

تعالےٰ کا شریک گردانتے ہیں۔)

وہ شخص جو ذات باری مسبب الاسباب کو بھلا چکا ہے وہ شیطان کا دوست ہے، اسے استعاذہ یا شیطان ملعون سے فرار سے کیا سروکار؟——

شیطان کا اہل اخلاص سے کوئی تعلق نہیں

استعاذہ کا ایک رکن "اخلاص" ہے۔ قرآن مجید میں شیطان کے یہ الفاظ مذکور ہیں:

"قال فبعزتك لاغوینهم اجمعین الّا عبادك منهم المخلصین"

(تیری عزت کی قسم اے پروردگار۔ میں تیرے با اخلاص بندوں کے سوا سب انسانوں کو بہکاوں گا)

اخلاص کا معنیٰ کلام پاک الٰہی میں متعدد جگہ بیان کیا گیا ہے۔ ہم نے بقدر ضرورت تفسیر آیات میں متعدد مقامات پر اس سے بحث کی ہے اور ہمارے خیال میں مزید تکرار کی ضرورت نہیں۔

غرضیکہ استعاذہ صرف با اخلاص بندوں ہی کا درست اور انہیں کو زیبا ہے کیونکہ شیطان کا ان پر کوئی تسلط نہیں اور اس سے فرار کی صلاحیت انہیں میں ہے۔

کیا ہم تقویٰ اور تذکر کی صلاحیت رکھتے ہیں

اتنی لمبی عمریں گذارنے کے باوجود ہم نے دینی تعلیمات سے کوئی فائدہ حاصل نہیں کیا۔ اب اللہ کرے کہ کم از کم جہل مرکب کا شکار تو نہ ہوں

استعاذہ کا اولین رکن ہم نے عرض کیا کہ "تقویٰ" ہے جو شخص صاحب تقویٰ نہیں وہ شیطان سے کیسے فرار کر سکتا ہے۔ کیونکہ صرف تقویٰ ہی سے شیطان کی اطاعت ترک کی جا سکتی ہے۔

جو عورت بے پردہ کوچہ و بازار میں آتی ہے وہ سراپا شیطان ہے۔ اس کا ظاہر باطن شیطنت ہے، اور جو نامرد اپنے ہمراہ ایسی عورت کو گھر سے باہر لاتا ہے اور اِدھر اُدھر پھراتا اور کھیل تماشے دکھاتا ہے وہ شیطان سے کیسے فرار کر سکتا ہے!

مختصر یہ کہ جو شخص حرام سے نہیں بچتا وہ شیطان سے کبھی دوری اختیار نہیں کر سکتا۔ استعاذہ اس کے نزدیک ایک مہمل لفظ ہے۔ لاکھ منہ سے اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم کا ورد کرتا پھرے۔ شیطان اس پر بہرحال غالب و متسلط ہے اگر کوئی شخص کسی غصب کردہ مکان میں رہتا ہو تو تاوقتیکہ وہ اس سکونت کو ترک نہیں کرتا، شیطان سے فرار

نہیں کر سکتا اور اگر کوئی شخص فواحش کا عادی ہو، تو جب تک ان عادات کو ترک نہ کرے استعاذہ نہیں کر سکتا۔

حرام خوری سب سے بڑا مانع استعاذہ فعل ہے

استعاذہ کے مسالہ میں کامل تقویٰ اور مکمل طور پر ترک حرام اور بالخصوص حرام خوری کو ترک کرنا نہایت ضروری ہے جس شخص کا کھانا پینا حرام ہو اس کا گوشت پوست شیطانی ہے اور وہ ہمیشہ ابلیس کے ساتھ متصل ہے۔ کیونکہ "ان الشیطان یجری فی ابن آدم مجری الدم" (شیطان خون بنکر اس کی رگوں میں دوڑتا ہے)۔

جس زبان سے وہ اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم کہتا ہے وہ شیطان ہی کی ہے کیونکہ حرام ہی کی خوراک سے اس کی زبان بنی ہے اور اسی کی طاقت سے وہ گویا ہو کر "اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم" کہتی ہے یہ استعاذہ بھی کوئی استعاذہ ہے؟!

ما بروں را ننگریم و قال را　　　　ما دروں را بنگریم و حال را

شہید ثانیؒ نے "اسرار الصلوٰۃ" میں جناب خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے یہ روایت کی ہے: "اِنّ اللّٰہ یَنظُرُ اِلیٰ قُلُوبِکُم لا اِلیٰ صُوَرِکُم" اللہ تعالےٰ تمہارے دلوں کو دیکھتے ہیں۔ تمہاری شکلوں کو نہیں دیکھتے۔

یہاں یہ حقیقت معلوم ہوئی کہ بے حقیقت زباں بازی اور سخن آرائی کی مخلوق کے نزدیک تو کچھ اہمیت ہو تو ہو لیکن عالم الغیب اور علیم و خبیر خدا کے نزدیک جس کیلئے پنہاں و آشکار برابر ہیں سوائے حقیقت کے کوئی چیز مفید نہیں۔

چنانچہ قربانیوں کے بارے میں جو آپ عموماً راہ خدا میں کرتے ہیں کلام پاک میں صاف صاف ارشاد ہے: "لن ینال اللہ لحومہا ولا دمائہا ولکن ینالہ التقویٰ منکم"۔ ان قربانیوں کا گوشت یا خون اللہ تعالےٰ کو نہیں پہنچتا بلکہ صرف تمہارا تقویٰ اس کی بارگاہ میں پہنچتا ہے۔

جب تک حرام کے آثار برطرف نہیں ہوتے استعاذہ ممکن نہیں

جب تک لقمہ حرام انسان کے بدن میں ہے اس کی حیثیت شیطان کی ہے شیطان سے فرار کا ڈھنڈورہ پیٹنا اس کا دروغ محض ہے۔ جب تک اس کے اثرات اس کی ذات سے زائل نہیں ہوتے اس سے فرار کی حالت اس میں پیدا نہیں ہو سکتی۔ اس صورت میں اس کی ساری عبادات محض ڈھونگ اور نمائشی ہوں گی۔

بالخصوص رزق حلال کے بارے میں بہت سی روایات اہلبیت علیہم السلام سے نقل ہوئی ہیں۔

رزق حلال ایک بیج کی مانند ہے جس پر پورے درخت کے وجود کا انحصار ہوتا ہے اسے خراب نہ کرو تاکہ درخت بھی درست انداز سے اور صحت مندانہ طور پر پروان چڑھے۔

کلام پاک میں ارشاد خداوندی ہے :۔

"یا ایّھا النّاس کُلوا من طیّبات ما رزقناکم ولا تتّبعوا خطوات الشّیطان"

(اے لوگو پاکیزہ اور حلال خوراک کھاؤ اور شیطان کے نقش قدم پر مت چلو) ۔ یہ نہیں کہا کہ مرغ و گوشت اور پُلاو بریانی نہ کھاؤ۔ خوب کھاؤ لیکن حلال کھاؤ اور شیطان کی پیروی نہ کرو۔

مشکوک و مشتبہ غذا سے پرہیز

جس غذا کے حلال ہونے میں شبہ ہو اس سے بھی پرہیز واجب ہے جب تک آپ کو یقین نہ ہو کہ آپ کی خوراک اور آپ کا لباس حلال ہیں۔ ان کے استعمال سے پرہیز کریں۔ اس کا اتنا اثر ہوتا ہے کہ نوبت یہاں تک پہنچ جاتی ہے کہ حق اپنے کمالِ ظہور کے باوجود شک میں مبتلا انسان کے وسوسہ کی آماجگاہ بن جاتا ہے۔

ایسا شخص اللہ تعالٰے کی ذات میں شک کرنے لگتا ہے جو خود اس کا اور کائنات کا خالق ہے۔ "افی اللہ شک فاطر السّمٰوات والارض"؟ اور اس کے اس کمال ظہور اور وجوب وجود کے باوجود اس کے ہونے اور نہ ہونے کے بارے میں شک کا شکار ہو جاتا ہے۔ یہاں شیطان کہاں ہے جس نے اس کو اس گومگو میں ڈالا؟ وہ شیطان یقیناً اس حرام و مشتبہ لقمے کے اندر تھا جسے اس نے کھایا اور جو غذا کے ذریعے اس کے ذہن کا حصہ بنا۔

شیطان سے فرار نہ کرکے اس نے یہ روزِ بد دیکھا۔ یعنی اپنے ہاتھوں سے شیطان کو اپنے گوشت پوست اور رگ و خون میں جگہ دی۔
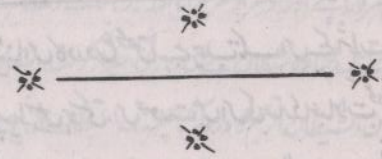
⁂

مجلس ۶

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ۔۔ اِنّ الّذین اتقوا اذا مسّھم طائف من الشّیطان تذکروا فاذا ھم مبصرون (اعراف : ۲۰۱)

پچھلی راتوں کی بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ استعاذہ کی حقیقت دراصل شیطان ملعون سے فرار کرکے اللہ تعالٰے کی پناہ میں آنا ہے۔ لہٰذا اس کا لازمہ تقویٰ ہے۔ شیطان سے پرہیز کا مطلب یہ ہے کہ انسان سے واجبات فوت نہ ہوں اور حرام اس سے سرزد نہ ہو۔ اور اگر وہ بے پرواہ ہے تو شیطان سے فرار نہیں کر سکتا۔ اس کی مثال ایسی ہے کہ جیسے کوئی شخص جسمانی طور پر تو کسی وحشی درندے سے گتھم گتھا ہو لیکن زبان سے کہتا جائے کہ میں اس درندے سے فرار کر رہا ہوں۔

زبان سے کہتے رہئے "اعوذ باللہ من الشّیطان الرّجیم" یعنی میں شیطان سے فرار کرکے اللہ تعالٰے کی پناہ میں آتا ہوں لیکن استعاذہ کے آداب سے بے پروا ہو کر آپ کیسے اس سے فرار کر سکتے ہیں۔

"انّ الّذین اتقوا" جو لوگ گناہ سے فرار کی حالت میں ہیں اگر شیاطین ان پر غلبہ پانا چاہیں تو وہ فوراً ذکر الٰہی میں مشغول ہو جاتے ہیں اور اس کی برکت سے غفلت کا پردہ انکی نگاہوں سے اٹھ جاتا ہے اور ان کی آنکھیں بینا ہو کر شیاطین کی نقل و حرکت کو واضح طور پر دیکھنے لگتی ہیں اسلئے وہ اس کے دام فریب سے خود کو محفوظ رکھ سکتے ہیں۔

اگر کوئی شخص شیطان کے دام سے بچ سکتا ہے تو صرف اہل تقویٰ ورنہ دام اس کا ہمیشہ ہر جگہ موجود ہے۔

ہم نے عرض کیا کہ تقویٰ کو خصوصاً کھانے پینے میں ملحوظ رکھنا چاہئے۔ کیونکہ خوراک بمنزلہ بیج کے ہے جس سے بدن شیطانی یا رحمانی نفس کے ساتھ مرکب ہو کر پروان چڑھتا ہے۔ اگر یہ تخم شیطانی ہوا تو بدن پر شیطان کی حاکمیت ہو گی۔ اگر لقمہ حرام حلق سے نیچے اتر گیا تو جسم کی حکومت شیطان لعین کے ہاتھ آگئی اور جب تک بدن میں اس لقمہ کا اثر رہے گا بدن میں شیطان موجود رہیگا۔

روایات میں آیا ہے کہ صرف ایک لقمہ حرام کھا لینے سے پورے چالیس دن انسان کی نماز قبول نہیں ہوتی اور چالیس روز تک اس کی کوئی دعا درگاہ ایزدی میں بار نہیں پاتی ۔ کیونکہ دعا کرنے والی زبان تو خود شیطان ہی کی ہے۔ اگر قرآن پڑھے گا

توشیطان ہی کی زبان سے اور اگر اعوذ باللہ کہے گا تو بھی اسی کی زبان سے۔

لقمہ حرام کی پہچان

ہر وہ چیز جو آپ کے ہاتھ میں حرام ذریعے سے پہنچے وہ حرام ہے۔ اگر روٹی آپ کے پاس ناجائز مال سے آئی ہے کسی کو دھوکا دے کے آپ نے پائی ہے یا اُسے کسی سے غصب کیا ہے وہ مال سود کا تھا یا کسی دوسرے حرام و ناجائز طریقے سے اُسے اس کے مالک کی اجازت کے بغیر تصرف میں لایا گیا تھا یا شرع مقدس کے قوانین کی خلاف ورزی کر کے حاصل کیا گیا تھا۔ تو یہ سب حرام ہے۔

اس کے بعد حُرمت میں مردار کا درجہ ہے۔ ہر وہ چیز جسے مردار کہہ سکیں خواہ وہ حیوان حلال گوشت ہو لیکن یا طبعی موت مرا ہو یا اُسے شرع کے قانون کے مطابق ذبح نہ کیا گیا مثلاً ارادۃً اور عمداً اس پر بسم اللہ نہ کہی گئی ہو اور اللہ کا نام بوقت ذبح نہ لیا گیا ہو اس کا کھانا حرام ہے۔ "ولا تأکلوا مما لم یذکر اسم اللہ علیہ"۔ (مت کھاؤ وہ چیز جس پر اللہ تعالےٰ کا نام نہ لیا گیا ہو) ۔ اگر کسی حلال جانور کا سر بسم اللہ کہے بغیر کاٹا گیا ہو تو وہ مردار ہے اور شیطانی بیج ہے جسے آپ کے حلق سے نیچے نہ اترنا چاہیئے

آیت کے مفہوم سے استعاذہ کی عمومیت

سید ابن طاووسؒ نے اس آیۂ شریفہ کو عموم کے معنی میں لیا ہے۔ ہر چند کہ اس سے مراد حلال جانور کا گوشت ہے لیکن سیدؒ نے اسے عموم کے معنی دیئے ہیں جن کی رعایت بہر حال خوب ہے اور مستحسن ہے۔ آپ فرماتے ہیں: "ہر وہ خوراک جو اللہ تعالےٰ کا نام لیے بغیر بسم اللہ کہے بغیر تیار کی جائے میں اُسے نہیں کھاتا وہ روٹی جس پر نانبائی نے پکاتے وقت اللہ کا نام نہیں لیا، مومن اُسے کیسے کھا سکتا ہے؟!۔۔۔

نانبائی کا تنور اور شیطانی راگ

عجیب زمانہ تھا اور عجیب انداز میں وہ بدلا ہے۔ اگر سیدؒ آج زندہ ہوں تو دیکھیں۔ مجھے وہ بھی زمانہ یاد ہے جب کسی نانبائی کو لاتے تھے تو وہ تنور پر وارد ہو کر پہلے حدیث کسا پڑھتا اور پھر دعا کرتا تھا تا کہ اللہ تعالےٰ کی برکتیں اس کے شامل حال ہوں۔

اور آج یہ زمانہ ہے کہ روٹی کو موسیقی کی دھنوں اور نغمے کے تال پر پکایا جاتا ہے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

روٹی کو شیطان کے ذکر کے ساتھ پکاتے ہیں اور اسی شیطنت رسیدہ لقمے کو ہم اور آپ کھاتے ہیں۔

ہم بے بس اور مجبور ہیں

اگر کبھی کوئی ان حقائق پر غور کرے تو یقیناً پکار اٹھے گا۔۔۔ "امّن یجیب المضطر"۔ پروردگار۔ کیا کریں؟ یہ کھانے سراسر ظلمت و تاریکی ہیں، ان میں کوئی روشنی نہیں جو روح کی تقویت کرے۔ ہماری زبانیں بھی اسی سے متاثر ہیں اور جھوٹ، لغو، گمراہ کن لہو، غیبت ان کا شعار ہے۔ ہماری آنکھیں اس کے زیر اثر خیانت کیش اور کان اس کے اثر سے لغو و لہو اور غیبت کے رسیا ہو چکے ہیں۔ غرضیکہ ہمارے سب اعضائے جسمانی اس کے اثر سے حرام زدہ یا مکروہ زدہ ہو چکے ہیں یا کم از کم حرام و حلال کی تمیز کھو چکے ہیں کہ نفس کو ذکر خدا اور یاد الٰہی سے انہوں نے غافل کر دیا ہے۔ ہمارے تمام اعضاء و جوارح شیطان کی بازی گاہ بن گئے ہیں۔

خوراک کی طہارت و نجاست

اس کے علاوہ حرام خوراک کی ایک صورت نجس یا نجاست زدہ کھانا ہے اگر ناپاک خوراک حلق سے نیچے اترے گی تو شیطانی بیج کی طرح اپنا اثر سارے بدن میں پھیلائے گی۔

حتیٰ کہ چھوٹے بچوں کو بھی نجس خوراک نہیں کھلانی چاہیئے۔ یہ نہ کہیں کہ بچہ تکلیف شرعی سے آزاد ہے۔ آپ تو آزاد نہیں آپ کا فرض ہے کہ اپنے بچے کے گوشت و پوست کی پرورش حلال و پاک غذا سے کریں کیونکہ بالآخر اسی سے اس کی شخصیت کی تعمیر ہوگی اور حرام یا نجس خوراک اس کے بدن میں منفی، غیر اسلامی اور غیر انسانی رجحانات پیدا کرے گی۔ ہاں حیوانات غیر طاہر غذا کھا سکتے ہیں۔

جن بعض مواقع پر حلال اور پاکیزہ خوراک سے بھی پرہیز واجب ہے۔ ان میں سے ایک سیری کی حالت میں کھانا ہے۔ یہ سخت مکروہ اور شیطانی عمل ہے اور ایسے اوقات میں تو کہ جب یہ کھلے نقصان اور ضرر فاحش کا باعث بن سکتا ہو قطعی طور پر حرام ہے

مجلس ۷

بسم اللہ الرّحمٰنِ الرّحیم ـ انّ الذّین اتقوا اذامسہم طائف من الشیطان تذکروا فاذاھم مبصرون
(الاعراف : ۲۰۱)

شیطان سے دشمنی رکھو

ہم نے عرض کیا کہ جب تک کوئی شخص شیطان سے دوری اختیار نہیں کرے گا حقیقت استعاذہ اس میں پیدا نہیں ہوگی. گناہ کا مرتکب انسان شیطان کا اطاعت گذار ہے،

اللہ تعالےٰ کا ارشاد ہے : " فاتّخذوہ عدّوًا " (اسے اپنا دشمن جانو) وہ تمہارا ازلی دشمن ہے. تم بھی اس سے دشمنی کرو، اس کے دوست نہ بنو. لیکن اگر تم گناہ کروگے تو یہ اس کی عین اطاعت ہوگی اور اطاعت دوستی کا لازمہ ہے. ہمیشہ خبردار رہو کہ یہ کمینہ دشمن تمہاری گھات میں ہے. ایک لحظہ بھی انسان سے غافل نہیں اور نہ انسان اس کے شر سے کوئی لحظہ محفوظ ہے. اگر آپ خود کو اس سے امان میں سمجھتے ہیں تو یہ آپ کی بے خبری اور بھول ہے.

کیا شیطان سوتا ہے؟

کسی نے ایک خدا رسیدہ عالم سے دریافت کیا کہ کیا روایات میں شیطان کے بارے میں کہیں یہ آیا ہے کہ وہ سوتا اور آرام کرتا ہے؟ عالم عارف نے مسکرا کر بڑا پُرلطف جواب دیا. فرمانے لگے : "اگر اس ملعون پر کبھی نیند طاری ہو سکتی تو ہمیں کچھ آرام مل جاتا".

جب آپ محو خواب ہوتے ہیں تو یہ ملعون پوری طرح بیدار ہوتا ہے. وہ کبھی نہیں سوتا. بلکہ ہمیشہ آپ کی نگرانی کرتا ہے اور آپ کی ضرر رسانی کیلئے آپ کی گھات میں رہتا ہے. " انہ یراکم ھو وقبیلہ من حیث لا ترونھم " (وہ اور اس کے کارندے ایسی جگہ سے آپ کو دیکھتے جہاں سے آپ انہیں نہیں دیکھ سکتے) وہ آخر دم تک آپکا پیچھا نہیں چھوڑتا.

آپ کو مسلح رہنا چاہیئے

پھر ہمیں کیا کرنا چاہیئے. اور جب دشمن اس قدر قوی و چالاک ہے اور ہر ظاہر اور مخفی طریقے سے ہمارے درپے ہے تو ہم پر کیا فرض عائد ہوتا ہے. یہی نا کہ ہم پورے طور پر مسلح ہوں اور ہمیشہ مسلح رہیں اور جب دشمن ہر لحظہ آپ کی معمولی سی غفلت کا منتظر ہے تو آپ کو بھی چاہیئے کہ کسی لحظہ اپنا اسلحہ

نہ اتاریں. اگر آپ نے ایک لحظہ کیلئے بھی اپنا اسلحہ اتارا یا ایک لمحہ کیلئے بھی غافل ہوئے تو آپ کی خیر نہیں.

انسان کا اسلحہ تقویٰ ہے. ابلیس کے مقابل آپ کو ہمیشہ خبردار اور مسلح رہنا چاہیئے.

مومن کا اسلحہ : مستحبات اور ترکِ مکروہات

اپنی قوت واستطاعت کے مطابق مستحبات انجام دینا دفع دشمن اور اس کے رفعِ شر کیلئے بہت موثر ہے. اسی طرح ترک مکروہات حتیٰ کہ ترک غفلت بھی اس مقصد کیلئے بہت مفید ہے.

جتنا انسان دشمن سے غافل ہوگا اور گناہوں پر عمل پیرا ہوگا اتنا ہی خود کو اژدھا کے منہ سے قریب لے جائے گا. اور اسی اندازے سے شیطان کا تقرب بھی حاصل کریگا. لیکن اتنی دوستی اور قربت کے باوجود بھی اگر شیطان بوقت مکافات عمل اس کے سر سے ہاتھ اٹھالے اور دوستی کا کوئی پاس نہ کرے تو اس سے بڑی بدبختی اور کیا ہو سکتی ہے؟!

شیطان تدریجاً اپنے حملوں میں شدت لاتا ہے

اس کی ابتدائی کوشش یہ ہوتی ہے کہ مومن کو مکروہات کے ارتکاب پر اکسائے. اس کے بعد وہ اس کے سامنے گناہاں صغیرہ کی راہ کھولتا ہے. پھر ان پر اصرار پر اور انہیں معمولی سمجھنے پر جو خود ایک گناہ کبیرہ ہے. جناب مصنف کی کتاب "گناہان کبیرہ" اور اسی طرح "قلب سلیم" میں یہ موضوع پوری شرح وبسط کے ساتھ بیان کیا گیا ہے. اسے مجبور کرتا ہے. اس کے بعد اسے گناہان کبیرہ پر لگا دیتا ہے اور آخر میں اس کے قلب و روح پر غلبہ و تسلط حاصل کرکے اس کے ایمان پر حملہ آور ہوتا ہے اور مومن کو وسوسہ اور شک میں مبتلا کرکے اسے اپنا صیدِ زبون بنالیتا ہے کہ اس بیچارے کو یہ سمجھنے کے قابل بھی نہیں رہنے دیتا کہ وہ کس دام میں پھنس گیا ہے ــ

صرف اہل تقویٰ ہی اپنے کاری اسلحہ کی مدد سے خود کو شیطان کے شر سے محفوظ رکھ سکتے ہیں. بیچارے نہتے لوگوں کی کیا مجال کہ ملعون دشمن کے مقابلے میں آئیں.

وضو مومن کا تیز دھار اسلحہ ہے

بہت سے مستحبات ہیں جو دفع دشمن کیلئے ضروری اسلحہ میں شمار ہوتے ہیں. ان میں سے ایک وضو ہے. حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے: "الوضوء سلاح المؤمن" (وضو مومن کا ہتھیار ہے). مومن کا فرض ہے کہ شیاطین کے سامنے خود کو یوں سمجھے کہ دشمن کے مقابلے میں صف آرا ہے

لہٰذا لازمی طور پر باوضو رہے اور جسم کو ہمیشہ پاک و طاہر رکھے۔

اور سب سے بہتر یہ ہے کہ ہمیشہ باوضو رہے اور جب وضو کئے ہوئے کافی وقت گذر جائے۔ ہر چند کہ وضو نہ ٹوٹا ہو تو اس کی تجدید کرے۔ کیونکہ "الوضوء نور والوضوء علی الوضوء نور علی نور" (وضو نور ہے اور وضو پر وضو نورٌ علی نور ہے)۔ یہی وضو وہ نور ہے جو شیطان کی آفریدہ ظلمت کو دور کر کے ضلالت سے باز رکھتا ہے۔

سوتے وقت بھی وضو کر کے بستر پر جانا مستحب ہے۔ آپ کو چاہئے کہ مسلح ہو کر سوئیں تاکہ آپ کے وضو کا نور نیند کے دوران شیطان کی ظلمت کو آپ سے دور رکھے۔

روزہ اور صدقہ سے شیطان کی کمر ٹوٹتی ہے

اس اسلحہ میں چند ہتھیار ایسے ہیں جن سے مسلح رہنے کی تاکید سرور عالم خاتم الانبیاء علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمائی ہے:۔

قال رسول اللہ (ص) لاصحابہ الا اخبرکم بشیٔ ان انتم فعلتموہ تباعد الشیطان منکم کما تباعد المشرق من المغرب قالوا بلی قال الصوم یسود وجھہ والصدقۃ تکسر ظہرہ والاستغفار یقطع وتینہ والحب فی اللہ والموازرۃ علی العمل الصالح یقطعان دابرہ ۔ (سفینۃ البحار جلد ۲ ص ۴۳)

حضور علیہ السلام نے صحابہ سے فرمایا ...... روزہ سے شیطان کا منہ کالا ہوتا ہے۔ صدقہ اس کی کمر توڑتا ہے۔ استغفار سے اس کی رگ حیات کٹتی ہے اور اللہ تعالیٰ کی محبت اور عمل صالح سے اس کی جڑ اکھڑ جاتی ہے)

روزہ سے اگر آپ اس کی سکت رکھتے ہوں، آپ کے دشمن کو رُوسیاہی ملتی ہے۔ اگر غیب کے پردے آپ کی آنکھوں سے اٹھالئے جائیں تو آپ دیکھیں گے کہ شیطان ملعون کا مکروہ چہرہ آپ کے روزے کے اثر سے سیاہ ہوگیا ہے۔

لیکن شیطان اتنا کمزور و ناتوان بھی نہیں ہے کہ آسانی سے ایک روزہ رکھ کر آپ اس کا منہ کالا کر دیں گے اور صدقہ کی ایک ہی ضرب سے اس کی کمر توڑ دیں گے۔ انسان کو چاہئے کہ ہر عمل پورے اخلاص سے انجام دے اور ہفت حجاب سے گذر ابلیس کی کمر توڑ کر اسے خاک میں ملا دے۔

پھر صدقہ ہے کہ حضورؐ کے ارشاد کے مطابق شیطان کی کمر توڑتا ہے۔ ضرور توڑتا ہے لیکن اس کیلئے اس کا بارگاہِ الٰہی میں مقبول ہونا شرط ہے۔

میں نے شیطان کی ماں کو دیکھا

الانوار جزائری میں منقول ہے ایک دفعہ قحط سالی کے دوران ایک واعظ مسجد کے منبر پر بیٹھا کہہ رہا تھا: "اگر کوئی چاہے کہ صدقہ دے تو ستر شیطان اس کے ہاتھ سے چمٹ جاتے ہیں اور اُسے اس سے باز رکھنے کی کوشش کرتے ہیں۔

ایک مومن جو منبر کے پائے کے ساتھ بیٹھا تھا یہ سُن کر تعجب سے اپنے ساتھیوں سے کہنے لگا: "بھلا صدقہ سے شیطان کا کیا تعلق ہے۔ لو میرے پاس گھر میں کچھ گندم موجود ہے میں ابھی جاتا ہوں اور اسے مسجد میں لا کر فقراء میں تقسیم کرتا ہوں۔ بھلا دیکھوں شیاطین مجھے کیسے روکتے ہیں۔" پس اٹھا اور گھر کو چلا گیا۔

جب گھر پہنچا اور اس کی بیوی اس کے ارادے سے آگاہ ہوئی تو اُسے سرزنش کرنے اور ڈانٹنے لگی کہ اس قحط کے زمانے میں اپنی اور اپنے بیوی بچوں کی پروا نہیں کرتے ہو۔ شاید یہ قحط طول پکڑ جائے تو ہم بھوکے مریں گے۔ وغیرہ۔ وغیرہ۔ بہر حال وسوسہ میں مبتلا ہو کر وہ مرد مومن خالی ہاتھ مسجد میں اپنے ساتھیوں میں واپس آگیا۔

دوستوں نے پوچھا: "کیا ہوا۔ خالی ہاتھ لوٹ آئے ہو۔ دیکھا! آخر وہ ستر شیطان تمہارے ہاتھ سے چمٹ ہی گئے اور انہوں نے تمہیں صدقہ نہیں دینے دیا" ــــ اس نے جواب دیا:

"شیطان تو مجھے نظر نہیں آئے۔ البتہ ان کی ماں کو میں نے ضرور دیکھا جو اس کارِ خیر میں رکاوٹ بنی"۔

الغرض انسان چاہتا ہے کہ شیطانوں کا مقابلہ کرے۔ لیکن آپ دیکھتے ہیں کہ بعض اوقات بیوی یا اس کی دوست عورتوں کی مصلحت بینی کی وجہ سے وہ ایسا نہیں کر سکتا۔

اور صدقہ یہ بھی نہیں ہے کہ جیب کو ٹٹول کھرچ کر ایک دو روپیہ نکال کر دے دیں۔ کیونکہ

لن تنالوا البرّ حتّی تنفقوا ممّا تحبون (آلِ عمران : ۹۲)

(تم ہرگز سعادت سے ہمکنار نہیں ہو سکتے تاوقتیکہ خدا کی راہ میں وہی کچھ خرچ نہ کرو جو تمہیں عزیز ہو)۔

آپ کی مالی قوت کیا ہے؟ اگر آپ واقعی مال دار ہیں تو تاوقتیکہ پانچ سو یا ہزار روپیہ کا چک جیب سے نہ نکالیں گے شیطان کی کمر نہیں ٹوٹے گی۔ اور وہ بھی اس شرط پر کہ اس عطئے کو جتلا کر یا اس کے بارے میں دوسرے شخص کو اذیت دیکر باطل نہیں کردیں گے ــ نمائش اور شہرت کا تو ذکر ہی کیا؟!

توبہ بھی ایک طاقتور ہتھیار ہے

شیطان اپنی ہر ممکن کوشش سے انسان کو گناہ کی دلدل میں ڈالتا ہے۔ اس وقت اگر انسان سچے دل سے توبہ کر لے تو شیطان کا دل ٹکڑے ٹکڑے ہو جاتا ہے۔

لیکن دشمن بہت ہوشیار ہے اور اپنی سی انتہائی کوشش کرتا ہے کہ انسان درِ توبہ تک نہ پہنچ سکے، وہ اس کے دل میں القاء کرتا ہے۔ "آخر ہوا کیا ہے؟ کون سا اتنا بڑا گناہ تم نے کر لیا ہے کہ اب نادم ہو۔ نہیں دیکھتے کہ دوسرے کیا کچھ کرتے پھرتے ہیں۔ ابھی تو تم جوان ہو۔ اتنی جلدی بھی کیا ہے۔ اگر توبہ ضروری کرنی ہے تو بڑھاپے میں کر لینا۔ اس وقت توبہ ٹھیک رہے گی کیونکہ کمزوری اور ناتوانی کی وجہ سے توبہ توڑ نہیں سکوگے اور وہ قائم رہے گی۔ اب جوانی کے عالم میں کی ہوئی توبہ اس توبہ شکن دنیا میں کیسے قائم رہ سکتی ہے...

دو طاقتور شیطان کش ہتھیار

مزید طاقتور ہتھیار جو کہ نبی علیہ السلام کے فرمان کے مطابق شیطان کو نابود کر سکتے ہیں دو ہیں: ایک خدا کی مخلصانہ اطاعت اور دوسرے عمل صالح پر مداومت۔

ہم نفس کے ماروں کو بہ ہنگامِ قیامت — افسوس بہت ہوگا کہ کیوں نفس نہ مارا

یہ جہادِ اکبر ہے کہ اللہ تعالےٰ سے محض اسی کی ذات کیلئے اپنے منافع و مصالح اور خواہش نفس کو یکسر نظر انداز کر کے دوستی کی جائے یہ جہاد کفار کے ساتھ جہاد سے افضل ہے۔ کیونکہ اپنے حقیقی داخلی دشمنِ نفس امارہ سے ہے۔ اگر یہ جہاد کامیاب نہ ہوا تو کفار کے ساتھ جہاد بھی ناکام رہے گا۔ بلکہ شیطان ہی کی انگیخت پر ہوگا جس میں جان بھی بہر حال جائیگی اور عاقبت بھی برباد ہوگی۔

جناب سید سجادؑ اپنی دعا میں یوں عرض کرتے ہیں: "اے پروردگار میں اس دشمن سے تیری پناہ طلب کرتا ہوں۔ اے گھر کے مالک یہ کُتا مجھ پر حملہ آور ہوتا ہے۔ میری فریاد کو پہنچ اور مجھے اس سے بچا"۔۔۔ (واغوثاہ من عدو استکلب علیّ)

ابلیس پائے امام سجادؑ کو کاٹتا ہے

"مدینۃ المعاجز" میں مذکور ہے کہ جناب سید ساجدینؑ ایک روز نماز میں مصروف تھے۔ ابلیس نے چاہا کہ امامؑ کی استغراق کی کیفیت میں کمی ہو جائے۔ اپنے ایک چیلے کو اس نے حکم دیا کہ امامؑ کو کوئی جسمانی اذیت پہنچا کر آپ کی توجہ الی اللہ اور استغراق فی اللہ میں خلل ڈال دے۔ وہ راضی ہو گیا اور روایت میں آیا ہے کہ اس نے ایک بڑے سے اژدھا کی شکل اختیار کی (ہم اس سے پہلے بیان کر چکے ہیں کہ شیاطین کوئی بھی شکل اختیار کر سکتے ہیں) اور امامؑ کے پاس آیا۔ آپ بدستور بے حس و حرکت عبادت میں مصروف رہے۔ اس ملعون نے پائے امام علیہ السلام کے انگوٹھے کو کاٹ لیا لیکن آپ کو اس کا ہرگز کوئی احساس نہ ہوا پس آسمان سے قہر الٰہی کی ایک خوفناک گونج نے اس لعین کے

اس فعل کو قطع کیا اور زمین و آسمان کے درمیان یہ آواز بلند ہوئی "انت زین العابدین"۔ (آپ واقعی عبادت گذاروں کی زینت اور ان کیلئے سرمایۂ فخر و ناز ہیں) اس وصف عظیم کے مالک یہ فخر عبادت گذارانِ عالم اللہ کے حضور التجا فرماتے ہیں کہ اے پروردگار مجھے اس کتے سے اپنی پناہ میں رکھ۔ اے صاحب آستانہ قدس مجھے اس کے حملے سے محفوظ رکھ۔

شیطانی ہتھکنڈوں سے لوگوں کو آگاہ کرو

یہ سید الساجدین جناب امام زین العابدینؑ کا حال بیان کیا گیا۔ تو ہم ناچیز کس شمار قطار میں ہیں جو جہل میں ایسا اپنی ذات سے بھی بے خبر ہیں جس کی وجہ سے ہم شیطان کی ادنیٰ سی انگیخت پر راہِ راست سے بھٹک جاتے ہیں۔

اے اہل عقل شیطانی ہتھکنڈوں سے عوام کو روشناس کراؤ۔ فساد اخلاق کے ان اسباب نے شیطان کی آنکھیں آگے ہی بہت ٹھنڈی کر دی ہیں، تم مزید اس کے شیطانی کارناموں پر مہر تصدیق ثبت نہ کرو۔ نہی عن المنکر ہر انسان پر واجب ہے۔ کم از کم ان شیطانی کاموں سے نفرت کا اظہار کرو۔ اس کیلئے تو کوئی شرط نہیں۔ ہم سب کا فرض ہے کہ اس غلط اور نازیبا صورت احوال سے نجات حاصل کریں۔

ہر وہ شخص جو کسی کے فعل بد کو دیکھے اور اس پر ناراضگی کا اظہار نہ کرے بلکہ اس سے خوش ہو، اس کے گناہ میں شریک سمجھا جائے گا۔ کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ ایک شخص صرف معاشرہ کی نظروں میں گر جانے کے خوف سے سینما تھیٹر یا فسق و فجور کے دوسرے مقامات میں نہیں جاتا۔ لیکن ان جگہوں سے دلی طور پر نفرت نہیں کرتا تو اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ خدا سے زیادہ بندوں سے ڈرتا ہے۔ وہ بھی یقیناً ان گناہوں میں برابر کا شریک ہے

بال سے باریک اور تلوار سے تیز

کہیں ایسا نہ ہو کہ ہم بھی شیطان ملعون کے ہی ساتھی ہوں اور وہ ہمارے رگ و پے اور گوشت پوست میں رچا بسا ہوا ہو۔ ایسا نہ ہو کہ اپنے خیال کے مطابق تو ہم کار خیر انجام دے رہے ہوں اور بزعم خود حسنات بجا لا رہے ہوں لیکن در اصل یہ سب کچھ شیطان ہی کی انگیخت پر ہو رہا ہو۔ یہ مقام اتنا نازک ہے کہ بال سے باریک اور تلوار سے تیز ہے۔ آپ کو معلوم ہی ہے کہ صرف ایک نقطہ کے اضافے سے محرم مجرم بن جاتا ہے

بقول حاجی نوری، بعض لوگ اسی غرور میں ہلاک ہو جاتے ہیں کہ وہ حضرت علیؑ کے محب ہیں وہ سمجھتے ہیں کہ محبت کا صرف زبانی دعویٰ انہیں جنت میں لے جانے کیلئے کافی ہے۔ اگر دل سے حب علیؑ پر قائم ہوں تو دین کے جملہ احکام کی پورے اخلاص

سے تعمیل کریں ورنہ عین ممکن ہے کہ حبِ علیؑ کے کھوکھلے دعوے بھی شیطان ہی کی انگیخت کے مرہون منت ہوں۔

اے بیچارہ و بے بس مسلمان خبردار ہو کہ تیرے ایمان کی اصل خطرے میں ہے۔ اگر شیطان نے تجھے وقت مرگ وسوسے میں مبتلا کر دیا تو کیا کرے گا۔ اپنے زعم میں تو تُو علی علیہ السلام کا محب ہے۔

یہ زبان کیا ہے۔ تیرا دل کس کے سامنے جھکا ہوا ہے۔ کہاں جا رہا ہے، کس کی اطاعت میں مبتلا ہے۔ بس وہی تیرا محبوب و مطلوب بھی ہے خدا نے چاہا تو حبِ علیؑ بھی موجود ہے لیکن ایسا نہ ہو کہ اس پر کوئی اور محبت غالب آجائے۔ سچ بتا تو اپنی نفسانی خواہشات کو دوست رکھتا ہے یا علیؑ کو، اپنی دنیا سے زیادہ پیار کرتا ہے یا دین سے۔ اگر تیری دنیا درست ہو جائے تو کیا تجھے آخرت کی کوئی فکر باقی نہیں رہے گی؟! ....

امورِ آخرت بہ نیت دنیوی

دلوں کو شیاطین شکار کر چکے ہیں۔ آخرت کی فکر کسے ہے۔ جب حضرت ابوالفضل عباسؑ کی مجلس میں توسل کیلئے جاتے ہیں کہ فلاں دنیوی حاجت پوری ہو جائے۔ پس یہ عبادت کارِ دنیا کے سدھرنے کی غرض سے کرتے ہیں اور بہانہ اس کا "توسل" کو بنا لیتے ہیں۔ اگر بلا توسل آپکا یہ کام ہو جاتا تو جناب ابوالفضل عباس علیہ السلام سے آپ کو کوئی سروکار نہ ہوتا۔

کیا کبھی ایسا بھی ہوا ہے کہ اس ارادے سے آپ نے توسل کیا ہو کہ حُبِ علی علیہ السلام پر زندگی کا انجام ہو۔ ایسا نہ ہو کہ یہ مختصر سی دوستی دمِ نزع شیطانی تصرفات کی وجہ سے ہو۔

تین لاکھ سال کا فاصلہ

روایات میں آیا ہے کہ بعض محبان علی علیہ السلام تین لاکھ سال (کے عذاب کے) بعد جناب امیر علیہ السلام تک پہنچیں گے۔

یہ بات بالکل صحیح ہے کیونکہ آپ کا دل کا ہزارواں حصہ حضرت علیؑ کیلئے تھا۔ خدمتِ امام میں پہنچنے سے قبل یہ حجابات دور ہونے ضروری ہیں پہلے غیر کی بے حقیقت محبت کا رنگ دل سے برطرف ہوگا تو علیؑ تک پہنچنا ممکن ہوگا۔ اے امیرالمومنین آپ خود ہی نظرِ کرم فرمادیں۔

ہمیں امید کرنی چاہئے کہ ہماری موت حُبِ اہل بیتؑ پر ہو اور حق تعالےٰ کا فضل و کرم ہمارے شامل حال رہے۔

رُکنِ اوّل

تقویٰ

مجلس ۸

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ۔ انّ الّذین اتقوا اذا مسّھم طائف من الشیطان تذکروا فاذا ھم مبصرون (الاعراف : ۲۰۱)

تقویٰ ۔ استعاذہ کا پہلا رکن

ہماری بحث کا خلاصہ یہ ہوا کہ استعاذہ کا اولین رکن تقویٰ ہے تو سب سے پہلے ستون کو درست اور مضبوط ہونا چاہئے تاکہ عمارت اس پر قائم رہ سکے۔

تقویٰ "وقایۃ" سے ہے جس کا معنی نگہداشت اور حفاظت ہے۔ شرعی اصطلاح میں اللہ تعالےٰ کے اوامر و نواہی کی مخالفت سے پرہیز کو تقویٰ کہتے ہیں۔

یہ بہت ضروری ہے کہ تقویٰ ایک عادت اور ایک ملکہ کی طرح ہمارے اخلاق میں اتنا راسخ ہوجائے کہ گناہ ہمیں تلخ محسوس ہونے لگے۔ اور مثلاً اگر سب لوگ مل کر بھی اگر چاہیں کہ ہمیں کسی کی غیبت پر آمادہ کریں تو کامیاب نہ ہوسکیں۔ یعنی ایسی حالت ہمارے نفوس میں پیدا ہوجائے کہ اس کا برطرف کرنا محال یا کم از کم سخت مشکل ہو اور مداومت کی وجہ سے اپنے نفس اور شیطانِ ملعون پر قدرت و تسلط حاصل ہوجائے۔ اس کو ملکۂ تقویٰ کہتے ہیں۔

ترک مکروہات برائے محرمات

اس مقام تک پہنچنے کیلئے مکروہات کا ترک کرنا بہت ضروری ہے تاکہ حرام کا ترک کرنا ہمارے لئے آسان ہوجائے اور اس پر تکرار و مداومت سے تقویٰ کا ملکہ اور عادت ہم میں پیدا ہوجائے اور جب ہم مکروہات کو کہ جن کے ارتکاب کی کوئی سزا نہیں، ترک کر دیں گے تو ترکِ حرام ہمارے لئے بہت آسان ہوجائے گا اور پھر بالتدریج ہماری عادت بن جائے گی۔

اور جہاں تک ممکن ہو ہمیں چاہئے کہ مستحبات کو ترک نہ کریں کیونکہ مستحبات کی انجام دہی کی برکت سے واجب کو ترک کرنا ہمارے لئے محال ہوجائے گا۔ ظاہر ہے کہ جو شخص نمازِ نافلہ کو ترک نہ کرتا ہو، نمازِ واجب اس سے کبھی فوت نہیں ہوسکتی۔

پرخار جنگل اور پابرہنہ مسافر

کسی عالمِ عارف نے تقویٰ کی بہت پر لطف تعریف فرمائی ہے اور بڑی دلچسپ مثال سے اسے واضح کیا ہے۔ فرماتے ہیں:-

جب آپ کسی کانٹوں بھرے جنگل میں ننگے پاؤں چل رہے ہوں تو راستہ کیسے طے کریں گے۔ کیا اسی طرح سر اٹھا کر نظریں افق میں جمائے چلتے رہیں گے یا پوری توجہ و احتیاط سے پھونک پھونک کر قدم رکھیں گے تاکہ پیر میں کانٹا نہ لگ جائے اور آپ اذیّت سے دوچار نہ ہوجائیں۔

بس تقویٰ کا یہی معنیٰ ہے کہ زندگی کی راہ میں قدم قدم پر شیطان کے بکھیرے ہوئے کانٹوں سے آپ بچ جائیں۔ اور سلامتی کے ساتھ راہِ حیات طے کریں۔

دانہ و دامِ ابلیس

یہ احتیاط اتنی ضروری ہے کہ جناب سید الساجدین حضرت امام زین العابدینؑ سے صحیفۂ سجادیہ میں یہ دعا منقول ہے:۔ اے پروردگار میں ابلیس کے پھندوں اور دام ہائے فریب سے آپکی پناہ طلب کررہا ہوں۔

آپ نے بارہا دیکھا ہے کہ شکاری اپنے جال کو پوشیدہ کرکے یا اسے ہم رنگ زمین بنا کر اس پر دانہ بکھیرتا ہے۔ اس کا شکار دانے کو تو دیکھ لیتا ہے لیکن دام اس کی نظروں سے پوشیدہ رہتا ہے۔ دانے کے لالچ میں آتا ہے لیکن اس تک پہنچنے سے پہلے ہی دام میں پھنس جاتا ہے۔

ابلیس لعین کے دام بے شمار ہیں۔ گناہ و معصیت کے بے شمار گڑھے اس نے کھود کر ان کو خاشاک فریب سے پوشیدہ کیا ہوا ہے اور ترغیب و تحریص کے دانے ان پر ڈالے ہوئے ہیں تاکہ ناسمجھ انسان اس کے دلربا ظاہر پر فریفتہ ہوکر دام میں پھنس جائے۔

تقویٰ دامِ ابلیس کو دیکھ لینے کی صلاحیت ہے

تقویٰ کا مقتضا یہ ہے کہ ہم اپنی آنکھیں کھلی رکھیں۔ نگاہ کو کسی چیز کے خیرہ کن زرق برق ظاہر سے فریب نہ کھانے دیں۔ دامِ ابلیس کو دیکھیں۔ ؎ بندۂ خوش بخت بس وہ ہے جو آخر بین ہے

اللہ تعالےٰ سے دعا کریں کہ ہمیں بصیرت دینی عطا ہو تاکہ ہم ابلیس کے پھندوں اور اس کے دام ہائے فریب کو دیکھ سکیں نہ کہ دانۂ دنیا کے طمع میں اندھے ہوکر اس میں جاگریں۔

کچھ ناگزیر مثالیں : بازار دامِ شیطان ہے

رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت ہے کہ بازار ابلیس کا میدان ہے :۔

عن النبی (ص) شرّ بقاع الارض الاسواق وھو میدان ابلیس یغدو برایته ویضع کرسیه ویبث دریته فبین مطفف فی قفیز او طائش فی میزان او سارق فی ذراع او کاذب فی سلعة ..... الخ

(روئے زمین کا بدترین حصہ بازار ہے، یہ شیطان کا میدان ہے جہاں وہ صبح کے وقت اپنا جھنڈا گاڑ دیتا اور اپنی کرسی لگا لیتا ہے اور بساطِ فریب بچھا کر ناپ تول اور پیمائش میں بد دیانتی کرتا اور ناخالص مال بیچتا ہے) سفینۃ البحار جلد ۱ صفحہ ۹

یہی وجہ ہے کہ از روئے فرمودات معصومین بازار میں زیادہ دیر تک ٹھہرنا مکروہ ہے۔ (کیونکہ بازار صرف جائے معاملات ہے اور بازار کے ساتھ خصوصی نسبت صاحبانِ فہم کے نزدیک پسندیدہ نہیں)۔

نیز سب سے پہلے بازار میں داخل ہونا اور سب کے بعد وہاں سے نکلنا بہت مکروہ ہے کیونکہ اس دوران میں شیطان انسان کا رفیق ہوتا ہے۔ چنانچہ روایات میں آیا ہے کہ جناب امیر المومنین علی علیہ السلام نے ۱۸ رمضان المبارک کے دن عبد الرحمٰن ابن ملجم کو کوفہ کے بازار میں گھومتے دیکھا تو اس نے فرمایا : "یہاں کیا کر رہے ہو؟" اس نے عرض کیا : "گھوم رہا ہوں"۔ آپؑ نے فرمایا : "بازار شیطانوں کی جگہ ہے"۔

یعنی بازار میں بلا ضرورت گھومنا خواہ مخواہ قابلِ اعتراض سرگرمیوں میں مصروفیت کو مستلزم ہے چنانچہ آج بھی بازار میں بلا وجہ گھومنا معیوب سمجھا جاتا ہے۔ اگر آپ تقویٰ چاہتے ہیں تو آپ کو اسی طرح احتیاط کرنا ہوگی جسطرح راہِ پُر خار کا مسافر کرتا ہے۔

بازار میں داخلے کے وقت استعاذہ

جب آپ بازار میں داخل ہوں تو اللہ تعالیٰ سے پناہ کی یوں التجا کیجئے :۔ پروردگار۔ میری حفاظت فرما۔ کہ گناہ میں نہ پھنس جاؤں، معاملے میں بد دیانتی کا مرتکب نہ ہوں۔ جھوٹ بولوں۔ کسی کی بے عزتی اور توہین نہ کروں۔ دھوکے اور فریب سے بچوں، غلط قسم کے خیالات کی تبلیغ نہ کروں اور حرص اور لالچ کا شکار نہ ہوں۔ یہ سارے کے سارے شیطانی فریب اور ابلیسی ہتھکنڈے ہیں۔

میں یہ نہیں کہتا کہ بازار مت جائیے اور لین دین نہ کیجئے بلکہ مقصد میرا صرف یہ ہے کہ اپنے خداداد عقل و حواس سے

کام لیجئے اور محتاط رہیئے۔

ایک شخص جناب امام جعفر الصادق سے روایت کرتا ہے : "میں نے آنجناب سے پوچھا میرا ایک عورت سے لین دین ہے مجھے ناچار اس کا چہرہ دیکھنا پڑتا ہے۔ کیا مجھے اسے دیکھنا جائز ہے یا نہیں؟" آپ نے فرمایا : "اِتَّقِ اللہ۔ بس خدا کا خوف دل میں رکھ اور احتیاط کر"۔

ملاحظہ فرمائیں۔ یہی نگاہ بار بار اس عورت کے چہرے پر پڑنے سے شہوت زدہ ہو سکتی ہے اور حفظِ نفس کا باعث بنکر اس کی بدبختی کی وجہ بن سکتی ہے۔

بازار کے اندر شیطان کا پھندا

حتیٰ کہ آپ کو رستہ چلتے ہوئے بھی متوجہ و محتاط رہنا چاہئے۔ اگر آپ سمجھتے کہ ایک راہ میں دامِ شیطان موجود ہے تو دوسرا رستہ اختیار کیجئے خواہ وہ کتنا ہی دور ہو۔ مثلاً اگر آپ کے رستے میں سینما یا دوسرے فواحش کا کوئی مرکز ہے، بازاری یا عریان و بے پردہ عورتیں یا ان کی تصویریں جو ہیجانِ شہوت کا باعث ہو سکتی ہیں تو دوسرا رستہ اختیار کریں تا کہ آپ کی نگاہ ایسے حرام مناظر پر نہ پڑے۔ آپ یہ نہ کہیں کہ ہم ایسے فریب میں پڑنے والے نہیں ہیں۔ لیکن پھر بھی احتیاط بہت ضروری ہے کیونکہ کم از کم ایسے مناظر دل کو خدائے تعالیٰ سے غافل تو کر ہی سکتے ہیں۔

رفیق سفر — خطرناک پھندا

کبھی کبھی خود انسان کا رفیقِ سفر بھی ابلیس کا دام ثابت ہو سکتا ہے۔ وہ بد زبان غیبت کرنے والا اور نااہل ہو سکتا ہے۔ ایسے ساتھی کو فوراً بدل دینا چاہیئے۔

دو ہم نشینوں کا بالخصوص جب وہ عورتیں ہوں جو عموماً کم حوصلہ ہوتی ہیں شیطانی فریب میں پھنس جانے کا زیادہ اندیشہ ہے۔ جب آپس میں باتیں کرتے کرتے دوسروں کا ذکر درمیان میں آتا ہے تو کبھی کسی کا اور کبھی کسی کا ذکر کرتی ہیں اور رفتہ رفتہ مباح باتوں سے گذر کر غیبت، تہمت، افتراء و استہزاء اور افشائے راز اور ہتکِ حرمت تک پہنچ جاتی ہیں۔

دامِ ابلیس ایسا ہی ہے کہ پہلے تو خوش کلامی، خوش گپیوں اور احوال پرسیوں کا دانہ دکھاتا ہے اور پھر ان کے نیچے چھپے ہوئے فعلِ حرام کے جال میں انہیں پھنسا دیتا ہے۔

کئی بار آپ نے مشاہدہ کیا ہے کہ دو شخص بڑی دوستانہ صحبت میں بیٹھ گئے، ان کی باتوں میں ابتداء میں کوئی

عیب یا خرابی نہ تھی لیکن ایک گھنٹے ہی کے اندر ان کی باہمی باتوں نے انہیں دوزخ کے گہرے گڑھے میں دھکیل دیا۔ اب وہاں سے نکلنا ایک طویل محنت ہی سے ممکن ہے۔ اس صورت میں اگر وہ دونوں مسجد میں بھی جائیں گے تو یہ خیال نہ کیجئے کہ خدا پرست ہو گئے کیونکہ شیطان بدستور ان کے ہمراہ ہے۔

اپنے آپ کو بچائیے

الغرض ابلیس کے پاس اتنے دام ہیں کہ اگر انسان صاحب تقویٰ یا محتاط نہ ہو تو اس کو اس طرح جکڑتا ہے کہ جب تک جہنم میں نہ پہنچا دے چھوڑتا نہیں۔

اے اہل عقل! احتیاط کیجئے اور خصوصاً زبان کو پورے قابو میں رکھئے۔ دوسروں میں کیڑے نکالنے سے کیا مطلب!! ہر شخص اپنے اعمال و افعال کے حساب کا ذمہ دار ہے۔ کسی ایک کا بوجھ دوسرے کی گردن میں نہیں ڈالا جائے گا۔

"لا تزر وازرة وزر اخریٰ!"

یاد رکھئے کہ ایک دوسرے کے خلاف باتیں کرنا، چغلی کھانا یا غیبت کرنا شیطان کا دام ہے۔ جب آپ دوسروں کے ساتھ ایک مجلس میں بیٹھے ہوں تو اس دام سے محتاط رہئیے۔

عورت سب سے خطرناک دام ہے

سب سے اہم اور بقول صحیح شیطان کا خطرناک ترین دام عورت ہے۔ ماسوائے ان عورتوں کے جنہوں نے عمر بھر شیطان سے مردانہ وار مقابلہ کیا۔

مرد کے شکار میں تو کچھ وقت لگتا ہے لیکن عورت بہت جلد شیطان کا شکار ہو کر مرد بیچارے کیلئے اس کا دام بن جاتی ہے۔

کیا آپ نے سنا نہیں کہ شیطان اپنے تمام قویٰ کے بھرپور استعمال کے باوجود جناب آدمؑ کو نہ بہکا سکا اور بالآخر حواؑ کو اپنے دام فریب میں پھنسا کر انؑ کے ذریعے سے آدمؑ کو فریب دیا۔

روایت میں آیا ہے کہ شیطان نے جناب یحییٰؑ سے کہا: "جب کبھی بھی میں کسی کو اپنے دام میں لانے سے عاجز ہو جاتا ہوں تو اپنی مقصد براری کیلئے کسی عورت کا دامن پکڑتا ہوں۔"

جی ہاں۔ عورت کی مدد سے وہ اپنے مقصد کی طرف بڑھتا ہے اور اس کی برکت سے اپنی مراد کو پہنچتا ہے ——

"ولقد صدق علیھم ابلیس ظنہ"

(یقیناً ابلیس نے ان کے بارے میں اپنے گمان کو سچ کر دکھایا)

عورت کی ہمنشینی — گناہ کا مقدمہ

یہی وجہ ہے کہ روایات اہل بیتؑ میں وارد ہوا ہے کہ عورت کی زیادہ ہمنشینی انسان کو سخت دل بنا دیتی ہے۔

اس کا یہ مطلب نہیں کہ عورت سے کنارہ کش ہو جانا چاہئے بلکہ احتیاط ضروری ہے کیونکہ اس کی قربت شیطان کے داموں میں سے ایک دام ہے۔ چنانچہ آپ دیکھتے ہیں کہ اس کا ایک حرف آپ کی فکر کی راہیں بدل دیتا ہے آپ کو جذباتی کر دیتا ہے اور بہت سے گناہوں کی وجہ بن جاتا ہے۔

اور بہت ہی افسوس کا مقام ہے اگر عورت بیگانہ و نامحرم ہو اور اس پر مستزاد اگر وہ آپ کے ساتھ اکیلی ہو تو پھر تو دام شیطان بڑا ہی سخت اور خطرناک ہے۔

بیگانہ یا اجنبی عورت سے مصافحہ یا اس کے ہاتھ کو اپنے ہاتھ میں لینا حرام ہے۔ ان غیر متقی حیوانوں کو ذرا دیکھو کس قدر شیطان کے دام میں پھنسے ہوئے ہیں۔ ان کو معلوم نہیں کہ عورت کے بدن کا مرد کے بدن سے چھو جانا بھی شیطان کا ایک دام ہے۔

برصیصائے عابد کا واقعہ

ایک عابد گوشہ نشین جس کا نام برصیصا تھا ہمیشہ عبادت الٰہی میں مصروف رہتا تھا لوگ اس کو "مستجاب الدعوۃ" کہتے تھے کہ اس کی دعا ہمیشہ بارگاہ خداوندی میں شرف قبولیت پاتی تھی۔

بادشاہِ وقت کی بیٹی کسی سخت مرض میں مبتلا ہو گئی اور کوئی علاج بھی اس پر کارگر ثابت نہ ہوا۔ آخر کار اس کے علاج اور شفایابی کو برصیصائے عابد کی دعا پر منحصر سمجھا گیا۔ لیکن وہ اپنی عبادت کی خلوت کو چھوڑ کر شہر یا قصر شاہی میں جانے پر راضی نہ ہوا۔ آخر کار وہ لوگ مجبور ہو کر بیمار شہزادی کو برصیصا کی عبادت گاہ میں لائے تاکہ اس کی دعا سے وہ صحتیاب ہو جائے اور اُسے اس کے پاس چھوڑ کر چلے گئے۔

یہ بدبخت عابد اگر واقعی صاحب تقویٰ ہوتا تو فریاد کرتا، شور مچاتا کہ "اجنبی لڑکی کو میرے عبادت خانے میں چھوڑنا جائز نہیں اسے لے جاؤ میں اس کیلئے دعا کروں گا وہ صحتیاب ہو جائے گی......!" اس مقام پر اس نے احتیاط نہ کی۔ تقویٰ کا تقاضا یہ تھا کہ بیگانہ لڑکی کے ساتھ خلوت میں نہ رہے۔ لیکن اس نے اس حقیقت کو اہمیت نہ دی اور شیطان کے دام میں پھنس گیا....

اس نے لڑکی کی طرف دیکھا پھر دیکھا۔ اس کے حسن بیمار نے اس کی تمام تر توجہ کو اپنی طرف مرکوز کر لیا۔ وہ ساری عمر ایسی صورت حال سے دوچار نہ ہوا تھا۔ یہاں ذہنی اور جذباتی دلالی شیطان جیسا جغادری فریب کار کر رہا تھا۔ اتنے سالوں کی عبادت اس

عابد کی شہوت کو قابو میں نہ رکھ سکی اور بالآخر اس نے منہ کالا کر ہی لیا اور فعل حرام کا مرتکب ہوگیا۔

لیکن شیطان نے اس پر اکتفا نہ کی اور اس کے دل میں وسوسہ ڈالا کہ ظالم تو نے خود کو رسوا کر ڈالا۔ کل جب لوگوں کو پتہ چلے گا کہ تو نے بادشاہ کی بیٹی سے زنا کیا ہے تو تجھے زندہ نہیں چھوڑیں گے۔ اگر تو موت سے بچنا چاہتا ہے تو اس لڑکی کو قتل کر کے زمین میں دفن کر دے اور جب تجھ سے پوچھیں کہ لڑکی کہاں ہے تو کہنا کہ مجھے کیا خبر کہاں چلی گئی۔

قصہ مختصر کہ اسے اتنا وسوسہ زدہ کیا کہ اس نے لڑکی کو سوتے میں گلا گھونٹ کر ہلاک کر دیا پھر اس کو ایک گڑھے میں دفن کر دیا اور اس پر مٹی و پتھر ڈال کر اسے ڈھک دیا۔

یہ ملعون دشمن ایک ہی دام پر اکتفا نہیں کرتا اور تاوقتیکہ خود اپنے مقام پر نہ پہنچا لے، دم نہیں لیتا۔ تاکہ ایمان و انسانیت کی اگر ذرہ بھر بھی کوئی رمق اس میں باقی رہ گئی ہے تو اس سے بھی اسے محروم کر دے۔

دوسرے دن جب بادشاہ کے لوگ برصیصا کے پاس لڑکی کی خبر کو آئے تو اس نے تجاہل کیا اور کہا، "میں نے دعا کی اور وہ ٹھیک ہوگئی، اس کے بعد کا مجھے کوئی علم نہیں۔

روایت ہے کہ ابلیس لڑکی کو تلاش کرنے والوں میں سے ایک کے سامنے انسان کی شکل میں ظاہر ہوا اور اس سے کہنے لگا: "میں جانتا ہوں کہ لڑکی کہاں ہے"۔ پھر ان سب کو اس کے مقام دفن پر لے گیا اور ان کو قبر کی جگہ دکھائی۔

لوگوں نے برصیصا کا عبادت خانہ ڈھا ڈالا اور اس کو گھسیٹ کر بادشاہ کے پاس لے گئے۔ سب اس کی شکل پر تھوکتے تھے۔

دیکھا آپ نے یک لحظہ ہوس رانی۔ یک عمر پشیمانی ایک لمحہ کی لذت نفس اور اس کے بعد مفاسد کا طوفان!

غرضیکہ بادشاہ نے اس کے قتل کا حکم صادر کیا اور اسے پھانسی دے دی گئی۔

پرانے زمانے کی پھانسی آج جیسی نہیں ہوتی تھی کہ فوراً گلا گھونٹ کے مار دیا۔ بلکہ وہ کافی دیر لٹکا رہا اور تڑپ تڑپ کے ہلاک ہوا بدبخت برصیصا کے پاس تختہ دار پر کوئی فریاد نہیں تھی۔ جس وقت انتہائی فشار کے عالم میں اس کی جان نکلنے لگی تو شیطان اس کے سامنے نمودار ہوا اور کہنے لگا اگر اس وقت تو مجھے سجدہ کرے تو تجھے بچا لوں۔ جان بچانے کی خواہش میں وہ اس پر بھی راضی ہوگیا۔ اس طرح شیطان نے دمِ آخر اس کو ایمان سے بھی محروم کر دیا تاکہ اسفل السافلین میں اُسے اپنا ہمنشین بنائے۔

مجلس ۹

بِسمِ اللہِ الرَّحمٰنِ الرَّحیم ۔ اِنَّ الَّذِینَ اتَّقَوا اِذَا مَسَّھُم طٰٓئِفٌ مِّنَ الشَّیطٰنِ تَذَکَّرُوا فَاِذَا ھُم مُّبصِرُونَ (الاعراف: ۲۰۱)

استعاذہ صرف تقویٰ کے ساتھ مفید ہے

رات کی بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ استعاذہ کا رکن اوّل تقویٰ ہے۔ اگر تقویٰ موجود ہو تو استعاذہ کی حالت و کیفیت اور شر ابلیس سے اللہ تعالیٰ کے حضور پناہ طلبی اور جملہ "اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم" کی زبان سے ادائیگی نتیجہ خیز ہیں ورنہ آپ ہزار بار اعوذ باللہ کہیں اس سے کوئی فائدہ نہ ہوگا۔

آج رات ایک اور مطلب جو اس آیہ شریفہ سے مستفاد ہوتا ہے، عرض کرتا ہوں۔

بے تقویٰ دل شیطان کا گھر

جو دل تقویٰ سے بے نصیب ہے یقین جانیے کہ وہ شیطان کا ڈیرا ہے۔ ایسے دل سے شیطان آسانی سے رخصت نہیں ہوتا۔

بے تقویٰ دل وہ دل ہے جس میں یاد خدا نہیں ہے۔ بلکہ وہ دنیوی شہوات، نفسانی خواہشات، عارضی امیدوں، ہوا و ہوس، حرص و آز، خود پسندی، خودنگری اور شیطانی وسوسوں کی آماجگاہ ہے۔ اور دنیا کی چند روزہ زینت و آرائش کی بے مصرف آرزوگاہ ہے۔ ایسا دل شیطان کی اقامت گاہ اور اس کی اخلاق سوز سرگرمیوں کا مرکز ہے اور جب تک ان امراض سے یہ شفایاب نہ ہو اور شیطانی اہداف و مقاصد کی تحقیق میں تعاون سے دست بردار نہ ہو، ناممکن ہے کہ اس میں حقیقتِ استعاذہ پیدا ہو۔

مرغن غذا اور بھوکا کُتا

آپ نے تجربہ کیا ہوگا کہ اگر کوئی بھوکا کتا در انحالیکہ آپ کے پاس روٹی اور گوشت ہو، آپ کی طرف رخ کرے تو کیا وہ صرف آپ کے دھتکارنے اور "چخ" کہنے سے آپ کا پیچھا چھوڑ دے گا۔ اگر آپ اس کو دفع کرنے کی غرض سے ڈنڈا بھی اٹھائیں گے تو کوئی فائدہ نہ ہوگا۔ اگر وہ بھوکا ہے اور آپ کے پاس موجود خوراک پر اس کی نظر ہے تو اُسے ڈنڈا بھی مار لیجئے وہ دور نہیں ہوگا اور حصول غذا کے ارادے سے دست بردار نہیں ہوگا۔

لیکن جب آپ کے پاس کچھ ہوگا ہی نہیں تو اگر کتا آپ کی رُخ کریگا تو آپ کے صرف "بخ" کہنے سے دفع ہوجائے گا
یونکہ اس کی تیز قوت شامہ اُسے بتادے گی کہ آپ کا پیچھا کرنے کی زحمت سے کوئی فائدہ نہیں۔

یمار دل شیطان کی ضیافت گاہ

آپ کا دل شیطان کی نظر میں ہے۔ اگر وہ دیکھتا ہے کہ اس میں اس کی خوراک موجود ہے یعنی اس میں حُبِ جاہ و مال و زر و زیور اور شہرت دنیوی کی آرزو
موجود ہے تو سمجھ لیجئے یہ اس کا پسندیدہ اقامت خانہ ہے۔ جب وہ دیکھتا ہے اس میں ایسی حرص موجود ہے کہ سب کچھ پالینے
کے باوجود کم نہیں ہوتی، اس میں ایسا بُخل موجود ہے جو ہاتھ سے کچھ نہ دینے کے باوجود قائم رہتا ہے اور بغض و حسد بھی اس میں
فراواں مقدار میں موجود ہے تو بہت خوش ہوتا ہے کہ واہ واکیا خوب مزیدار جگہ ہے کہ ہر من بھاتی چیز یہاں موجود ہے۔ چنانچہ
وہیں براجمان ہوجاتا ہے۔ آپ لاکھ اعوذ باللہ من الشّیطان الرّجیم کا ورد کریں۔ اس معمولی سی "بخ" کا اس پر قطعاً کوئی اثر نہیں ہوگا۔
یہ دشمن بڑا ضدی ہے۔ "ان الشیطان لکم عدوٌ۔ انہٗ لکم عدوٌ مبین" (یہ آپ کا کھلا دشمن ہے)۔ اس سے نجات پانے کی صرف
ایک ہی صورت ہے کہ اس کی خوراک اور اس کی سب من بھاتی چیزیں وہاں سے نکال دیں پھر یہ ایک ہی "اعوذ باللہ" سے بھاگ
جائے گا۔ ایک ہی استعاذہ اس سے آپ جان چھڑا دے گا کیونکہ جس دل میں حبِ جاہ و مال و منال دنیا نہیں ہے اس ملعونِ
ازلی کو وہاں سے کیا مل سکتا ہے۔

اکثریت گرفتار ہے

روایت ہے کہ ایک دفعہ جب شیطان جناب یحییٰؑ کے سامنے نمودار ہوا تو آپ نے بنی آدم کے ساتھ اس کے سلوک کے بارے میں سوال کیا۔ اس نے جواب میں بتایا کہ انسان تین گروہوں میں منقسم ہیں۔
پہلا گروہ تو ان برگزیدگان ایزدی کا ہے جن پر ہماری کوئی دسترس نہیں۔ وہ گروہ انبیاء و معصومینؑ کا ہے۔
دوسرا گروہ ان انسانوں کا ہے کہ ہم پوری قوت اور عزم و ارادے سے اور بڑی زحمت اٹھا کر ان کو منحرف تو کرلیتے ہیں
لیکن وہ توبہ و استغفار سے ہماری سب محنتوں پر پانی پھیر دیتے ہیں اور اللہ تعالےٰ کے حضور تلافی مافات کرلیتے ہیں۔ اور
پھر سرخرو ہوجاتے ہیں۔
تیسرے گروہ میں وہ لوگ ہیں کہ جن کے دلوں میں ہمارا بسیرا ہے اور یہ تعداد میں بہت زیادہ ہیں ——
تو اے اہل ایمان ایسے اعمال بجالاؤ کہ شیطان تمہارے دلوں میں راہ نہ پا سکے۔ ورنہ صرف زبانی طور پر استعاذے

کا کوئی فائدہ نہیں۔

چور نقب کی فکر میں

شیطان کو دل میں جاگزین ہونے سے باز رکھنے کیلئے سب سے پہلے تقویٰ کی ضرورت ہے یعنی ہر اس چیز سے جو اللہ تعالےٰ کی رضا کے خلاف ہے۔ از قسم ہوا و ہوس، رذیلِ اخلاق، کمینہ خصائل
اور ایسی تمام صفات قبیحہ جو انسان کو حرام کاری اور حرام خوری پر اکساتی ہیں —— دل پاک و صاف ہو۔
جب دل ان رذائل سے پاک ہوگیا تو پھر اس میں تقویٰ ہوگا۔ اور خوف خدا اور خوف روزِ آخرت اس میں ہوگا۔ تو پھر شیطان
کچھ نہیں کرسکتا۔ لیکن اس کی یہ انتہائی خواہش و کوشش ہوتی ہے کہ کسی طرف سے کسی طرح سے اس دل میں راہ پالے لیکن اسے راہ نہیں ملتی
۔ یہ ایسے چور کی طرح ہے جو کسی قلعے میں داخل ہونے کیلئے اس کی مضبوط فصیل میں پاؤں رکھنے کی جگہ یا کسی سوراخ کی تلاش میں
سرگرداں ہو۔ لیکن جب وہ دیکھتا ہے کہ قلعے کے محافظ بیدار اور خبردار ہیں تو باہر ہی سے کھسک جاتا ہے۔

ابلیس خانہ دل کے گرد

"انّ الّذین اتّقوا" ۔ یہ ان لوگوں کا ذکر ہے جن کے دل ہر گناہ سے پاک ہیں۔ اور دل پاک ہو تو سب اعضاء و جوارح کی اصلاح ہوجاتی ہے اور ان سے کوئی شر یا بدی
سرزد نہیں ہوتی چنانچہ ان کی زبان۔ آنکھ۔ کان۔ ہاتھ اور پیر سب گناہ سے پاک ہوجاتے ہیں۔
"اِذا مسّہم طائفٌ" —— طائف یعنی طواف کرنے والا۔ چکر لگانے والا۔ یہاں مراد خانۂ دل کے گرد نقب زنی
کیلئے سوراخ وغیرہ کی تلاش میں گھومنے والے شیطانوں کا کوئی فرد ہے۔
• "من الشّیطان" — گروہ ابلیس سے یہ ان چوروں کا ذکر ہے جو خانۂ دل کے گرد نقب زنی کیلئے سوراخ کی تلاش میں
سرگرداں رہتے ہیں۔ لیکن یک بارگی۔
• "تذکروا" —— خانۂ دل کا مالک مومن یادِ خدا میں مشغول ہوجاتا ہے اور کہتا ہے: "یا اللہ۔ استغفر اللہ ——
اعوذ باللہ من الشّیطان الرّجیم —— ! پروردگار شرِ ابلیس سے مجھے پناہ عطا فرما!"
چنانچہ
• "فاذاھم مبصرون" —— فوراً ان کی آنکھیں نورِ بصیرت سے روشن ہوجاتی ہیں اور وہ چور سے خبردار ہوجاتے ہیں۔
یہاں میری غرض "طائف من الشّیطان" کے الفاظ سے ہے یعنی مومن کے دل کے گرد اس میں وسوسہ اندازی کے

ارادے سے چکر لگانے والا شیطانی گروہ کا فرد۔۔۔

یاد رکھئے اگر دل میں اللہ تعالٰی کا تقویٰ ہو تو وہ پاک و پُر اخلاص ہوتا ہے۔ اور تقویٰ کا چراغ اپنی تیز روشنی کے جھماکوں سے چور کو رُسوا کر دیتا ہے اور وہ وہاں سے فرار کر جاتا ہے۔ افسوس ہے اس دل پر جس میں تقویٰ نہ ہو بلکہ اس کی بجائے حبّ دنیا ہو جس کی وجہ سے وہ شیطان کے چنگل سے کبھی رہائی نہ پا سکے اور آخر کار اس کے ہاتھوں ہلاک ہو جائے۔

خودکشی کیوں کی؟!

خوفِ خدا سے محروم حریص تاجر نے اپنا تیس ہزار روپے کا مال ایک لاکھ میں بیچ دیا اور بڑا خوش تھا کہ بہت نفع کمایا لیکن جب تیسرے ہی روز وہی مال تین لاکھ روپے میں فروخت ہوا تو وہ دکھ سے بے حال ہو گیا کہ کیوں جلدی کر کے دو لاکھ روپے کے نفع سے بے نصیب رہا۔ اپنے ساتھی تاجروں کے حسد میں انگاروں پر لوٹ گیا اور آہ و زاری میں مبتلا رہا۔ نہ دن کو چین نہ رات کو نیند۔ نہ کھانا۔ نہ پینا۔ یہی حسرت اس کی جان کا روگ بنگئی کہ دو لاکھ روپے کھو دئے آخر کار چونا اور گندھک پھانک کر زندگی کے عذاب سے رہا ہوا اور شیطانی گروہ میں جا ملا۔۔۔ اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ اس کا دل مال دنیا کی محبت میں مبتلا تھا اور وہ ہزار جان سے اس پر فدا تھا۔۔۔ حبّ دنیا اس کے قلب و رُوح پر ایسا سوار تھا کہ اس کیلئے اُسے اپنی جان سے ہاتھ دھونا پڑا۔

استعاذہ کیوں کارگر نہیں؟

ہم سب کو خوابِ غفلت سے بیدار ہونا چاہئے کیونکہ حُبّ الدّنیا، راسُ کُلِّ خطیئۃٌ۔۔۔ (ہر گناہ کی جڑ حُبِّ دنیا ہے)۔

آپ اپنے دل کو ہر آلودگی سے پاک رکھیں کیونکہ اگر صرف زبان کی حرکت ہی کافی ہوتی تو کیا آپ ہر نماز کی ابتدا، اعوذ باللّٰہ من الشّیطان الرّجیم سے نہیں کرتے۔۔۔؟

آخر وجہ کیا ہے کہ نماز کے دوران آپ کے حواس سوائے نماز کے ہر جگہ موجود ہوتے ہیں حالانکہ دوران نماز آپ کی زبان پر بہر حال ذکر خدا جاری ہوتا ہے۔ اس کا صاف صاف مطلب یہی ہے کہ تنہا زبان کسی کام کی نہیں۔

ایک شخص کا بٹوا کھو گیا، وہ صبح سے شام تک اس کی تلاش میں سرگرداں رہا۔ مغرب کے وقت نماز کے دوران اسے یاد آیا کہ بٹوا اس نے فلاں جگہ رکھا تھا چنانچہ سلام کے فوراً بعد اس نے نوکر کو بلا کر اس جگہ سے بٹوا لانے کا حکم دیا۔ غلام نے عرض کیا "حضور آپ نماز پڑھ رہے تھے یا بٹوا ڈھونڈ رہے تھے۔

یاد رکھئے کہ دل میں نور کی آمد کو روکنے والی چار چیزیں ہیں۔

جب تک ہم ان سے نہیں بچیں گے دل پر تاریکی کا غلبہ رہے گا۔ سب سے پہلی چیز جس کا دور کرنا لازمی ہے، نجاستِ بدنی ہے۔ دوسری خدا کی نافرمانی، تیسری شر اور وسوسہ شیطانی اور چوتھی چیز جس سے احتراز ضروری ہے، اخلاق رذیلہ ہیں جو انسان کو حیوان جیسا بنا دیتے ہیں اور جب تک دل اخلاق رذیلہ میں گرفتار رہے گا۔ استعاذہ کی حقیقت سے بے بہرہ رہے گا۔

ایسا انسان موت کے وقت بھی شیطان ہی کے تصرف میں اور اللہ تعالٰی سے دور ہوتا ہے۔ حدیث شریف میں آیا ہے: "یحشر النّاس علی نیّاتھم" (انسان اپنی نیتوں پر محشور ہوں گے) کیونکہ اللہ تعالٰی ظاہر کو نہیں دیکھتا بلکہ باطن اور نیت کو دیکھتا ہے چنانچہ ارشاد فرمایا گیا ہے: اِنّ اللّٰہ ینظر الیٰ قلوبکم لا الیٰ صورکم (اللہ تعالٰی تمہارے دلوں کو دیکھتا ہے، تمہارے چہروں کو نہیں دیکھتا)۔

موت کی یاد حقیقت نما ہے۔

نہج البلاغہ میں جناب امیر المومنین علیہ السلام کے بہت کم خطبے ایسے ہیں جن میں اس حقیقت کی طرف اشارہ موجود نہیں۔ آپ کا ارشاد ہے: "موت کو مت بھولو کیونکہ یہ قلب و روح کے امراض کا سب سے بڑا علاج ہے۔ جو شخص اس حقیقت کو ہمیشہ نظر میں رکھتا ہے یوں سمجھو کہ اپنی ہدایت و اصلاح کا دروازہ اس نے کھول لیا ہے۔

دن کے کام کاج کے بعد جب شام کو گھر جاؤ تو یہ یاد رکھو کہ عین ممکن ہے کہ صبح تمہارا جنازہ اس گھر سے برآمد ہو اور صبح کے وقت جب رزق کی تلاش میں گھر سے نکلو تو اس امکان کو نظر انداز نہ کرو کہ گھر میں واپسی نصیب نہ ہوگی۔

اگر انسان اس اندازِ فکر کو خود میں راسخ کرلے تو رفتہ رفتہ حسد۔ بخل۔ حرص۔ نفاق۔ کینہ۔ وساوس شیطانی۔ غفلت وغیرہ جیسی بے وقعت اور فضول چیزوں سے نجات پا لیتا ہے۔

مجھے جب معلوم ہی نہیں کہ کل تک میں زندہ بھی رہوں گا یا نہیں تو پھر میں حرص کیوں کروں اور خواہ مخواہ اپنی بے اعتدالیوں سے دوسروں کو ناراض کیوں کروں۔

شہد کے گرد مکھیاں

ایک دوسری مثال ملاحظہ فرمایئے: آپ نے بارہا دیکھا ہے کہ کیڑے مکوڑے اور مکھیاں کس طرح مٹھاس اور چکنائی کے گرد موجود رہتے ہیں۔ کتنا ہی آپ پنکھوں سے انہیں اڑائیں اور دور کریں

وہ دور نہیں ہوں گے۔ انہیں دفع کرنے کے لئے آپ کو چاہئے کہ شیرینی اور چربی وغیرہ کو اٹھالیں تاکہ یہ حشرات مایوس ہوکر خود بخود وہاں سے چلے جائیں یا پھر آپ کے ہلکے سے اشارے سے وہ جگہ چھوڑ دیں۔

اے مومن۔ اپنے دل کو جملہ کثافتوں سے پاک کرتا کہ شیاطین ترے ایک ہی استعاذے سے اس سے دور ہو جائیں۔

سید سجاد جناب امام زین العابدینؑ۔ دعائے حزین میں جسے آپ نمازِ شب کے بعد قرأت فرماتے (حاشیہ مفاتیح الجنان ۷۷۲) اللہ تعالےٰ کے حضور یوں عرض گذار ہیں: "فیا غوثاہ ثم واغوثاہ یا اللہ من ہوی قد غلبنی ومن عدو قد استکلب علیّ"۔ (پروردگار۔ میری مدد فرما، شیطان میرے دل پر حملہ آور ہے) ۔جب مومن کے دل میں شیطان کی خوراک بننے والی کوئی چیز ہے ہی نہیں تو اگر وہ اہل ذکر ہے تو اللہ تعالےٰ اس کو ایک ہی استعاذے سے شیطان لعین کو دفع فرمادے گا۔

شیطان توبہ میں بڑی رکاوٹ ہے

روایت ہے کہ جب آیہ: والّذین اذا فعلوا فاحشۃ او ظلموا انفسہم ذکروا اللہ فاستغفروا الذنوبہم ..." (گناہ کا ارتکاب کرکے بعد میں توبہ کرنے والوں کو اللہ تعالےٰ معاف فرمادیتا ہے) نازل ہوئی تو شیطان چیخا۔ اس کے چیلے اس کے گرد اکٹھے ہوگئے اور پوچھنے لگے: "کیا ہوا۔ کیوں چیخ رہے ہو؟" تو اس ملعون ازلی نے جواب دیا:۔

"کیونکر نہ چیخوں ہم اتنی زحمت اور کوشش سے انسان سے گناہ کرواتے ہیں اور وہ توبہ کرکے ہماری تمام محنتوں پر پانی پھیر دیتا ہے۔"

ہر شیطان نے اس بارے میں اپنی اپنی رائے دی لیکن کوئی بھی رائے تسلی بخش ثابت نہ ہوئی۔ خناس نے کہا: اس کا صرف ایک راستہ ہے کہ انسان کو درِ توبہ تک نہ پہنچنے دیں اور اسے اس کی توفیق سے محروم رکھیں۔"

ابلیس بولا:۔ "ٹھیک ہے تیری رائے بالکل صحیح ہے۔ یقیناً اس کا اگر کوئی علاج ہے تو صرف یہی ہے ـــ"

امام سجاد علیہ السلام کا اسوہ

آپؑ اللہ تعالےٰ کے حضور یوں فریاد کرتے ہیں: "ومن عدو قد استکلب علیّ"۔ خداوندا مجھے اِس دشمن سے اپنی پناہ میں رکھنا جو میری ہلاکت کے درپے ہے ـــ "یا عونَ کلِ ضعیف" ـــ اے ہر درماندہ و بے چارہ کے مددگار! میں بے چارہ اور بے بس ہوں۔ میری مدد فرما۔ ایک طرف سے یہ کُتا مجھ پر حملہ آور ہے اور دوسری طرف سے دنیا اپنی تمام تر آرائشوں، نیرنگیوں اور فریب کاریوں سے رجھا رہی ہے جبکہ میرے

قلب و باطن پر ہوئی و ہوس کا غلبہ ہے۔" واغوثاہ من ھوی قد غلبنی" ـــ میں تجھ سے اس کے خلاف مدد کا طالب ہوں۔

زمانِ غیبت میں دعائے غریق

جناب امام جعفر صادقؑ جب حضرت قائم آل محمدؑ کے زمانۂ غیبت کی خبر دیتے ہوئے فرماتے ہیں: "اس پُرفتنہ زمانے کے مفاسد اتنے شدید اور عام ہوں گے کہ حالتِ ایمان میں مرنے والے پر فرشتے تعجب کریں گے۔"

راوی نے عرض کیا کہ اس عہدِ پُرفتن کے لوگوں کو کیا کرنا چاہئے؟ تو آپؑ نے فرمایا: "انہیں چاہئے کہ "دعائے غریق" پڑھا کریں: "یا اللہ یا رحمٰن یا رحیم یا مقلب القلوب ثبّت قلبی علی دینک"۔ (اے رحمان و رحیم اے دلوں کو ہدایت دینے والے میرے دل کو اپنے دین پر قائم رکھ)۔

انسان کو چاہئے کہ خود کو واقعی بے بس اور بے چارہ سمجھے بالخصوص اس عہد میں جبکہ شیاطین دندناتے پھر رہے ہیں۔ کوئی دل ان کا شکار ہونے سے بچا ہوا نہیں پروردگار۔ تو ہمارے دلوں کو شرِ شیاطین سے اپنے حفظ و امان میں رکھ۔
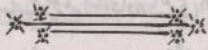
مجلس ۱۰

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ۔ انّ الّذین اتقوا اذا مسّھم طائف من الشّیطان تذکّروا فاذا ھم مبصرون
(اعراف۔ ۲۰۱)

شب گذشتہ کے معروضات سے یہ ثابت ہو گیا کہ استعاذہ کا رکنِ اعظم تقویٰ ہے اور اگر کوئی شخص شیطان کی مخالفت اور رحمان کی مطابعت کی توفیق سے محروم ہے تو وہ دامِ شیطان میں گرفتار ہے اور اس کا استعاذہ بے معنی ہے۔

استعاذہ کیوں؟

یہاں یہ پوچھا جا سکتا ہے کہ تقویٰ کی موجودگی میں استعاذہ کی کیا ضرورت ہے۔ اگر ایک شخص گناہ ہی نہیں کرتا اور اس سے کوئی خطا سرزد ہی نہیں ہوتی تو پھر شرِ شیطان سے اللہ تعالےٰ کی پناہ طلب کرنے کی کیا ضرورت ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ یہ سوال ہی الٹا ہے کیونکہ استعاذہ ہے ہی اہل تقویٰ کے لئے۔ جو شخص اہل تقویٰ ہوگا ہمیشہ اللہ تعالےٰ کی بارگاہ سے پناہ کا طالب رہے گا کہ مبادا شیطان اس کے دل وضمیر پر غلبہ پالے کیونکہ اگر شیطان اس کے دل میں موجود ہے تو اس کے تمام افعال وحرکات اس کی انگیخت سے عمل میں آئیں گے۔

اور وہ شخص جس کے دل پر شیطان کا تصرف نہیں اور جو اللہ تعالےٰ سے لو لگائے ہوئے ہے۔ اس پر لازم ہے کہ شیاطین کے وسوسوں سے اللہ تعالےٰ کی پناہ طلب کرے کیونکہ ان کی دست برد سے کوئی شخص محفوظ نہیں اور وہ ہر وقت گھات میں رہتے ہیں کہ موقع ملے اور دل پر حملہ آور ہو کر اس پر قبضہ جمالیں۔ مومن کو محتاط رہنا چاہئے کہ مبادا وہ اچانک اس کے دل پر قابو پالیں۔ اگر وہ ایک لحظہ کیلئے بھی غافل ہوا تو عین ممکن ہے کہ یہ موذی اور طاقتور دشمن اسی لحظہ میں اس کے دل پر قابض ہو جائے۔

کارہائے خیر رہنمائے شر

شیطان کی پوری کوشش یہ ہوتی ہے کہ کسی طرح مومن کے دل میں راہ پالے۔ روایت میں آیا ہے کہ مومن متقی ننانوے بار شیطان کو زک دیکر خیر کی توفیق سے ہمکنار ہو کر سوویں بار بھی اس کے شر میں مبتلا ہو سکتا ہے اور عین ممکن ہے کہ ان ننانوے کارہائے خیر کی انگیخت بھی اسی کی ہو۔ اور اسی نے اس کے سامنے

ان کی راہ کھولی ہو تاکہ سوویں بار اسے کسی ہلاکت خیز شر میں مبتلا کر کے اس کا کیا کرایا خاک میں ملا دے۔ دراصل خیر اور شر میں فاصلہ اتنا تھوڑا ہے کہ بے بصیرت انسان کو وہ نظر ہی نہیں آتا۔ اسی لئے امام علیہ السلام اللہ تعالےٰ کے حضور اپنی دعا میں عرض کرتے ہیں: "ھب لی بصیرۃ فی دینی" (پروردگار مجھے دین میں بصیرت عطا فرما) تاکہ کارِ خیر کی انجام دہی کے دوران شیطان مجھے وسوسہ میں مبتلا کر کے شر میں نہ دھکیل دے۔

شر براہِ خیر

کسی کے عزیزوں کے ہاں کوئی محفل برپا ہے شیطان اسے ترغیب دیتا ہے کہ صلہ رحم ایک کارِ خیر ہے تمہیں جانا چاہئے کہ وہاں ضرور پہنچو لیکن جب وہ شخص وہاں پہنچتا ہے تو دیکھتا ہے کہ زن و مرد یکجا ہیں محفل رقص و سرور جمی ہے شراب کا دور چل رہا ہے...... اس کا ذہن اس صورتِ حال کو پسند نہیں کرتا۔ اس کی عقل کہتی ہے "یہاں سے فوراً اٹھ چل ایسی محفلوں میں شرکت حرام ہے"۔ لیکن شیطان کہتا ہے: "ان کی رونق خراب ہوگی، وہ ناراض ہوں گے اور تمہارا یہ اقدام قطع رحم کے مترادف ہوگا..."

خیر کی راہ سے وہ انسان کو شر کی منزل کی طرف لے جاتا ہے اور آخرکار اسے گناہ کی دلدل میں پھنسا دیتا ہے۔

ترکِ واجب کیلئے مستحبات کی ترغیب

بعض اوقات شیطان انسان کو مستحب عمل پر اکساتا ہے تاکہ اسے فعل واجب سے باز رکھے۔ مثلاً وہ اس کے دل میں ڈالتا ہے کہ زیارت حضرت امام رضاؑ بڑے ثواب کا کام ہے اور اتنے اصرار کے ساتھ اس مستحب عمل پر اسے اکساتا ہے کہ وہ ماں باپ یا بال بچوں کے نفقہ کی جو اس پر واجب ہے، پرواہ کرتے ہوئے زیارت شریف کو چلا جاتا ہے۔

یا ایسے فعل واجب پر وہ آپ کو اکسائے گا کہ اہم تر واجب آپ سے فوت ہو جائے۔

عبادت سے نفرت کی اکساہٹ

بعض اوقات وہ انسان کو کسی مستحب عمل پر اس انداز سے اکساتا ہے کہ اس کے دل میں واجبات سے نفرت پیدا ہو جاتی ہے۔ مثلاً وہ اس کے دل میں ڈالتا ہے کہ کربلائے معلی کی زیارت کو جا تیرے سارے گناہ معاف ہو جائیں گے اور جان و مال کی خیر و برکت اور سعادت دنیا و آخرت تجھے حاصل ہوگی اور اگر غیر قانونی طور پر جائے تو ثواب دوگنا ملے بس اب دیر نہ کر جناب ابی عبداللہ الحسین ؑ کی زیارت کو سدھار۔

وہ وہاں پہنچ کر جب قانون کی گرفت میں آ کر قید خانہ میں چلا جاتا ہے تو پچھتاتا ہے کہ کاش میرے پاؤں ہی ٹوٹ جاتے اور میں یہاں نہ آتا۔

دیکھا آپ نے ملعون ازلی نے پہلے تو اس کو فعل مستحب پر اکسایا اور پھر اسے اس عظیم عبادت سے متنفر کر دیا۔

پروردگار دین میں بصیرت عطا فرما

استعاذہ سے اہل تقویٰ کو کوئی چارہ نہیں۔ وہ شیطان کے تصرفات سے ہمیشہ ترساں رہتے ہیں کیونکہ وہ انہیں عبادت الٰہی سے منحرف کرتا ہے۔ اللہ تعالےٰ سے دعا ہے کہ وہ ہمیں سمجھنے کی توفیق عطا فرمائے کہ جو بظاہر فعل خیر ہم انجام دے رہے ہیں، حقیقت میں شیطانی ہے یا رحمانی۔ کیونکہ عام طور پر دیکھنے میں آیا ہے کہ ایک کام بظاہر بہت اچھا ہوتا ہے لیکن حقیقت میں وہ برا ہوتا ہے۔

عبادت کے ذریعے شیطان کی فریب دہی کے امکان کی وضاحت کیلئے ایک روایت پیش کرتا ہوں۔

شیطان کا فضا میں قیامِ نماز

بحار الانوار میں اصول کافی سے جناب امام جعفر صادقؑ سے روایت نقل کی گئی ہے کہ زمانہ سلف میں ایک شخص ہر وقت اللہ تعالےٰ کی عبادت میں مصروف رہتا تھا اور اس کے انہماک کا یہ عالم تھا کہ شیطان اپنی تمام تر کوششوں کے باوجود اس کی توجہ میں خلل ڈالنے سے عاجز رہا۔ ناکامی سے زچ ہو کر اس نے اپنے چیلوں کو اپنے گرد اکٹھا کیا اور کہنے لگا:

"میں اپنی انتہائی کوششوں کے باوجود اس عابد کو ورغلانے میں ناکام رہا ہوں۔ کیا تم میں سے کسی کے پاس اس کی شکست کی کوئی سبیل ہے؟" ایک کہنے لگا:

"میں وسوسہ اندازی سے اس میں زنا کی خواہش پیدا کروں گا۔"

شیطان نے جواب دیا:

"اس کا کوئی فائدہ نہیں کیونکہ عورت کی خواہش اس میں ختم ہو چکی ہے۔"

دوسرا بولا:

"اس کو لذیذ کھانوں کے ذریعے فریب دونگا کہ حرام خوری اور شراب نوشی سے ہلاک ہو۔"

اس نے کہا: "اس کا بھی کوئی فائدہ نہیں کیونکہ اتنے سالوں کی عبادت کے بعد کھانے کی خواہش بھی اسکے دل سے رخصت ہو چکی ہے۔"

تیسرے نے کہا: "عبادت ہی کی راہ سے کہ جس کا وہ راہی ہے میں اس کو فریب دے سکتا ہوں۔"

شیطان نے جواب دیا: "ہاں اگر تقدس کی راہ سے کچھ کرے تو کامیابی ممکن ہے۔"

بہر حال اس شوریٰ کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہی شیطان اس کام پر مامور ہوا (اکثر عبادت گذاروں کے بارے میں یہ مثال صادق آتی ہے)۔ اس نے انسان کی شکل اختیار کی اور اس عبادت گذار کے سامنے زمین و آسمان کے درمیان فضا میں مصلیٰ بچھالیا اور نماز مشغول ہو گیا۔ عبادت گذار نے دیکھا کہ عجیب انسان ہے کہ عبادت میں اس سے بدرجہا بڑھا ہوا ہے اور فضا میں معلق مصلا پر قیام نماز میں کھڑا ہے اور کسی قسم کی تھکاوٹ یا خستگی محسوس نہیں کرتا۔

آخر کار اس کے دل میں آئی کہ کیوں نہ اس کے پاس جاؤں اور اس سے پوچھوں کہ کونسے عمل کی برکت سے تو اس مقام تک پہنچا۔

لیکن شیطان اپنی عبادت میں اتنا منہمک تھا کہ اس نے ذرا سی بھی توجہ اس کی طرف نہ کی اور جونہی سلام نماز سے فارغ ہوتا فوراً دوسری نماز کی نیت کر کے اس میں مشغول ہو جاتا۔

زچ ہو کر عابد نے اسے قسم دی کہ میرے صرف ایک سوال کا جواب دے دے۔ شیطان نے نماز سے توقف کیا۔ عابد نے پوچھا وہ کونسا عظیم کام تو نے کیا ہے کہ جس کی بدولت اس بلند مقام پر فائز ہے۔

اس نے جواب دیا میں اس مقام تک ایک گناہ کے ذریعے سے پہنچا ہوں۔ میں نے اس کا ارتکاب کر کے بعد میں توبہ کی اور اب ہر وقت اپنے کئے ہوئے گناہ کیلئے توبہ میں مصروف ہوں اور روز بروز عبادت میں قوی تر ہو رہا ہوں۔ اور تیری بھی بہتری (اگر تو اس مقام کو حاصل کرنا چاہتا ہے تو) اسی میں دیکھتا ہوں کہ زنا کا ارتکاب کر اور پھر میری طرح توبہ کر اور عبادت میں مشغول ہو جا تا کہ اس مقام تک پہنچ سکے۔

عابد نے کہا میں کیسے زنا کر سکتا ہوں جبکہ میں اس کام سے واقف ہی نہیں اور نہ ہی میرے پاس مال دنیا ہے۔

شیطان نے اسے دو درہم دئے اور ایک فاحشہ عورت کے گھر کا پتہ دے دیا۔

عابد پہاڑ سے اترا اور شہر میں داخل ہوا اور لوگوں سے اس فاحشہ کے گھر کا پتہ پوچھنے لگا۔ لوگوں نے سمجھا کہ فاحشہ کے پاس جا کر اسے وعظ و نصیحت کرنا چاہتا ہے۔ فاحشہ کے پاس پہنچ کر اس نے پیسے پیش کئے اور اس سے فعل حرام کا تقاضا کیا۔

یہاں اللہ کی توفیق اس کی مدد کو آئی اور اس نے فاحشہ کے دل کو اس کی ہدایت پر آمادہ کیا۔

اس عورت نے دیکھا کہ اس شخص کے چہرے پر زہد و تقویٰ کا نور برس رہا ہے اور وہ ایسی جگہوں پر آنے کا عادی نہیں لگتا۔ اس سے پوچھنے لگی کہ تو یہاں کیسے آگیا ہے۔ اسنے کہا تجھے اس سے کیا مطلب ہے تو اپنی اجرت لے اور اپنا آپ کو میرے حوالے کر۔

عورت نے کہا جب تک تجھ سے حقیقت دریافت نہ کرلوں گی، ہرگز راضی نہیں ہوں گی۔ آخر کار مجبور ہو کر عابد نے پوری صورت احوال اس کے گوش گذار کردی۔ فاحشہ نے کہا اے زاہد اگرچہ اس میں میرا نقصان ہی ہے لیکن خوب سمجھ لے کہ تجھے مجھ تک پہنچانے والا صرف شیطان ملعون ہے۔

عابد نے کہا تو غلط کہتی ہے کیونکہ اس نے میرے ساتھ وعدہ کیا ہے کہ میں اس فعل کے ارتکاب سے اسکے مقام تک پہنچ جاؤنگا۔

عورت نے کہا اے عابد ہوش کے ناخون لے تجھے کیسے یقین ہے کہ زنا کے بعد تجھے توبہ کی توفیق ملیگی یا تری توبہ قبول ہی ہو جائیگی علاوہ ازیں کپڑا سالم اچھا ہے یا پھاڑ کر سیا ہوا؛ یقین کر کہ تو شیطان کے بہکاوے میں آگیا ہے۔

لیکن جب عابد کو پھر بھی سمجھ نہ آئی تو فاحشہ نے اس سے کہا، اچھا میں تیار ہوں۔ لیکن تو ایک دفعہ واپس جا اگر وہ شخص تجھے ویسا ہی عبادت میں مشغول ملا تو واپس آجانا میں تری منتظر ہوں گی اور اگر وہ وہاں موجود نہ ہوا تو یقین کر لینا کہ وہ شیطان ملعون تھا۔ جو جب پہچانا جائے تو فرار کر جاتا ہے۔ جب مومن شیطانی وسوسے کا ادراک کر لیتا ہے تو ہلاکت سے بچ جاتا ہے۔

جب عابد واپس آیا تو اس نے دیکھا کہ وہاں کوئی نہیں ہے پس اسے معلوم ہو گیا کہ شیطان ملعون اُسے اپنے دام فریب میں اُلجھا کر ہلاک کرنا چاہتا تھا۔

چنانچہ اس نے اُس فاحشہ کیلئے دعا کی۔ روایت میں آیا ہے کہ جب اپنی زندگی کی آخری رات میں فاحشہ نے انتقال کیا تو صبح کے وقت اس زمانے کے پیغمبرؑ کو وحی ہوئی کہ اس کے جنازے میں شرکت کریں۔ پیغمبرؑ نے عرض کی پروردگار وہ تو ایک مشہور فاحشہ تھی۔ جواب ملا ہاں لیکن اس نے ہماری بارگاہ سے بھاگے ہوئے ہمارے ایک بندے کو واپس ہمارے دروازے تک پہنچایا اور اس کی نجات کا سبب بنی ہے۔

وعظ و نصیحت بڑی قیمتی شے ہے۔ ہر ممکن کوشش کریں کہ گناہ گار گناہ سے باز رہے۔ اسے توبہ کی ترغیب دیں اللہ تعالےٰ جزائے خیر دے گا اور آپ کو بھی پاک کردے گا۔

بڑی حیرانی کا مقام ہے۔ اگر ہم شیطان ملعون کے وسوسوں اور فریبوں اور اپنی اخلاقی کمزوریوں کو دیکھیں تو سمجھ

میں نہیں آتا کہ ہمارا انجام کیا ہوگا۔ کیا اپنی جان ہی بچا کر اس کے حضور میں پہنچ سکیں گے یا نہیں۔ بس اس کا فضل و کرم شامل حال ہو تو امید ہے کہ نجات ہو جائے۔ یا ارحم کل ضعیف۔ اے ہر کمزور پر رحم فرمانے والے۔ ہم پر رحم فرما اور اپنی توفیق سے ہمیں محروم نہ رکھ۔

اذا رأیتَ موادی ذُنُوبی فَزِعتُ   واذا رایت کرمک طمعت

پروردگار اپنے گناہوں کو دیکھ کر مجھے ڈر لگتا ہے لیکن جب ترے کرم عمیم دیکھتا ہوں تو مجھے ڈھارس ہوتی ہے

مجلس ۱۱

بسم اللہ الرحمن الرحیم ۔ اِنَّ الَّذِیْنَ اتَّقَوْا اِذَا مَسَّهُمْ طٰٓئِفٌ مِّنَ الشَّیْطٰنِ تَذَكَّرُوْا فَاِذَا هُمْ مُّبْصِرُوْنَ (الاعراف : ۲۰۱)

شیطان محرک افعال

گفتگو کا موضوع استعاذہ تھا کہ استعاذہ اہل تقویٰ کا خاصہ ہے۔ ورنہ جو لوگ پرہیزگار نہیں ہیں، شیطان خود ان کے وجود میں متمکن ہے اور ان کی جملہ حرکات و سکنات اسی کی انگیخت پر ہوتی ہیں وہ کس سے فرار کریں گے اور کس سے اللہ تعالیٰ کی پناہ چاہیں گے۔ شیطان سے فرار تو وہی چاہے گا جو اہل تقویٰ ہو کر جونہی شیطان اس کے دل سے قریب ہوتا ہے، وہ فوراً ذکر خدا میں مصروف ہو کر اس ملعون کی وسوسہ اندازی پر مطلع ہو جاتا ہے اور استعاذہ کی قوت سے اُسے فرار پر مجبور کر دیتا ہے۔

اہل تقویٰ ہمیشہ محتاط ہوتے ہیں کہ ان سے حرام سرزد نہ ہو اور کوئی واجب ان سے فوت نہ ہو۔ اگر شیطانی گروہ کا کوئی فرد ان کے دل سے نزدیک ہوتا ہے تو انہیں فوراً خبر ہو جاتی ہے اور وہ استعاذہ میں مصروف ہو جاتے ہیں اور جب شیطان دیکھتا ہے کہ یہاں اس کی خیر نہیں تو بھاگ جاتا ہے۔

اہل تقویٰ جب ذکر خدا میں مشغول ہوتے ہیں تو اپنے نور بصیرت و معرفت سے دام ابلیس کو دیکھ لیتے ہیں۔

میری غرض یہاں لفظ "مبصرون" سے ہے۔ یعنی اہل تقویٰ ذکر خدا سے بصیرت حاصل کر کے دام ابلیس کو اپنی آنکھوں سے دیکھ لیتے ہیں اور جب اسے اپنی شامت نظر آتی ہے تو وہ وہاں سے نو دو گیارہ ہو جاتا ہے۔ یہ بہت مبارک بات ہے کہ مومن شیطانی وسوسوں کے بارے میں صاحب بصیرت ہو خواہ وہ وسوسے عقائد کے ضمن میں ہوں یا اخلاقیات یا عبادات کے ضمن میں۔

انبیاءؑ سے بھی باز نہیں آتا:

کچھ وسوسے اس کے اعتقادی نوعیت کے ہوتے ہیں اور اس باب میں وہ انبیاء کے دلوں میں بھی وسوسہ اندازی سے نہیں چوکتا۔

روایت ہے کہ شیطان جناب عیسیٰ علیہ السلام پر ظاہر ہوا جبکہ آنحضرتؑ ایک پہاڑ کی چوٹی پر کھڑے تھے۔ اس نے آپؑ

سے مخاطب ہو کر کہا اے روح اللہ اگر آپ اس پہاڑ پر سے نیچے گر جائیں تو کیا آپ کا خدا آپ کی جان بچا سکتا ہے۔ آپؑ نے فرمایا۔ ہاں میں اپنی بصیرت و معرفت کی بنا پر پورے یقین سے کہہ سکتا ہوں کہ وہ مجھے ضرور بچا سکتا ہے ۔ کہنے لگا اگر آپ کا کہنا درست ہے تو اپنے آپ کو گرا دیجئے تاکہ وہ آپ کو بچائے۔

عیسیٰؑ سمجھ گئے کہ اس ملعون کا کام ہی مغالطہ کاری اور وسوسہ اندازی ہے لہذا جواب میں فرمایا: اے ملعون تو یہ چاہتا ہے کہ میں اللہ تعالیٰ کا امتحان کروں، یہ تو لفظ ہی غلط اور شیطانی ہے، جب میرا ایمان ہے کہ وہ ذات قدیر یقیناً مجھے بچا سکتی تو اس آزمائش کی غرض سے کہ آیا یہ ممکن ہے یا نہیں تُو چاہتا ہے کہ میں اپنے آپ کو گرا دوں؟

علاوہ ازیں میرے خالق نے مجھے اس کام سے نہی فرمائی ہے کیونکہ خودکشی فعل حرام ہے۔ ہاں اگر تو بے اختیار گر جائے اور اللہ تعالیٰ کی مشیت یہ ہو کر تو بچ جائے تو وہ تجھے بچانے پر قادر ہے۔

حضرت مسیحؑ کی شیطان لعین سے گفتگو

روایت ہے کہ ایک دفعہ شیطان نے حضرت عیسیٰؑ سے کہا: اے روح اللہ آپ ہی خدائے محی و ممیت ہیں۔ آپ ہی خدائے علیم و خبیر ہیں۔ جناب عیسیٰؑ نے فوراً اُسے ڈانٹ دیا کہ ملعون کیا بکتا ہے میں تو اس کا بندہ اور غلام ہوں جس کی دعا پر وہ ذات اقدس مردوں کو زندہ کرتی ہے۔

جب جناب مسیح علیہ السلام نے اس طرح سے اس ملعون کے وسوسوں کو رد کیا تو وہ فریاد کرتا ہوا آپ کے پاس سے بھاگ گیا۔

اس قسم کے اعتقادی وسوسے وہ اہل تقویٰ کے دل میں ڈالتا ہے لیکن وہ ذکر الٰہی کے نور سے سمجھ جاتے ہیں کہ یہ شیطانی وساوس ہیں۔ مثلاً کبھی وہ کسی مومن متقی کے دل میں یہ بات ڈالتا ہے کہ فلاں آدمی جوان و توانا ہے مگر گداگر کیسے بن گیا۔ ایسی وسوسہ کاری سے اس کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ حکمت و قضائے الٰہی کے بارے میں مومن کے دل کو شک میں مبتلا کر دے۔ لیکن ذکر الٰہی سے شرفیاب مومن اس کے جواب میں کہے گا: استغفر اللہ میری کیا مجال کہ حکمت و مشیت خداوندی میں داخل انداز ہوں۔ منہ چھوٹا اور بڑی بات! میرا ایمان ہے کہ اس کا کوئی فعل حکمت سے خالی نہیں ہوتا۔

ابراہیمؑ اور شیطان کی وسوسہ اندازی

اعمال کے بارے میں بھی چونکہ ہر صاحب تقویٰ کی یہ تمنا ہوتی ہے کہ کار خیر انجام دے۔ شیطان کی انتہائی کوشش ہوتی ہے کہ اس سے کوئی نیک کام

سرزد نہ ہو اور اگر سرزد ہو جائے تو بعد میں اسے خراب کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ مثلاً یہ کہ فاعلِ خیر کو تکبّر یا ریا وغیرہ میں مبتلا کر دیتا ہے

قصہ مختصر یہ کہ یہ ملعون ہر نیکی کا دشمن ہے۔

مثال کے طور پر پھر ایک مثال اللہ تعالےٰ کے ایک برگزیدہ نبی کی پیش کی جاتی ہے :۔

آپ نے حضرت ابراہیمؑ کے بارے میں سنا ہوگا کہ جب آپ کو اللہ تعالےٰ کی طرف سے حکم ملا کہ اپنے نوجوان تیرہ سالہ جمال ظاہری و باطنی اور ایمان و معرفت کے حامل نورِ نظر اسماعیل کو منیٰ پر لے جا کر قربان کرو تو شیطان سراسیمہ ہو گیا کیونکہ اسے خوب معلوم تھا کہ اگر ابراہیم یہ کام کر گذرے تو مقام خلّت پر فائز ہو جائیں گے۔ لیکن کرے تو کیا کرے !

سب سے پہلا کام اس نے یہ کیا کہ جناب ہاجرہ کے دل میں وسوسہ ڈالا اور ان سے کہا: میں نے ایک سن رسیدہ انسان کو دیکھا ہے کہ ایک لڑکے کو ہمراہ لئے جا رہا تھا۔ آپ کا وہ کیا لگتا ہے؟ جناب ہاجرہ نے فرمایا وہ میرے شوہر ہیں۔ کہنے لگا آپ جانتی ہیں کہ ان کا ارادہ کیا ہے۔ وہ آپ کے بچے کا سر کاٹیں گے۔ جناب ہاجرہ نے فرمایا۔ ابراہیمؑ نے کبھی کسی دشمن کو بھی تکلیف نہیں پہنچائی، بھلا اپنے ہی بیٹے کا سر وہ کیوں کاٹنے لگے۔ ابلیس نے کہا ان کا خیال ہے کہ انہیں اللہ تعالےٰ نے ایسا کرنے کا حکم دیا ہے۔ یہ عظیم خاتون فوراً سمجھ گئیں کہ یہ شیطان ہے اور انہیں وسوسے میں مبتلا کر رہا ہے۔ فرمانے لگیں ملعون دور ہو اگر اللہ کا حکم ہے تو سب ٹھیک ہے۔

ابلیس ۔ ایمان کی آزمایش

ابلیس کی خلقت کا مقصد اس امر کا امتحان ہے کہ اللہ تعالےٰ اور روزِ جزا پر ایمان میں کون ثابت قدم ہے اور کون کشمکش اور تذبذب کا شکار ۔۔ چنانچہ واضح طور پر کلام پاک میں ارشاد ہے: (۳۷ : ۲۱)

" وما کان لہٗ علیھم من سلطانٍ الّا لنعلم من یومن بالآخرۃ ممن ھو منھا فی شک "

شیطان کو انسانوں پر کوئی تسلط حاصل نہیں سوائے اس کے کہ ہمیں معلوم ہو جائے کہ کون آخرت پر پورا یقین رکھتا ہے اور کون اس کے بارے میں شک میں مبتلا ہے۔

اگرچہ جناب ہاجرہ عورت ہیں لیکن ان کے ایمان کی پختگی اور ضبطِ نفس کا یہ عالم ہے کہ اپنے اکلوتے بیٹے کو جو جمال ظاہری حسنِ باطن اور مکارم اخلاق کے اعلیٰ مقام پر فائز ہے، اللہ تعالےٰ کے نام پر قربان کرنے کے لئے بلا توقف و تذبذب راضی

ہو جاتی ہیں۔ اور امرِ خدا کے سامنے اپنی مامتا کو ایک بے حقیقت چیز سمجھ کر نظر انداز کر دیتی ہیں۔

حضرت ابراہیمؑ پر شیطان کی وسوسہ اندازی

اس کے بعد شیطان جناب ابراہیمؑ کے پاس آیا اور کہنے لگا: آپ کیا کرنا چاہتے ہیں؟ آپ نے فرمایا:۔ اسماعیل کو قربان کرونگا شیطان کہنے لگا: اس نے کوئی جرم تو کیا نہیں۔ ابراہیمؑ نے جواب دیا: اللہ کا حکم ہے۔ شیطان نے کہا: اگر آپ اسے قتل کریں گے تو کیا خدا کی خوشنودی کے حصول کی غرض سے آپ کا یہ عمل دوسروں کیلئے سنت قرار نہیں پا جائے گا؟۔۔ ابراہیمؑ نے پھر اپنا جواب دہرایا کہ خدا کا حکم یہی ہے۔ شیطان بولا:۔ کیا یہ ممکن نہیں کہ یہ امرِ خداوندی نہ ہو۔ اس پر حضرت ابراہیمؑ نے اس ملعون کو پتھر مارا اور اسی مناسبت پر دوران حج رمیِ جمرات سنّت قرار پائی ۔

یہ چند مثالیں ہیں شیطان کی وسوسہ اندازی کی۔ مومن کو چاہئے کہ ذکر خدا میں مصروف رہے تاکہ اس کے وساوس اس پر اثر انداز نہ ہو سکیں بالخصوص خدا کی راہ میں خرچ کرنے کے بارے میں تو اس کی انتہائی کوشش یہ ہوتی ہے کہ یہ فعل عمل میں نہ آئے۔

پھر یہ ملعون ازلی اسماعیلؑ کی طرف متوجہ ہوا جو اپنے والد محترمؑ کے پیچھے پیچھے جا رہے تھے۔ اور کہنے لگا۔ صاحبزادے ! جانتے ہو کہ تمہارے والد تمہیں کہاں لے جا رہے ہیں۔ اسماعیلؑ نے فرمایا: نہیں۔ کہنے لگا۔ ان کا ارادہ تمہیں ذبح کرنے کا ہے اسماعیلؑ نے پوچھا۔ وہ یہ کام کیسے کر سکتے ہیں۔ شیطان نے کہا۔ ان کا کہنا ہے کہ یہ خدا کا حکم ہے۔ حضرت اسماعیلؑ نے جواب دیا۔ اگر خدا کا حکم ہے تو میری جان اس پر فدا ہے۔ لیکن اس کے باوجود جب شیطان وسوسہ اندازی پر مصر رہا تو جناب اسماعیلؑ نے فریاد کی کہ بابا جان یہ دیکھئے کون ہے جو میرے پیچھے پڑا ہوا ہے۔ آپؑ نے فرمایا یہ شیطان ہے۔ اسماعیلؑ نے بھی اس ملعون پر سنگ باری کی ۔

کیا ہم نے بھی کبھی شیطان کو دھتکارا ہے

جناب حاجی صاحب۔ آپ نے جو حضرت ابراہیمؑ کی اقتدا میں شیطان پر رمی جمرات کیا۔ یہ رمی جمرات صرف مناسک حج میں ہی منحصر نہیں ہونا چاہئے بلکہ آپ کی ساری عمر اسے اپنی لعنت کا نشانہ بنانا چاہئے۔

کہاں ہیں وہ لوگ جو ہر وسوسہ شیطانی کے موقعہ پر اس پر لعنت کے پتھر برساتے ہیں۔ مردانہ وار اس کے مقابلے میں قائم رہتے ہیں غیظ و غضب کے عالم میں خود کو قابو میں رکھتے ہیں۔ اور فعل حرام کی خواہش کے جوش کے وقت اپنے آپ میں رہتے ہیں۔۔

کبھی ایسا ہوتا ہے کہ انسان کوئی کارِ خیر انجام دینا چاہتا ہے تو شیطان دوسرے انداز سے کہتا ہے: فلاں کام اس سے

بدرجہا بہتر ہے۔ وہ شخص تردد میں مبتلا ہوجاتا ہے اور دونوں میں سے کوئی کام بھی نہیں کرتا اور فعل خیر سے بھی محروم ہوجاتا ہے۔

عظیم ترکون؟

روایت ہے کہ جب دونوں باپ بیٹے امر الٰہی کی تعمیل کیلئے مستعد ہوئے۔ باپ بیٹے کو قربان کرنے کیلئے اور بیٹا خدا کی راہ میں قربان ہونے کیلئے ۔ اور بوڑھے باپ نے بیٹے کے جوان چہرے کو خاک پر اور تیز چھری کو اس کے گلے پر رکھا تو ملائکہ حیران ہوگئے اور آپس میں ایک دوسرے سے پوچھنے لگے۔ باپ بیٹے سے عظیم تر ہے یا بیٹا باپ سے؟ باپ عظیم تر ہے جو اپنی زندگی کے ثمر کو اس طرح قربان کر رہا ہے یا بیٹا جو عنفوان شباب میں اپنی عزیز جان خدا کے حضور پیش کر رہا ہے۔

دونوں اپنے امتحان میں کامیاب ہوئے لیکن "وفدیناہ بذبح عظیم" اللہ تعالےٰ کی تقدیر یہ تھی کہ اسماعیل ذبح نہ ہو۔

اے مومن! حضرت ابراہیمؑ اپنے فرزند کی قربانی پر آمادہ ہوگئے، اسماعیلؑ نے راہ خدا میں اپنی عزیز جان سے صرف نظر کیا۔ تو صرف اجنبی عورت کے جسم کو چھونے، نظر حرام اور لقمہ حرام ہی سے صرف نظر کرلے۔ روحانی مقام اور الٰہی درجات مفت نہیں ملتے۔

ع رنج و محن بغیر نہ گنجِ گراں ملے

یہ میری اور آپ کی مرضی پر منحصر نہیں ہے کہ بدکار انسان جزا کا حقدار ہوجائے۔ "لیس بامانیکم ولا امانی اھل الکتاب من یعمل سوء یجزبہ" (۴: ۱۲۳).

خدا کے نیک بندوں کے مقام اور ہمنشینی انبیا مقربین کو پانے کے لئے عمل مجاہدہ نفس اور نفس امارہ پر پورے قابو کی ضرورت ہے۔

گریہ ابراھیمؑ

روایت ہے کہ جب جناب ابراھیمؑ نے دیکھا کہ چھری کاٹ نہیں رہی اور پھر جب معلوم ہوا کہ قربانی کا حکم منسوخ ہوگیا ہے تو انہیں بہت افسوس ہوا اور ان پر گریہ طاری ہوگیا۔ جبرئیلؑ نازل ہوئے اور انہوں نے پوچھا آپ کیوں گریہ کر رہے ہیں؟ آپ نے جواب دیا: معلوم ہوتا ہے کہ میں اس قابل نہ تھا کہ میری قربانی بارگاہ ایزدی میں قبول ہو۔ جبرئیلؑ نے کہا: آپ نے امتحان کی ساری شرطیں پوری کردیں اور اس میں خوب کامیاب ہوئے۔ پھر اس مقصد کیلئے آپ کے دل پر رقت طاری ہو اور بیٹے کے ذبح ہونے کا اجر آپ کو ملے، جبرئیلؑ نے آپ کے سامنے مصائب سید الشہدا امام حسین علیہ السلام بیان کئے۔

مجلس ۱۲

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ــ ان الذین اتقوا اذا مسّہم طائف من الشیطان تذکروا فاذاھم مبصرون (الاعراف: ۲۰۱)

اس آیہ شریفہ میں حقیقتِ استعاذہ

اگر اس آیہ شریفہ میں جو ہماری بحث کا عنوان ہے، غور کیا جائے اور اس میں مذکور حقائق میں فکر کی جائے تو معلوم ہوگا کہ یہی آیت حقیقت استعاذہ کی پورے طور سے آئینہ دار ہے۔

وہ لوگ جنہوں نے ہوس پرستی چھوڑ کر خدا پرستی اختیار کی وہ گویا شیطان کے گھر سے نکل کر حریم خداوندی میں پہنچ گئے۔

وہ لوگ جن کے دلوں میں شیطان کا بسیرا نہیں ہے، جب بھی شیطان ان کے دل پر حملہ آور ہونے کیلئے ان کے گرد گھومتا ہے تو وہ ذکر خدا میں مشغول ہوجاتے ہیں جس سے ان کے دل میں روشنی آجاتی ہے اور وہ اس کی وسوسہ اندازی پر مطلع ہوکر استعاذہ کی قوت سے اسے بھگا دیتے ہیں۔

دعائے جناب امام سجاد علیہ السلام

حضرت زین العابدینؑ صحیفۂ سجادیہ میں اللہ تعالےٰ کے حضور یوں عرض گذار ہیں:

واذا ھممنا بھمین احدھما یرضیک والآخر یسخطک کتاب بنا الی ما یرضیک

اے پروردگار جس وقت ہمارے سامنے دو مقصد ہوں کہ ایک میں تیری رضا ہو اور دوسرا تیری ناراضگی کا باعث ہو۔ ایک تیری خوشنودی، اور دوسرا تیرے غیظ و غضب کا موجب ہو تو ہمارے دل کو اس کی طرف پھیر دے جس میں تیری رضا اور خوشنودی ہو اور اس سے متنفر فرما دے جس سے تو ناراض اور ناخوش ہو۔

جب اللہ تعالےٰ دل کو کسی طرف متوجہ کردے تو انسان اپنی سوچ بدل دیتا ہے۔ لیکن جب تک ہم تقویٰ کو اپنا شعار نہ بنائیں گے، ہمارے دلوں پر شیطان کی حکومت رہے گی۔ ایسی حالت میں ذکر الٰہی سے ہمیں کوئی فائدہ نہ ہوگا۔ جب دل پر شیطان

کا غلبہ وتسلط ہو تو انسان کیسے اپنی راہِ عمل متعین کر سکتا ہے۔

اس مطلب کی وضاحت کے لئے پھر ایک حکایت پیش کرتا ہوں۔

بتی بجھانے والا چور

کہتے ہیں کہ پرانے زمانے میں جب گھروں میں روشنی کیلئے موم یا چربی وغیرہ جلانے کا رواج تھا ایک رات ایک چور کسی گھر میں گھس گیا اور کمرے میں داخل ہو کر چیزیں اکٹھی کرنے لگا۔

گھر کے مالک نے پیر کی آہٹ سنی تو اسے چور کی موجودگی کا شک ہوا بستر پر سے اٹھا اور چراغ جلانے لگا۔ چور کو جب معلوم ہوا کہ مالک بیدار ہو چکا ہے تو اس کے سرہانے کی طرف کھڑا ہو گیا اور جب اس نے چراغ کو دیا سلائی دکھائی تو آہستگی سے پھونک مار کر اسے بجھا دیا۔

جب اس نے دوبارہ چراغ جلانا چاہا تو چور نے اپنی انگلی لعاب دہن سے تر کر کے اس سے چراغ کی بتی کو گیلا کر دیا تاکہ جل ہی نہ سکے۔

نادان صاحبِ خانہ نہ سمجھ سکا کہ کوئی موجود ہے جو یہ حرکت کر رہا ہے۔ وہ یہی سمجھتا رہا کہ ہوا ہے جو چراغ کو روشن نہیں ہونے دیتی۔ آخر کار جب چراغ روشن نہ ہوا اور پیروں کی آہٹ بھی اس کے بعد سنائی نہ دی تو مطمئن ہو کر سو گیا۔ اور چور اپنا کام کر کے رخصت ہوا۔

خانۂ دل میں چور

یقین کیجئے کہ عالم باطنی کی بھی یہی صورت ہے۔ اگر شیطان دل میں جاگزین ہو جائے تو انسان کو اس قابل نہیں رہنے دیتا کہ وہ ذکر خدا کر سکے کیونکہ ذکر الٰہی صرف اہل تقویٰ کا خاصہ ہے۔ اگر تقویٰ نہ ہو تو انسان ہزار ذکر کرے، بصیرت حاصل نہیں کر سکے گا۔

آپ نے ملاحظہ نہیں فرمایا کہ جھگڑے فساد کے دوران غیظ و غضب کے عالم میں ذکر خدا کے باوجود انسان نہیں سمجھتا کہ وہ شیطان کے دام فریب میں جکڑا ہوا ہے اور اس کے قلب و روح پر اس کا تسلط و تصرف ہے۔ اس حالت میں کتنا ہی اس کے لئے اللہ رسول اور ائمہ کا نام لیں کوئی فائدہ نہ ہوگا۔ شیطان اسے ذکر الٰہی پر آنے ہی نہیں دے گا کیونکہ وہ صاحب تقویٰ نہیں۔

حق پر ہونے کے باوجود جھگڑے سے بچئے۔

حضور علیہ السلام کا ارشاد ہے کہ حق پر ہوتے ہوئے بھی اگر کوئی جھگڑے سے بچے گا تو میں اس کے جنّت میں اعلیٰ مقام کا ضامن ہوں اور اگر وہ حق پر نہیں

اور جھگڑا بھی نہیں کرتا تو جنت کے پست ترین درجہ میں اس کا مقام ہوگا۔

جھگڑے کو ترک کرنا صرف اسی صورت میں ممکن ہے کہ انسان ہوس پرست نہ ہو۔ ورنہ شیطان اسے کبھی بچنے نہ دے گا۔ اور وہ اسی حالت میں مر جائے تو شیطان کے بندوں میں مشہور ہوگا۔

نماز کے دوران بھی کیا پتہ ہے کہ انسان کس کے حکم سے حرکات نماز بجا لا رہا اور کیا معلوم کہ اللہ کے گھر میں شیطان کی انگیخت پر ارکان عبادت نہیں ادا کرتا رہا۔ کیا وہ واقعی امر خداوندی سے مسجد میں آیا۔ اگر اللہ ہی کے حکم سے مسجد میں آیا تو خود پرستی کیوں۔ جھگڑے سے بچے گا ہی تو تقویٰ کی کیفیت اس میں پیدا ہوگی اور اس کی بصیرت و نجات کا سبب بنے گی۔

ذوالکفلؑ کا پیمان

حضرت ذوالکفلؑ انبیائے سلف میں سے تھے۔ ان کی قبر شریف حلّہ کے قریب ہے اور ان کا ذکر کلام پاک الٰہی میں موجود ہے۔ بحار الانوار میں آپ کی وجہ تسمیہ کے بارے میں یہ روایت بیان کی گئی ہے،

اُن سے پہلے ایک پیغمبر تھے جن کا نام نامی یسعؑ تھا۔ ان کا ذکر بھی کلام مجید میں موجود ہے: "والیسع وذاالکفل"

جناب ذوالکفلؑ حضرت یسعؑ کے اصحاب اور حواریوں میں سے تھے۔ اپنی زندگی کے آخری ایام میں جناب یسعؑ نے اپنے اصحاب سے کہا: آپ میں سے وہ شخص جو اس عہد پر جو میں آپ لوگوں سے کر رہا ہوں، اللہ تعالیٰ کو حاضر ناظر جان کر قائم رہے گا، میرا وصی و جانشین ہوگا۔ میرا عہد یہ ہے کہ غصے کے وقت اپنے آپ پر قابو رکھو، اپنے آپے میں رہو اور شیطان کی انگیخت کا شکار نہ ہو جاؤ۔

جناب ذوالکفل نے پورے یقین و اعتماد سے وعدہ دے دیا اور دل میں عہد کر لیا کہ کبھی غضب شیطانی میں مبتلا نہ ہونگے۔

یہی وجہ تھی کہ وہ منصب نبوت پر فائز ہوئے اور اس کے بعد پیش آنے والے امتحانات سے بھی بخوبی عہدہ برا ہوئے۔

یہ بھی ملحوظ رہے کہ جتنا زیادہ کوئی انسان اپنے عہد پر سختی سے قائم رہتا ہے، شیطان ملعون اتنا ہی زیادہ دباؤ اس پر اس عہد کو توڑنے کیلئے ڈالتا ہے۔ حضرت ذوالکفل نے غضب شیطانی سے ہر قیمت پر دور رہنے کا عہد کیا ہوا تھا لہذا شیطان نے بھی اس عہد کو توڑنے کیلئے ایڑی چوٹی کا زور لگایا لیکن آپ اس کی ہر کوشش کے سامنے پہاڑ کی طرح ثابت قدم رہے۔

شیطان مدد طلب کرتا ہے

ایک روز شیطان نے اپنے چیلوں کو پکارا۔ جب وہ اس کے گرد اکٹھے ہو گئے تو ان سے کہنے لگا: میں ذی الکفل کے ہاتھوں عاجز ہو گیا ہوں جو کوشش بھی میں انہیں غیظ و غضب میں لا کر ان کے عہد کو توڑنے کیلئے کرتا ہوں، ناکام ہو جاتی ہے۔

ایک شیطان جس کا نام ابیض تھا بولا میں ذاالکفل کو غصے میں لاؤں گا۔ شیطان نے اسے اس کام پر مامور کر دیا۔

جناب ذی الکفل کی یہ خاص عادت تھی کہ رات کو سوتے نہیں تھے اور ساری رات ذکر خدا میں مشغول رہتے تھے دن کو بھی ظہر سے پہلے اپنے اور دوسرے لوگوں کے کاموں میں مصروف رہتے۔ ظہر سے ذرا پہلے سو جاتے اور عصر کے وقت بیدار ہو کر پھر خلق خدا کے کاموں میں مصروف ہو جاتے۔

شیطان کا دقّ الباب

ایک دن جبکہ آپ قبل ظہر سوئے ہوئے تھے۔ اس شیطان نے دروازہ پیٹا۔ دربان نے پوچھا۔ تجھے کیا کام ہے؟ کہنے لگا میری ایک فریاد ہے۔ دربان نے کہا۔ صبح آنا۔ اس وقت وہ سوئے ہوئے ہیں۔

شیطان نے چیخ و پکار اور فریاد شروع کر دی کہ میں دور رہتا ہوں کل نہیں آسکتا۔ آخر کار جناب ذوالکفل اس شور سے بیدار ہو گئے اور انہوں نے نہایت ٹھنڈے دل سے اسے کہا۔ اب چلا جا اپنے مدعا علیہ سے کہدے کہ کل آجائے میں بھی پہنچ جاؤں گا۔

شیطان کہنے لگا۔ وہ نہیں آئے گا۔ آپ نے فرمایا یہ میری انگوٹھی نشانی کے طور پر لے جا اور اسے کہہ کہ ذوالکفلؑ نے تجھے بلایا ہے اس دن آپ نہیں سو سکے۔

شیطان چلا گیا اور دوسرے روز پھر اسی وقت جبکہ حضرت ذوالکفل ابھی ابھی سوئے تھے، آکر پھر اس نے چیخ و پکار شروع کر دی۔ جناب پھر نیند سے بیدار ہوئے اور بڑی نرمی او ملائمت سے اس کے ساتھ پیش آئے اور اسے مدعا علیہ کے نام ایک چھٹی لکھ دی کہ اُسے بلا لائے۔

ابیض چلا گیا اور اس دن بھی آپ نہ سو سکے اور ساری رات بھی حسب معمول عبادت میں مشغول رہے۔

شیطان عاجز ہو گیا

جب کوئی انسان تین دن رات نہ سوئے تو آپ اندازہ کر سکتے ہیں کہ کتنا چڑچڑا اور بدمزاج ہو جاتا ہے۔ لیکن تیسرے روز بھی شیطان نے عین اسی وقت جناب ذی الکفلؑ کی نیند میں خلل ڈالا اور شور مچانے لگا کہ اس شخص نے آپ کے خط کی بھی کوئی پروا نہیں کی اور یہاں آنے سے انکار کر دیا۔ اور پھر آپؑ کے سامنے بے تحاشا چیخنے لگا کہ آپ کو غصہ دلائے اور غیظ و غضب میں لائے۔ آخر کار کہنے لگا۔ اگر آپ خود اس وقت میرے ساتھ چلیں تو میرا کام ہو سکتا ہے۔

روایت میں ہے کہ اس دن دھوپ اتنی سخت تیز تھی کہ گوشت کا ٹکڑا اس میں جل کے کباب ہو جائے۔ اس نے اتنا شور مچایا کہ

کہ آخر کار آپ اس کے ساتھ جانے پر رضامند ہو گئے۔

اس جلا دینے والی دھوپ میں جب انہوں نے کچھ راستہ طے کیا تو شیطان کو یقین ہو گیا کہ آپؑ کو غصہ میں لانا ناممکن ہے۔ چنانچہ وہ فریاد زناں وہاں سے فرار ہو گیا۔

بے تقویٰ دل میں ذکر الٰہی کا الٹا اثر ہوتا ہے

کبھی ذکر الٰہی بے تقویٰ دل کی حالت کو مزید خراب کر دیتا ہے۔ اور اس کی بے دینی کو آشکار کر دیتا ہے۔

کیا آپ نے سنا نہیں کہ ملعون شقی ابن زیاد جب سر مقدس جناب سید الشہداءؑ کو پکڑا ہوا تھا تو سر اقدس سے ایک خون کا قطرہ ٹپکا اور اس ملعون کی ران کو چھیدتا ہوا دوسری طرف نکل گیا۔ اس ملعون نے سر کو نیچے رکھ دیا اور ہاتھ میں چھڑی پکڑی تھی اس سے آپؑ کے لب و دندان سے گستاخی کرنے لگا۔

زید بن ارقم صحابی رسولؐ نے شہادت دی کہ اے ابن زیاد میں نے بارہا نبی علیہ السلام کو ان لب و دندان کو چومتے ہوئے دیکھا ہے۔ اس سے بڑھ کے یاد دہانی اور کیا ہو سکتی ہے لیکن یہ ملعون بجائے اس کے کہ اس گواہی سے نصیحت حاصل کرے کہنے لگا۔ افسوس ہے کہ تو بوڑھا ہو چکا ہے ورنہ اسی وقت تیری گردن اڑا دیتا۔ اور زید بن ارقم کو اپنے دربار سے نکال دیا۔

ابن زیاد ہی پر منحصر نہیں۔ ہر وہ شخص جو دل کا اندھا اور بہرا ہوتا ہے اس کی یہی کیفیت ہوتی ہے۔ اور اللہ تعالےٰ کے ذکر کی یاد دہانی اس کی نابینائی اور بہرے پن میں اضافے کا سبب بنتی ہے۔
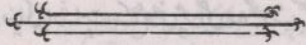
مجلس ۱۳

بِسمِ اللهِ الرَّحمٰنِ الرَّحِیم ۔ انّ الّذین اتقوا اذا مسّھم طائفٌ من الشیطان تذکروا فاذاھم مبصرون (الاعراف: ۲۰۱)

تقویٰ مشق سے پیدا ہوتا ہے

جب ہم بچے کو مدرسے میں داخل کرتے ہیں تو پہلے روز نہ وہ کچھ پڑھ سکتا ہے اور نہ ہی لکھ سکتا ہے بلکہ کام کی ابتدا، اس کیلئے سخت مشکل اور مشقت طلب ہوتی ہے لیکن رفتہ رفتہ جب وہ پڑھنے لکھنے سے مانوس ہوجاتا ہے اور پڑھائی لکھائی اس کی عادت بن جاتی ہے تو پھر اس کے لئے اس میں کوئی مشکل باقی نہیں رہتی۔

بالکل یہی حقیقت تقویٰ کی بھی ہے ۔اہل تقویٰ ہونا ترک گناہ پر منحصر ہے۔

انسان کو چاہئے کہ وہ بار بار گناہ ترک کرے۔ جب بھی گناہ کا موقع ملے تو اس کے ارتکاب سے بچے۔ جس طرح بچے کیلئے ابتدا میں لکھنا پڑھنا دشوار ہوتا ہے لیکن مشق سے آسان ہوجاتا ہے اور اس کی عادت بن جاتی ہے اسی طرح اگر انسان پورے عزم و ارادہ سے گناہ کو ترک کرے اور اس سے ہر ممکن کوشش سے اپنے نفس کو بچائے تو رفتہ رفتہ کچھ مدت کی مشق کے بعد اللہ تعالےٰ اس کے دل میں ایک نور روشن فرماتا ہے جس کی وجہ سے ترکِ گناہ اس کیلئے آسان ہوجاتا ہے اور اپنی زبان پر اسے اتنی قدرت حاصل ہوجاتی ہے کہ ساری دنیا کی بادشاہت کے عوض میں بھی وہ جھوٹ کبھی نہ بولے گا۔

وہی گناہ جس کا ترک کرنا اس کے لئے ایک جان جوکھم تھا، اب اس کا انجام دینا اس کیلئے سخت مشکل ہوجاتا ہے انسان کو چاہئے کہ خود میں ایسی قوت و قدرت پیدا کرے کہ ہر گناہ کو بآسانی ترک کرسکے۔ اس سے اس کے دل میں اطمینان اور لذت کی کیفیت پیدا ہوگی۔

ترکِ گنہ میں لذتِ قلبی جسے ملے وہ لذتِ حیات سے بیگانہ ہوگیا

یقیناً اللہ تعالےٰ "لا یرضیٰ لعبادہ الکفر" اپنے بندوں کیلئے کفر کو پسند نہیں فرماتا۔ "ولکن اللہ حبب الیکم الایمان

وزینہٗ فی قلوبکم وکرّہ الیکم الکفر والفسوق والعصیان" (بلکہ اس نے ان کیلئے ایمان کو محبوب بنادیا ہے اور اسے اُن کے دلوں کی زینت بنادیا ہے۔ اور کفر، فسق اور نافرمانی کے لئے ان میں کراہت اور نفرت پیدا کی ہے)

آخر کار گناہگار کو گناہ سے گھن آنے لگتی ہے اور وہ تقویٰ کے اس مقام کو پالیتا ہے جہاں گناہ اسے ہر تلخی سے تلخ تر اور ہر بدی سے بدتر نظر آنے لگتا ہے اور ہر گناہ بلحاظِ شدت و خفت اس کے نزدیک قابل صد نفرین ہوجاتا ہے۔

تقویٰ کا ملکہ انسان میں بڑی محنت اور مشق سے پیدا ہوتا ہے اور اس کے کچھ درجات و مراتب ہیں:

ترکِ مشتبہات

جب انسان میں ترکِ حرام کا ملکہ پیدا ہوجاتا ہے تو وہ ایک قدم آگے بڑھتا ہے اور مزید کوشش سے ترکِ مشتبہات کا ملکہ حاصل کرلیتا ہے۔ گویا وہ نہ صرف حرام سے مجتنب رہتا ہے بلکہ جس چیز کے حرام ہونے کا شبہ بھی ہو اس سے بھی پرہیز کرتا ہے اور احتیاط کرتا ہے کہ شاید حرام ہو۔

وہ ایسے بھی الفاظ سے پرہیز کرتا ہے جن کے بارے میں اسے شبہ ہو کہ اللہ تعالےٰ کی رضا کے خلاف ہیں اور ان سے احتیاط کرتا ہے کہ کہیں خلاف واقعہ نہ ہوں اس طرح رفتہ رفتہ اس میں ملکۂ ترکِ مشتبہات راسخ ہوجاتا ہے۔

ترکِ مکروہات

اس کے بعد وہ تقویٰ کے اس مقام کو پالیتا ہے جہاں مکروہات بھی ترک ہوجاتے ہیں اور مستحبات کی انجام دہی کا پورا پورا اہتمام ہوتا ہے۔ یہاں پہنچ کر وہ مستحب کو غیر واجب سمجھ کر اس کی کم اہمیتی کا قائل نہیں رہتا اور یہ نہیں کہتا کہ فلاں کام اگر نہ کیا تو کیا حرج ہے، مستحب ہی تو ہے یا یہ کہ فعل مکروہ کا ترک جائز ہی تو واجب تو نہیں کیونکہ بظاہر تو اس میں کوئی حرج نہیں ہوتا، ذرا باطنی سی کراہت ہوتی ہے جس کی وجہ سے وہ منہیات ضروریہ کے ذیل میں نہیں آتا۔ بہرحال مشق اور محنت سے راہ تقویٰ کا سالک ترکِ مکروہات کے ملکہ کو بھی حاصل کرلیتا ہے۔

ترک حرام کی غرض سے ترکِ مباح

بلکہ وہ ایسے مباحات سے بھی مجتنب ہوجاتا ہے جن سے اسے اندیشہ ہوتا ہے کہ ترک واجبات کی وجہ بن سکتے ہیں۔

مثلاً آدھی رات تک جاگتے رہنا اور خوش گپیاں کرنا مباح ہے اور اس دوران میں دو تین بار کھانا پینا اور پرخوری بھی شرعاً ناجائز نہیں لیکن شکم پری کی حالت میں دیر سے سونا صبح کی نماز کے فوت ہونے کا سبب ہوسکتا ہے اور ایک واجب سے محرومی کا باعث بن سکتا ہے۔ چنانچہ یہ ملکہ اس میں اتنا طاقتور ہوجاتا ہے کہ وہ ہر اس فعل مباح سے بھی پرہیز کرتا ہے جس کے

بارے میں اسے اندیشہ ہو کہ فوتِ واجب کا سبب بن سکتا ہے۔

رمضان کے لئے روزانہ ایک پیسہ

ایک نانبائی ہمارا دوست تھا جو اپنے کام میں بہت سیانا اور کماؤ تھا۔ اتفاق سے اس سال روزے گرمیوں میں آئے۔ اس نے پورا ماہ رمضان کام سے چھٹی کی اس کا کہنا تھا کہ میں تنور کا ماہر ہوں لیکن گرمیوں میں تنور پر بیٹھ کر روزہ نہیں رکھ سکتا۔ اس مقصد کیلئے میں گیارہ مہینے تک ہر روز ایک پیسہ پس انداز کرتا ہوں۔ تاکہ رمضان کا پورا مہینہ کام سے چھٹی کر کے روزہ رکھ سکوں۔

اگرچہ یہ ایک پیسہ ہر روز خرچ کرنا مباح تھا لیکن باتقویٰ شخص اس مباح کا مرتکب نہ ہوا کہ مبادا رمضان کا روزہ اس سے فوت ہو جائے اور وہ فعل واجب اس سے چھوٹ جائے۔

ترکِ واجب کا سبب سفر

روایت ہے کہ ایک شخص امامؑ کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہنے لگا: مجھے ایک سرد ملک کا سفر درپیش ہے، ان دنوں وہاں اتنی برفباری ہوتی ہے کہ سارا ملک برف سے ڈھک جاتا ہے اور نہ وضو کیلئے پانی ملتا ہے اور نہ تیمم کیلئے مٹی دستیاب ہوتی ہے۔ ایسی حالت میں نماز کے بارے میں مجھ پر کیا حکم ہے؟

امامؑ نے اس پر عتاب فرمایا کہ ایسا سفر تو کیوں کرتا ہے جس کی وجہ سے دین کے ضروری واجبات کو انجام نہ دے سکے۔ جب تجھے علم ہے کہ تیرے اس عمل سے تری نماز فوت ہو جائے گی تو تجھے تقویٰ اختیار کرنا چاہیئے اور اس ارادے سے باز رہنا چاہیئے۔

جب کسی محفل میں جانا مباح تو ہو لیکن وہاں گناہ میں مبتلا ہونے کا اندیشہ بھی موجود ہو تو آپ کو شروع ہی سے خبردار رہنا چاہیئے کہ کہیں اس فعل مباح یا مستحب کے اقدام سے آپ ترک واجب کے مرتکب تو نہیں ہو رہے اور کوئی فعل حرام تو اس کی وجہ سے آپ سے سرزد نہ ہو گا۔

لیکن یہ سب اندیشے ضعیف الاعتقاد اور کم تقویٰ لوگوں کے بارے میں ہیں۔ اہل تقویٰ انسان کبھی ایسی لغزش نہ کھائے گا وہ جو بھی کرنا چاہے گا پہلے اس کے انجام پر غور کرے گا اور یہ دیکھے گا کہ اس کا لازمی نتیجہ کیا ہے۔

ع بینا ہے وہ جو دیکھ لے انجامِ کار کو

مادّی وسعت

بہت سے ایسے مباحات ہیں جو انسان کو فعل حرام تک لے جاتے ہیں۔ وہ سمجھتا ہے کہ مادی لحاظ سے ان میں کافی وسعت ہے اور اگرچہ کوئی کام مستحب یا مباح ہو، اہل تقویٰ کی نظر اس کے لوازم اور انجام و نتائج پر بھی ہوتی ہے۔ وہ خوب غور کرتا ہے کہ اس کے ارتکاب سے اسے کس صورت حال سے دوچار ہونا پڑے گا۔

اسباب دنیوی میں فضول خرچی اور اسراف کیوں؟ اور عمر کو فضول کاموں میں تلف کرنے سے کیا حاصل؟ جب انسان واجب اخراجات سے صرف نظر کرے، اپنے غریب و مفلس اور محتاج و نادار اعزا کی مدد نہ کرے اور نمائشی کاموں کو قرض لے کر بھی انجام دے تو اس کی عبادت ریا اور اس کی نماز بے کیف و بے حضور ہو جاتی ہے، وہ صرف اسی دنیا کا ہو کر رہ جاتا ہے اور حسنِ عاقبت سے بے نصیب ہو جاتا ہے۔

زندگی کے ساز و سامان میں دلچسپی حرام نہیں بلکہ شرعاً جائز اور مباح ہے لیکن جب اسے غیر معمولی اہمیت دی جائے گی تو یہ قطع رحم کا ارتکاب کرائے گا، سود پر قرض لینے کی انگیخت کرے گا اور حرام پر حرام کے ارتکاب پر مجبور کر دے گا۔

دوسری مثال: خوش مزاجی اور بذلہ سنجی جائز اور مباح ہے اور بعض اوقات کسی اچھے مقصد کیلئے مستحب بھی ہے۔ لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ حد اعتدال سے متجاوز ہو کر یہی مستحب فعل فریق ثانی کی دل آزاری کا سبب بن جاتا ہے اور ایذائے مومن کا باعث بن کر حرام مطلق ہو جاتا ہے۔

لہٰذا تقویٰ اختیار کرنا چاہیئے۔ اور وضعِ مادی میں ناروا وسعت سے اور غیر معتدل شوخی اور ہنسی مذاق سے اجتناب کرنا چاہیئے تاکہ کسی برادرِ ایمانی کا دل توڑ کر حرام کے مرتکب نہ ہوں۔

خلاصہ یہ کہ تقویٰ کے تین مراتب ہیں:۔

اوّلاً : ملکہ ترکِ گناہ

ثانیاً : ملکہ ترک مشتبہات و مکروہات ۔ اور

ثالثاً : ایسے مباحات کے ترک کا ملکہ جو ترکِ واجب کا باعث یا ارتکاب حرام کا سبب بن سکتے ہوں۔
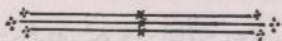
رکنِ دوم :

تذکّر

مجلس ۱۴

بسم اللہ الرحمٰنِ الرحیم ۔ انّ الّذین اتقوا اذا مسّھم طائف من الشیطان تذکروا فاذاھم مبصرون۔
(الاعراف : ۲۰۱)

استعاذہ کا رکن دوم تذکّر یعنی ذکرِ الٰہی یا یادِ خدا ہے۔ جو شخص صاحبِ تقویٰ ہو جاتا ہے اس کا قلب وضمیر شیطان کے غلبہ وتسلط سے آزاد ہو جاتا ہے کیونکہ جب تک اس کا تسلط رہتا ہے، استعاذہ کی صلاحیت پیدا نہیں ہوتی۔ شیطان اہل تقویٰ انسان کے دل کے گرد گھومتا ہے تاکہ اس میں داخل ہونے کی راہ پیدا کرے لیکن جب وہ متقی شخص ذکرِ خدا میں مشغول ہو جاتا ہے تو فوراً ہی برقِ رحمتِ الٰہی کوندتی ہے اور اس کے جھماکے میں اُسے ابلیس کا بچھایا ہوا جال صاف نظر آجاتا ہے اور وہ اس کے شر سے محفوظ ہو جاتا ہے۔

آیئے اب دیکھیں کہ اس آیہ شریفہ میں تذکر سے مقصود و مرادِ الٰہی کیا ہے۔

خیالِ گناہ و یادِ خدا

تفسیر برہان میں اس آیہ کریمہ کی تفسیر میں حضرت امام محمد باقرؑ اور جناب امام جعفر صادقؑ سے ایک روایت وارد ہوئی ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ جب کسی مومن کے دل میں دفعتاً کبھی گناہ کا خیال آتا ہے تو گروہ ابلیس کی جانب سے اُس پر اِس گناہ کو کر گذرنے کے لئے پوری قوت سے دباؤ اور وساوس کا القاء شروع ہو جاتا ہے لیکن اسی دوران میں اُسے اللہ تعالےٰ کی یاد آجاتی ہے اور وہ گناہ کے خیال سے باز آجاتا ہے۔ (انّ الرّجل یھمّ بالذّنب فیذکراللہ فیضعہ : یعنی انسان گناہ کا ارادہ کرتا ہے لیکن خدائے تعالےٰ کی یاد آتے ہی وہ اس ارادے کو چھوڑ دیتا ہے)

ذکرِ خدا کے بھی درجات ہیں جو موقعہ ومحل کی مناسبت سے مختلف ہیں۔ ان میں سے ایک یہ ہے کہ گناہ کا خیال آتے وقت انسان کو معلوم ہونا چاہئے کہ اسے اِس پر اُکسانے والا اس کا دشمن ہے اور دشمن کی مخالفت عقلاً واجب ہے۔ علاوہ ازیں اس کا اللہ تعالےٰ سے یہ عہد ہے کہ وہ شیطان کی پرستش نہیں کرے گا۔ کیونکہ وہ اس کا کھلا دشمن ہے۔ (۳۶ : ۵۹)[1] لہذا اسے نہیں چاہیئے کہ اپنے عہد سے بے وفائی کرے اور عبدِ رحمان بننے کی بجائے عبدِ شیطان ثابت ہو۔ چنانچہ یہ ضروری ہے کہ اپنے عہد کا پاس

---

[1] الم اعھد الیکم یابنی آدم ان لاتعبدوا الشیطان انہ لکم عدو مبین

کرتے ہوئے وہ شیطانی القاء کی مخالفت کرے کیونکہ اس کی پیروی کا نتیجہ ہلاکت و گمراہی کے سوا کچھ نہیں۔ "ولقد اضل منکم جبلاً کثیرا افلم تکونوا تعقلون"۔ (وہ تم میں سے بہت سوں کو گمراہ کر چکا ہے۔ کیا تم نہیں سمجھتے؟) (۳۶ : ۶۲)

ایک دوسری آیت میں زیادہ وضاحت و صراحت سے ارشاد ہوتا ہے: "کتب علیہ انہ من تولاہ فانہ یضلہ ویہدیہ الی عذاب السعیر" (اللہ تعالےٰ کے نزدیک یہ طے ہے کہ جو شخص شیطان کی پیروی کرے گا، شیطان اُسے گمراہی کے اندھیروں میں دھکیل دے گا اور بھڑکتے ہوئے دوزخ کی طرف اس کی رہنمائی کرے گا)۔ اگر کوئی شخص شیطانی خیالات کی پیروی کرے گا اور وسوسہ ابلیس کو قابل توجہ و اعتناء سمجھے گا تو اللہ تعالےٰ ہدایت کی تمام راہیں اس پر بند کر کے اُسے جہنم میں بھیج دے گا۔

ذکر شیطانی وسوسے سے نجات دیتا ہے

جب بھی کبھی شیطانی وسوسہ مومن کے دل میں داخل ہونے لگتا ہے تو وہ فوراً یادِ خدا میں مصروف ہو جاتا ہے اور سوچتا ہے کہ اگر میں نے یہ گناہ کر لیا تو رحمت خداوندی سے دوری کی زندگی میرے کس کام کی ہوگی۔

ممکن ہے کہ شیطان دوسری کوشش میں اس کے دل میں یہ وسوسہ ڈالے کہ گناہ کی لذت سے خود کو محروم نہ کر۔ بعد میں توبہ کر لینا۔ تو صاحب تقویٰ اس کے وسوسہ کو رد کرنے کیلئے جواب دے گا کہ اس بات کا کیا یقین ہے کہ توبہ کی توفیق مجھے حاصل ہوگی اور اس کی کیا ضمانت ہے کہ میری توبہ قبول ہی ہو جائے گی؛ مختصر یہ کہ خدا کی یاد شیطان کو مومن کے دل پر غلبہ نہیں پانے دیتی۔

کبھی شیطان صاحبِ تقویٰ انسان کے دل میں یہ وسوسہ ڈالتا ہے کہ یہ گناہ "صغیرہ" ہے، لیکن اس کا یادِ خدا میں مشغول دل جواب دیتا ہے کہ دُور ہو مردود! اللہ تعالےٰ کی نافرمانی بہر حال "کبیرہ" ہے۔

کبھی ابلیس ملعون صاحب تقویٰ کو ڈراتا اور دھمکی دیتا ہے کہ اگر تو نے میرے کہے پر عمل نہ کیا تو اس کا انجام برا ہوگا۔ یا ترغیب و تحریص کے طور پر اُسے گناہ کی خوش انجامی کی نوید دیتا ہے۔ لیکن اس کی یہ تہدید و تحریص صرف ان پر اثر انداز ہوتی ہے جو اس کی دوستی کو کوئی اہمیت دیتے ہوں۔ کیونکہ (انما ذلکم الشیطان یخوف اولیائہ: شیطان صرف اپنے چاہنے والوں ہی کو اپنی نافرمانی کے نتائج سے ڈرا سکتا ہے)۔

لیکن صاحب تقویٰ شخص ذکر الٰہی کی مدد و برکت سے فوراً سمجھ جاتا ہے کہ ایسے خیالات محض شیطانی وساوس ہیں جن سے ہرگز ڈرنا یا متاثر ہونا نہیں چاہیئے کیونکہ مومن صرف اپنے خدا سے ڈرتا ہے۔ (خافونِ اِن کنتم مومنین: صرف مجھ سے

ڈرو اگر تم مومن ہو۔

عبادت پر غرور

کبھی شیطان انسان کو اس کے تدین یا حُبِّ اہل بیتؑ پر مغرور کرتا ہے مثلاً کہتا ہے: "ماشاللہ تم کتنی ہی بار کربلائے معلیٰ کے سفر کی سعادت حاصل کر چکے ہو اور اپنی زیارت کے دوران کتنے ہی نیک عمل انجام دے چکے ہو۔ حسین علیہ الصلوٰۃ والسلام ضرور تمہاری شفاعت فرمائیں گے۔ اب کوئی گناہ تمہیں نقصان نہیں پہنچا سکتا۔"

لیکن مومن کو چاہیئے کہ ان الفاظ سے مغرور اور مطمئن ہونے کی بجائے یوں جواب دے: "اگر مجھ سے گناہ سرزد ہوا تو میرے شفیع مجھ سے ناراض ہوں گے۔ اور یہ گناہ حسینؑ اور میرے درمیان حجاب بن جائے گا۔ واللہ اعلم کہ ایک گناہ کے ارتکاب سے میں اپنے شفاعت کرنے والوں سے کتنا دور ہو جاؤں گا۔ حسینؑ کی زیارت کی سعادت اور آپؑ کی سفارش کی نوازش پر غرور بھی تو ایک گناہ ہی ہے جو مجھے آپؑ کی شفاعت سے محروم کر سکتا ہے۔

ہاں صاحب تقویٰ خود روحانی طور پر اس سعادت پر ناز کر سکتا ہے لیکن وہ صورت تشکر کی ہوگی جس کیلئے خارج سے وعظ و نصیحت کی ضرورت نہ ہوگی کیونکہ خارج سے اس امر کی احتیاج اس وقت ہوتی ہے جب انسان کو خود ایسی سعادت کا شعور نہ ہو اور وہ اسے قابل تشکر نہ سمجھتا ہو۔ جناب امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام کا ارشاد ہے۔ "حقیقی طور پر سعادتمند وہ ہے جو خود اپنا واعظ اور ناصح ہو۔"

غیظ و غضب کی حالت میں شیطانی وسوسہ

کبھی ایسا ہوتا ہے کہ انسان جدال کے دوران غصے میں آجاتا ہے جس کے نتیجے میں اس کا مخاطب اس سے بدکلامی کرتا ہے۔ شیطان اس کے دل میں وسوسہ ڈالتا ہے کہ تو بھی ویسے ہی الفاظ جواب میں کہہ۔ لیکن تقوی کی برکت سے وہ فوراً خدا کو یاد کرتا ہے۔ اس کی عقل اُسے کہتی ہے کہ تمہارے مخاطب نے بُرا کیا اگر تم بھی بُرا کرو گے اور فحش کلامی کرو گے تو تم دونوں میں فرق کیا رہا؟ اُس نے فحش گوئی سے شیطان کی پیروی کی، تم بھی اگر فحش گوئی کرو گے تو ویسے ہی ہو جاؤ گے۔ ذکر کے فیض سے اس کا ضمیر اس کی رہنمائی کرے گا کہ غلط الفاظ کا جواب خدائے تعالےٰ کے دستور کے مطابق دے کہ "واذا خاطبھم الجھلاء قالوا سلاما"؛ (جب جاہل لوگ ان سے غلط انداز میں بات کرتے ہیں تو وہ اخلاق کی سلامتی کے ساتھ انہیں جواب دیتے ہیں۔) اگر ذکر کی بدولت اس نے ابلیسی وسوسہ کا سدِباب کر لیا تو بہتر ورنہ پھر ایک وہ کہے گا اور جواب میں اِدھر سے ایک یہ کہے گا اور انجام کار دونوں ایک دوسرے سے دست بگریباں ہو جائیں گے اور سوتے کا

وہ سوراخ جو اس کے پھوٹتے وقت ایک مشتِ خاک سے بند ہو سکتا تھا اب منوں مٹی سے بھی بند نہ ہو گا۔ اگر پہلے ہی ایک لفظ کو وہ برداشت کر جاتا تو یہ جھگڑا وہیں ختم ہو جاتا اور نوبت یہاں تک نہ پہنچتی۔

اب ہم وضاحت سے دیکھ سکتے ہیں کہ لوگ کس قدر شیطان کے پھندے میں گرفتار ہیں۔ حتیٰ کہ وہ بھی جو خود کو اہلِ تقویٰ سمجھتے ہیں متقی ہونے کے باوجود اگر تذکّر سے محروم ہیں تو دامِ ابلیس میں ان کا الجھنا بالکل ممکن ہے۔

آپ کے دل میں ایک ناصح اور واعظ کا وجود ضروری ہے جو آپ کو نصیحت کرے کہ غرور نے بچیں اور طفلانہ تصرفات سے باز رہیں۔ یاد رکھئے کہ مرد وہ ہے جو کام کے انجام کو دیکھے مثلاً اوپر ہی کی مثال میں اگر آپ غصے کے دوران دل کو ٹھنڈا رکھتے ہوئے جو بھی کرتے نقصان رساں نہ ہوتا لیکن کاش آپ کو معلوم ہوتا کہ دل کی اس ٹھنڈک نہ ہونے سے فساد کی کتنی آگیں بھڑکتی ہیں اور شیطان کی اس ایک لحظہ کی پیروی سے کتنے کتنے بڑے گناہ جنم لیتے ہیں۔؟!

ہر مومن پر لازم ہے کہ خود اس کے وجود میں وسائلِ تذکر موجود ہوں۔ زمانہ قدیم میں ایسے مومن موجود رہے ہیں جو اپنی زندگی میں اپنی قبر تیار کر کے اس میں کلام پاک کی تلاوت کرتے تھے تاکہ ان کے دل میں آخرت کی یاد تازہ رہے اور قبر کا اندرون نورِ تذکر سے روشن رہے۔

حزقیل کی عبرت

روایت ہے کہ جب حضرت داوؤدؑ سے ترکِ اولیٰ سرزد ہوا اور وہ کوہ و بیاباں میں جا کر آہ و زاری اور گریہ و زاری کرنے لگے تو چلتے چلتے وہ اس پہاڑ پر پہنچے جہاں ایک غار میں حزقیلؑ نبی مصروفِ عبادت تھے۔

جب حزقیلؑ نے پہاڑوں اور حیوانوں کا گریہ سنا تو سمجھ گئے کہ داوؤدؑ نبی آئے ہیں (کیونکہ داوؤدؑ جب زبور کی تلاوت کرتے تھے تو شجر و حجر و حیوان سب اُن کے ساتھ ہم آواز ہوتے تھے۔) داوؤدؑ نے غار کے نیچے آکر آواز دی: "اے حزقیلؑ! کیا مجھے اجازت ہے کہ آپ کے پاس اوپر آؤں؟" حزقیلؑ نے جواب دیا: "نہیں کیونکہ آپ گنہ گار ہیں۔" لیکن اللہ نے انہیں وحی فرمائی کہ: "داوؤدؑ کو ترکِ اولیٰ کی وجہ سے سرزنش نہ کریں بلکہ ہم سے ان کیلئے عفو و عافیت طلب کریں۔ کیونکہ جب ہم کسی کو اس کے حال پر چھوڑتے ہیں تو اس سے خطا ضرور سرزد ہوتی ہے۔"

پس حزقیلؑ نے داوؤدؑ کا ہاتھ پکڑا اور انہیں اپنے پاس لے گئے۔

داوؤدؑ نے حزقیلؑ سے پوچھا: "اے حزقیل! کیا آپ نے کبھی گناہ کا ارادہ کیا؟" انہوںؑ نے جواب دیا:

"کبھی نہیں۔" پھر انہوںؑ نے پوچھا:

"کبھی غرور میں مبتلا ہوئے؟" جواب دیا

"نہیں۔" پھر پوچھا:

"کبھی دنیا اور اس کی لذتوں پر آپ کا دل آیا؟" کہنے لگے:

"ہاں۔" پوچھا:

"تو آپ اس کا کیا علاج کرتے ہیں؟" انہوں نے کہا:

"غار کے اس شگاف میں داخل ہو جاتا ہوں اور جو کچھ وہاں دیکھتا ہوں اس سے عبرت حاصل کرتا ہوں۔"

داوؤدؑ ان کے ہمراہ اس شگاف میں داخل ہوئے۔ اندر دیکھا تو ایک لوہے کا تخت نظر آیا جس پر بوسیدہ ہڈیاں پڑی ہیں۔ اور ایک آہنی لوح اس تخت کے نزدیک رکھی ہے جس پر یہ عبارت لکھی ہے:-

"میں اروائی بن شلم نے ہزار سال حکومت کی۔ ہزار شہر آباد کئے اور ہزار کنواریوں کی بکارت زائل کی لیکن میرا انجام یہ ہے کہ میرا بستر خاک اور میرا تکیہ پتھر ہے اور میرا جسم کیڑوں مکوڑوں کی آماج گاہ ہے۔ پس جو کوئی مجھے دیکھے دنیا کا فریب نہ کھائے۔

(عین الحیواۃ مجلسی ص ۱۷۲)

دو مٹھی خاک کا بستر

دیکھا آپ نے ۔۔؟ کہاں وہ شہنشاہانہ قدرت و سطوت و تصرف اور کہاں وہ چاہ نشینی اور خاک گزینی! مومن کو چاہئے کہ خود اپنی ذات کو تلقین کرے کہ: بالفرض میں نے شیطان اور ہوائے نفس کی اطاعت کی اور دنیا اور اس کے لوازم کے پیچھے بھاگا لیکن یہ سرگرمی آخر کب تک؟ کیا اپنی ذات کے لئے ضرورت سے زیادہ سرگرم شخص ہمیشہ زندہ رہتا ہے؟؟ مجھے چاہئے کہ جو کچھ بھی بن پڑے اور جیسے بھی ممکن ہو اس بادشاہ جیسا نہ بنوں اور اس جیسا میرا انجام نہ ہو۔۔۔۔۔"!

آخری جس کا ٹھکانا ایک مٹھی خاک ہو ۔۔۔ کیوں بنائے زندگی میں قصر وہ گردوں شگاف

ہمارا موضوعِ سخن تذکّر ہے۔ جو انسان خود کو آزاد چھوڑ دیتا ہے اور خدا کو یاد نہیں کرتا وہ کہیں کا نہیں رہتا۔ انسان کو چاہئے کہ کردار میں پہاڑ جیسا ہو نہ کہ تنکے جیسا جو شیطان کے ہر وسوسے کی لہر میں بہہ جاتا ہو۔ اسے چاہئے کہ دنیا کی ظاہری چکاچوند

کو خاطر میں نہ لائے بلکہ اس کے انجام کو دیکھے جو بہر حال فنا اور نابودی ہے۔

قبروں پر جانا چاہئے

بہر حال یہ بہت ضروری ہے کہ خود آپ کا نفس آپ کا ناصح اور واعظ ہو۔ یہ جو شرع مقدس میں قبروں اور بالخصوص والدین کی قبروں کی زیارت کی اتنی تاکید وارد ہوئی ہے، کس لئے ہے؟ اسی لئے ہے کہ ان کے لئے فاتحہ پڑھئے تاکہ انہیں ثواب واصل ہو۔ ان کے لئے صدقہ دیجئے کہ اُن کی روحوں کو فائدہ پہنچے۔ بلکہ ارشادِ نبویؐ ہے کہ والد کی قبر پر جاؤ کیوں کہ وہ دعا کی قبولیت کا مقام ہے ...

اور اس کا سب سے بڑا فائدہ خود آپ کی ذات کو ہے کہ آپ جان لیں کہ والد نہیں رہے تو ہم بھی نہیں رہیں گے، جلد یا بدیر ان سے جا ملیں گے۔ اس دو روزہ زندگی کا فریب مت کھائیے۔ شیطانی وسوسے میں نہ آیئے اور ہر وقت خدا اور روزِ جزا کو یاد رکھئے۔

جنابِ زہراؑ شہدائے احد کی قبور پر

صدیقہ کبریٰ جناب فاطمہ زہرا صلوات اللہ علیہا کی سیرت طیبہ میں آیا ہے کہ بعد وفات حسرت آیاتِ سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آپؑ کو ایسی ایسی گستاخانہ باتیں سننا پڑیں جن سے آپؑ بیمار ہو گئیں۔ لیکن پھر بھی سوموار اور جمعرات کو آپؑ اپنے شوہر نامدار علیہ السلام کی اجازت سے اُحد میں اپنے جد امجد جناب حمزہؑ اور دیگر شہدائے احد کی قبروں پر تشریف لے جاتیں۔

خود حضورؐ اپنے مرض الموت کے دوران باوجود شدت بخار اور ضعف و نقاہت کے فرماتے تھے: "میری بغلوں میں ہاتھ دو اور مجھے قبرستان بقیع میں پہنچاؤ"

اے بار خدایا ہمیں اہل ذکر و تذکر بنا۔ بحق محمدؐ و آل محمدؐ

مجلس ۱۵

بِسمِ اللّٰہِ الرَّحمٰنِ الرَّحِیمِ ۔ اِنَّ الَّذِینَ اتَّقَوا اِذَا مَسَّھُم طٰائِفٌ مِّنَ الشَّیطَانِ تَذَکَّرُوا فَاِذَا ھُم مُّبصِرُونَ

(الاعراف: ۲۰۱)

پچھلی رات ہم نے ارکانِ استعاذہ میں سے دوسرے رکن کے بارے میں کچھ بیان کیا۔ آج رات بھی ہم ابلیسی وسوسوں کے مقابل میں تذکّر کے کچھ دیگر معانی کا ذکر کریں گے۔

نبی صلعم سے ایک حدیثِ پاک مروی ہے جس کی صحت پر مسلمانوں کے تمام مکتب فکر متفق ہیں اور سب نے اُسے نقل کیا ہے۔ ارشادِ نبویؐ ہے: "الامور ثلاثۃ ـ امر بیّن رشدہ وامر بیّن غیّہ وامر بین ذالک" (ہدایت والے امور ـ گمراہ کن امور اور ہدایت اور گمراہی کے درمیانی اُمور)۔

یقینی طور پر اچھی چیزیں: (ہدایت والے امور)

کسی کام کے کرنے یا نہ کرنے کے بارے میں انسان کے دل میں جتنے بھی خیالات آتے ہیں۔ انہی تین صورتوں میں منحصر ہوتے ہیں اگر کوئی کام ایسا ہو کہ اس کی خوبی اور اچھائی بالکل روشن ہو اور وہ سراسر خیر ہو تو اس کے بارے میں پاکیزہ اور رحمانی خیالات دل میں پیدا ہوں گے اور ایک روحانی تقاضا اس کی انجام دہی کا ذہن میں ابھرے گا۔ اگر اس طرح کا خیال کسی کام کے بارے میں آپ کے دل میں آئے جس کے مکمل طور پر خیر ہونے کے بارے میں آپ کو سو فیصدی یقین ہو اور ذرا سا بھی شائبہ شبہے کا اس میں نہ ہو تو پورے عزم صمیم اور پختہ ارادے کے ساتھ اسے انجام دیں۔ ایسے اعمال واجبات کی ذیل میں آتے ہیں۔

قطعی طور پر بُرے کام (گمراہ کُن امور)

اگر آپ کے دل میں کسی ایسے کام کا خیال آئے جس کے شیطانی ہونے کا آپ کو یقین ہو اور اس کے سراسر شر ہونے میں کسی قسم کے شبہے کی گنجائش آپ کے ذہن میں نہ ہو تو انگیخت کے باوجود آپ تذکّر کے فیض سے اسے کرنے کا ارادہ نہیں کریں گے اور اللہ تعالےٰ کے احکام سے شناسائی کی وجہ سے اسے گمراہی سمجھتے ہوئے اس کے خیال کو رد کر دیں گے یہی مفہوم ہے: "فاذاھم مبصرون" کے الفاظ کا۔

شُبہ کے مقامات (ہدایت اور گمراہی کے درمیانی امور)

تیسری قسم میں وہ خیالات ہیں جن کے بارے میں انسان فیصلہ نہیں کر سکتا کہ رحمانی ہیں یا شیطانی۔

بہت سے ایسے مباحات ہیں جن کے متعلق ہمیں علم نہیں ہوتا کہ کہاں سے اور کیسے ہمارے دل میں آئے۔ ایسے مواقع پر ہمیں کیا کرنا چاہئے۔

وہ لوگ جو کامل تقویٰ کا مرتبہ پا چکے ہیں، اللہ تعالےٰ کے حضور معزز و مقرب ہیں اور ایسے روشن ضمیر ہیں کہ تقویٰ کے نور کا پورا احساس رکھتے ہیں، خود بخود سمجھ لیتے ہیں کہ کوئی کام اچھا ہے یا بُرا ـــــ اُن کی بصیرت اتنی قوی ہوتی ہے کہ پوری وضاحت سے کسی امر کے رحمانی یا شیطانی ہونے کا ادراک کر لیتے ہیں لیکن ایسے افراد کی تعداد بہت کم ہے اور وہ انگلیوں پر شمار ہو سکتے ہیں۔

احتیاط ضامنِ نجات ہے

اور اکثر لوگ جو اِس حدِ کمال تک نہیں پہنچ سکے اور تقویٰ کے نچلے درجات پر فائز ہیں، وہ بھی تذکّر کے فیض سے تاوقتیکہ انہیں کسی کام کے رحمانی ہونے کے بارے میں پورا یقین نہ ہو جائے وہ اُسے کرنے کا خیال دِل میں نہیں لاتے خواہ وہ ظاہر میں کتنا ہی جاذب نظر ہو کیونکہ عین ممکن ہے کہ اس میں کوئی ایسی خرابی موجود ہو جس سے اس کے ایمان کو کوئی نقصان پہنچے اور وہ خطرے سے دوچار ہو جائے۔ اسی لئے ارشاد ہوا کہ: "قِف عند الشبهه"۔ (جب تمہیں کسی امر کے رحمانی اور حلال ہونے میں شبہ ہو تو اس پر عمل کرنے سے توقف کرو) جس لقمے پر تمہیں حرام ہونے کا شک ہو یقین و اطمینان حاصل ہونے تک اسے کھانے سے باز رہو ـــــ

کسوٹی

شرعِ مقدس میں امورِ دنیا کے بارے میں حیرت و تردد کے ازالے اور اچھے بُرے کی پرکھ کے لئے ائمہ ہدیٰؑ کے ارشادات وارد ہیں جن کا اہل تقویٰ تک پہنچنا ضروری ہے تاکہ وہ ان پر عمل پیرا ہو کر اپنی عاقبت سنوار سکیں۔ ان مقدس ہستیوں کا مقرر فرمودہ معیار یہ ہے: ہر وہ عمل جو انسان کے نفس کی خواہش کے مطابق ہوگا، شیطانی ہوگا اور جو اس کے میلان کے خلاف ہوگا، رحمانی ہوگا۔

بعض کام ایسے ہوتے ہیں کہ نفس کا میلان ان کی طرف ہوتا ہے مثلاً ایک سفر درپیش ہے جو اس کے نفس کے میلان کے خلاف نہیں لیکن وہ نہیں جانتا کہ اس میں خدا کی رضا ہے یا شیطان کی؟ اور بعض اوقات تو یہ سفر غیر معمولی طور پر اسے اچھا لگتا ہے جب یہ صورت ہو تو اسے جان لینا چاہئے کہ اس عمل کا محرک کوئی ناپاک شیطانی خیال ہے جس کا مقصد اُسے اس سفر کے

ذریعے کسی فعل حرام میں مبتلا کرنا ہے یا کم از کم کسی فعل واجب سے محروم کرنا ہے۔

لیکن جب آپ محسوس کریں کہ آپ کا نفس اس کی طرف مائل نہیں تو جان لیجئے کہ وہ ضرور رحمانی ہے اور آپ کو چاہئے کہ اُسے کر گزریں کیونکہ وہ خیر ہی خیر ہے۔

اس کے ساتھ ساتھ یہ بھی مخفی نہ رہے کہ یہ معیار ہر شخص کے لئے نہیں کیونکہ اکثر لوگ ہوس پرستی کی طرف میلان رکھتے ہیں اور ان حقائق سے اُن کا کوئی تعلق نہیں۔

استخارہ تردّد میں رہنمائی کرتا ہے۔

روایات میں آیا ہے کہ جب آپ دوراہے پر ہوں اور نہ جانتے ہوں کہ کون سا رستہ رحمانی ہے اور کونسا شیطانی تو اللہ تعالےٰ سے استخارہ کرنے سے درست راہ مل جاتی ہے

استخارہ یا "طلب الخیرہ من اللّٰہ" (اللہ تعالےٰ سے خیر طلب کرنا) کہ اے اللہ میں حیران ہوں نہیں جانتا کہ اس کام میں تیری رضا ہے یا نہیں، اپنے فضل و کرم سے مجھ پر اپنی رضا روشن فرما ـــــ

لیکن یہ صورت حال ضروری طور پر دعا کو مستلزم ہے کیونکہ استخارہ حقیقت میں دعا ہی ہے۔

بعض لوگ استخارے کو غلط سمجھے ہیں

مسلمانوں نے خود میں ایک بری عادت پیدا کر لی ہے، وہ استخارہ مالی منفعت کے حصول کے لئے کرتے ہیں۔ یہ استخارہ تو نہ ہوا کیونکہ استخارہ تو جیسے عرض کیا گیا، ایک دعا ہے جس کے ذریعے اللہ تعالےٰ سے خیر طلب کی جاتی ہے جس میں اس کی رضا ہو۔

قبر مقدس نبیؐ پر جناب امام حسینؑ کا استخارہ۔

جناب ابی عبداللہ الحسینؑ نبیؐ کی قبر مطہر پر حاضر ہوئے اور بہت رو کر اللہ تعالےٰ سے یوں التجا کی: پروردگار! "آپ گواہ ہیں کہ میں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر چاہتا ہوں۔ اس بارے میں آپ مجھ پر اپنی رضا روشن فرمائیں"۔

اور پھر نبیؐ نے آپ کو اللہ کی رضا سے مطلع فرمایا کہ کربلا کو جائیں۔

بہتر یہ ہے کہ اس ضمن میں آپ اپنے آقا و مولا جناب امام زین العابدین سید الساجدینؑ کی اقتدا کریں۔ آپؑ کی دعا کو جو صحیفہ سجادیہ میں ہے پڑھئے۔ عرض کرتے ہیں: پروردگار! جب کبھی میرا دل دو خیالوں میں مبتلا ہو۔ ایک خیال ایسے کام کا ہو جس میں آپؐ

کی رضا ہو جبکہ دوسرا ایسے کام کیلئے ہو جو آپ کے غضب کا مورد ہو (اور شیطان کی اس میں رضا ہو) تو اے اللہ میرے ارادے کو
اپنی رضا کے مطابق بنادیں۔(۱) (صحیفہ سجادیہ)۔

استخارہ تسبیح یا قرآن مجید سے

اگر دعا سے آپ کی حیرت و تردد دور ہو گیا فبہا ورنہ جیسا کہ روایات میں وارد ہوا ہے، آپ مجاز ہیں کہ تسبیح یا قرآن مجید سے اپنا تردد رفع کریں۔ لیکن اس کی دو شرطیں ہیں ایک تو یہ کہ آپ
کو حالت دعا میں ہونا چاہئے یعنی اس کیفیت میں کہ اے پروردگار اپنے کلام پاک کی برکت سے مجھے ورطہ حیرت و تردد سے نجات عطا
فرما اور دوسری بنیادی شرط یہ ہے کہ آپ قرآن پاک کی آیات کو سمجھ سکتے ہوں اور ان سے اپنے موضوع کے بارے میں صحیح مطلب اخذ کر سکتے ہوں۔

حکایات عجیب دربارہ استخارہ

اصفہان میں ایک بڑا آدمی خسرہ کے مرض میں مبتلا ہوا۔ علاج کے بعد پرہیز یہ تجویز ہوا کہ بالخصوص پرخوری سے باز رہے ورنہ مرض واپس آسکتا ہے۔ اسی دوران میں
اصفہان کے ایک بڑے عالم نے اس کے خاندان کی دعوت کی۔ جب دسترخوان پر انواع و اقسام کے رنگین و لذیذ کھانے چنے گئے
تو یہ حضرت گومگو میں مبتلا ہو گئے کیونکہ اگر کھاتے ہیں تو پرہیز ٹوٹتا ہے اور یقینی ضرر کا اندیشہ ہے اور اگر نہیں کھاتے تو خود پر بھی ناگوار ہے اور
صاحب خانہ کو بھی ناگوار گذرے گا۔ آخر کار اس نے کھانے کے بارے میں قرآن مجید سے استخارہ کیا۔ سورہ نحل کی ۶۹ ویں آیت "ثم کلی
من کل الثمرات"۔ نکلی جو شہد کی مکھی کی طرف وحی تکوینی کے طور پر آئی ہے کہ سب پھل کھا۔ (اور خوب شہد تیار کر)۔
بس پھر کیا تھا۔ ان صاحب نے آستین چڑھالیں۔ ایک زمانے سے پرہیز سے تو تھے ہی۔ اتنا کھایا کہ اگلی پچھلی سب کسریں
پوری کر دیں۔ نتیجہ یہ ہوا کہ آپ الفاظ قرآن کی غلط فہمی کی وجہ سے بد پرہیزی کی بھینٹ چڑھ گئے۔ مجلس دعوت مجلس تعزیت میں بدل گئی
اور آپ کی بجائے آپ کا جنازہ اس گھر سے نکلا۔
اس کے بعد استخارہ کے بارے میں گفتگو ہوئی تو ایک عالم نے فرمایا: اس آیہ مبارکہ کا روئے سخن شہد کی مکھی کی طرف ہے
اور یہ حضرت مرحوم بھی سیر کھانے سے اتنا سا ہی لیتے جتنا شہد کی مکھی ہر پھول یا پھل سے لیتی ہے اور تھوڑا کھاتے تو ہرگز کوئی ضرر نہ اٹھاتے۔
یہ حکایت بیان کرنے سے غرض یہ ہے کہ قرآن سے استخارہ کرنا اور اس سے صحیح مطلب اخذ کرنا آسان نہیں، ہاں اگر صحیح
کیفیت دعا میں ہوں اور قرآن پاک کی آیات سے استفادہ مفہوم کی صلاحیت موجود ہو تو کوئی حرج نہیں۔

۱: واذا ھممنا بھمین احدھما یرضیک والآخر یسخطک فمل بنا الی ما یرضیک"

قرآن استخارہ کے لئے نہیں نازل ہوا

یہ قرآن پاک استخارے کیلئے نہیں بلکہ اللہ کی معرفت عطا کرنے اور بندگی کی رسم و راہ اور آدابِ انسانیت سکھانے کے لئے نازل کیا گیا ہے۔ اس
کے نزول مبارک کی غرض ہمیں یہ بتانا نہیں کہ کسی دنیوی معاملے میں ہمیں فائدہ ہوگا یا نقصان۔ یا مثلاً یہ کہ کیا گھر کا حوض تبدیل
کرنا ہمارے لئے سودمند ہوگا یا برعکس۔ یہ استخارہ نہیں فال ہے۔
امور کے خیر و شر کی جانچ کیلئے جو معیار ہمیں دیا گیا ہے اس کا سمجھنا اور اس پر عمل کرنا ضروری ہے یعنی ہر وہ امر جو آپ کے نفس پر
گراں ہو خیر ہے اور رحمانی ہے۔ خدا کی راہ میں مال خرچ کرنے سے انسان زیر بار نہیں ہوتا۔
ہم بہرحال مذکورہ بالا دو شرطوں کی پابندی کے ساتھ استخارے کے منکر نہیں ہیں۔ نماز کی تعقیبات میں: "اللّٰھم اھدنی
من عندک"۔ (بار الہا مجھے اپنے فضل و کرم سے ہدایت فرما) نہ صرف حصولِ ثواب کے ارادے سے پڑھیں بلکہ اس کی عبارت
اور معنی سے جدا ہو کر بھی اس کا ورد کریں۔ کہ خدایا مجھے ہلاکت و ضلالت سے محفوظ رکھ ۔ اے اللہ میرے دل کو خیالاتِ شر کی بے
روی سے اپنی پناہ میں رکھ۔

قرآن سے فال لینا درست نہیں

یہ قرآن پاک سے ایسے استخارہ جات اور فال گیری جو آئندہ حالات کی پیش بینی کے لئے ہوں جائز نہیں۔ مثلاً ماں اپنی بیٹی کو بیاہنا چاہتی ہے، اور یہ جاننے کیلئے
کہ اس کا انجام کیا ہوگا، استخارہ کرتی ہے، یا اس مقصد کے لئے کسی بزرگ کے پاس جاتی ہے جو اس کا انجام برا بتاتا ہے۔ اور اس
کا دل پریشان ہو جاتا ہے۔ پھر دوسری جگہ جاتی ہے۔ وہ عامل صاحب اس شادی کو مبارک اور خوش انجام بتاتے ہیں تو وہ دل ہی دل
میں الجھ جاتی ہے کہ خدایا یہ کیسے ممکن ہے کہ ایک ہی چیز اچھی اور خوش انجام بھی ہو اور بُری اور بد انجام بھی ـــــ
لہٰذا سب سے پہلے اُسے یہ دیکھنا چاہئے کہ اس نے کس جواز کی بنا پر یہ کام کر کے یہ درد سر خریدا۔ اُسے شرع مقدس کے احکام
کو دیکھنا چاہئے کہ وہ اس بارے میں کیا ہیں۔

استخارہ کے بارے میں تصنیفات

غواصِ بحارِ علوم آلِ محمد علیہم السلام علامہ مجلسیؒ نے ایک مستقل کتاب "مفاتیح الغیب" کے نام سے تالیف کی ہے جس میں انہوں نے استخارہ کے متعلق وارد شدہ تمام
روایات کو جمع کیا ہے۔ اس موضوع پر دوسرے علماء نے بھی رسالے تحریر کئے ہیں۔ لیکن لوگوں کی اکثریت حقیقت سے بے خبر ہے۔

علامہ مرحوم نے مذکورہ بالا کتاب کے شروع میں استخارے کی خوبی اور ضرورت کے بارے میں چند روایات نقل کرکے تمام امور میں اللہ تعالیٰ سے خیر و صلاح طلب کرنے کے بارے میں لکھتے ہیں:

جاننا چاہئے کہ استخارہ کی چند اقسام ہیں

۱۔ ہر اس کام میں جس کا آپ ارادہ کریں، اللہ تعالیٰ سے وسیلہ پکڑیں اور اس سے اس امر میں خیر طلب کریں اور بعد میں جو کچھ بھی اس کا انجام ہو اس سے راضی بہ رضائے خدا رہیں۔ اور سمجھ لیں کہ خیر و صلاح اسی میں ہے۔

۲۔ اللہ تعالیٰ سے طلب خیر کرنے کے بعد اپنے دل کی طرف متوجہ رہیں اور جیسا وہ چاہے ویسا کریں۔

۳۔ اللہ تعالیٰ سے طلب خیر کے بعد کسی مومن سے مشورہ کریں اور جیسا وہ کہے ویسا عمل کریں۔

۴۔ استخارہ قرآن سے یا تسبیح سے یا پرچیوں سے یا گولیوں سے کریں۔ اس کی تفصیل آگے آرہی ہے۔"

پھر کہتے ہیں: "بہت سی احادیث پہلی قسم کے استخارہ کی طرف اشارہ کرتی ہیں اور بہت سے علمائے کرام مثلاً شیخ مفید[؟] محقق طوسیؒ اور ابن ادریسؒ کو قسم چہارم میں تامل ہے۔ لیکن چونکہ احادیث ہر چہار قسم کے بارے میں وارد ہیں لہٰذا کسی سے بھی انکار ممکن نہیں۔ بہر حال استخارہ کی پہلی تین صورتیں بہترین ہیں جو کہ ہمارے زمانے میں تقریباً متروک ہو چکی ہیں۔"

"بہت سے نوجوان مدرسی امتحانات کے زمانے میں آتے ہیں کہ جناب ذرا استخارہ دیکھئے کہ میں کامیاب ہونگا یا نہیں۔ ہم مختصراً شرع مقدس کے دستور کا اس بارے میں ذکر کرتے ہیں۔ آپ براہِ کرم دوسروں تک ہمارے یہ الفاظ پہنچا دیجئے کہ اس غلط روش کو چھوڑ دیں اور دین سلیم کو خرافات سے آلودہ نہ کریں۔

استخارہ کے بارے میں واضح تاکیدات

استخارہ اُن موضوعات میں سے ہے جن کے بارے میں مسلمانوں کے تمام مکاتب فکر کی روایات کے مطابق نبیؐ سے بہت تاکید وارد ہوئی ہے چنانچہ آپؐ کے ارشاد کے مطابق کسی بھی چھوٹے یا بڑے کام میں اسے ترک نہ کرنا چاہئے۔

امیر المومنین جناب علیؑ کا فرمان ہے "یمن کے سفر میں جس پر میں نبی علیہ السلام کے حکم پر روانہ ہوا تھا حضور علیہ السلام کے دیگر ارشادات میں ایک یہ تھا کہ "اے علیؑ اس سفر کے دوران کسی مقام پر بھی استخارہ ترک نہ کرنا" ـــــ (ما حار من استخار و ما ندم من استشار : استخارہ کرنے والا پریشان نہیں ہوتا اور نہ ہی دوسروں سے مشورہ کر لینے والا پچھتاتا ہے۔)

ہر امامؑ نے دوسرے امامؑ کو استخارہ کی اتنی ہی تاکید فرمائی ہے جتنی قرأتِ قرآن کی ـــــ یہ استخارہ جس کی اتنی تاکید وارد ہوئی ہے، اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ تسبیح کے دانوں کا طاق جفت دیکھ لیا جائے۔ بلکہ اس کا مقصد "طلب الخیرۃ من اللہ" ـــــ اللہ تعالیٰ سے طلب خیر ہے۔ ہر کام جو آپ کریں اُس کے بارے میں اللہ تعالیٰ سے خیر و رضا طلب کریں۔

پھر استخارہ کی کیفیت، اس کا طریقہ اور اس کی دعا کے بارے میں مختلف روایات ہیں۔ ایک یہ ہے کہ جزوی کاموں میں سات مرتبہ "استخیر اللہ برحمتہ خیرۃ فی عافیۃ" کہیں جبکہ ضروری اُمور مثلاً سفر، معاملہ یا جراحی وغیرہ میں یہی الفاظ ایک سو ایک بار کہیں۔ اور اگر یہ الفاظ سجدے کی حالت میں کہے جائیں تو بہت بہتر اور اگر وہ سجدہ نماز نافلہ کا یا نافلہ نمازِ صبح کا ہو تو کیا ہی کہنے ہیں! دعا کی یہ بہترین کیفیت ہے۔

ایک دوسری روایت میں ہے کہ سید الساجدین جناب امام زین العابدینؑ جزوی امور میں دس مرتبہ اور ضروری امور مثلاً سفر، عمرہ وغیرہ کے موقعہ پر یہی الفاظ دو سو مرتبہ فرماتے تھے۔

الغرض بہت تاکید اس امر کی وارد ہوئی ہے کہ اللہ تعالیٰ سے انسان طلب خیر سجدہ کی حالت میں کرے جو اللہ تعالیٰ سے اس کے قرب کا وقت ہوتا ہے۔ اب اگر انسان یہی رویہ اختیار کرے اور اس میں متردد نہ ہو تو اس کے ہاتھوں ہونے والا ہر کام خیر و برکت کا حامل ہوگا اور اگر اسے تردد و حیرت لاحق ہو تو اُسے رفع کرنے کے لئے شرعِ اطہر میں جو طریقے وارد ہوئے ہیں ان کا مطالعہ کرے۔

رفع حیرت کیلئے مشورہ

سب سے بہتر وہ مشورہ ہے جو نصِ قرآنِ مجید (وشاورھم فی الامر) کے مطابق ہو اور وہ ہر شخص سے نہیں بلکہ اس شخص سے کیا جائے جو ـــــ

۱۔ عاقل، زیرک اور دور اندیش ہو ـــ بنا بریں بیوقوف آدمی سے مشورہ جائز نہیں۔

۲۔ دیندار اور متقی ہو۔ بے دین یا دین سے بے پرواہ شخص سے مشورہ نہیں کرنا چاہئے۔ جو شخص اللہ تعالیٰ سے خیانت کرتا ہو۔ آپ کے ساتھ کب دیانت برت سکتا ہے۔

۳۔ آپ کا محب، دوست اور خیر خواہ ہو۔ ایسے انسان سے جو آپ کا دشمن ہو اور آپ کا خیر خواہ نہ ہو مشورہ سے گریز کریں۔

۴۔ آپ کا راز دار ہو اور اسے دوسروں پر فاش نہ کرے۔

اگر کسی شخص میں یہ چار صفات ہوں، اس سے ضرور مشورہ کیجئے۔ وہ خدا جس سے آپ نے طلبِ خیر کیا ہے، اس شخص کی زبان سے آپ کو اس امر کی خیر و صلاح کے بارے میں مطلع فرمائے گا۔

ائمہ علیہم السلام مشورہ کرتے تھے

علامہ مجلسیؒ نے حضرت امام رضاؑ سے روایت کی ہے کہ آپؑ نے فرمایا: "میرے والد بزرگوار جناب موسیٰ بن جعفر الصادقؑ باوجود اس کے کہ خود عاقل ترین زمانہ تھا، کبھی اپنے غلام سے بھی مشورہ فرماتے تھے۔ مثلاً کسی امر کا ارادہ فرماتے تو اپنے خیر اندیش غلام سے مشورہ فرماتے اور اگر اس کام میں مصلحت ہوتی تو اسے انجام دیتے۔

آپ سے ایک دفعہ کہا گیا کہ آپ امام زمانہ ہو کر ایک غلام سے مشورہ کرتے ہیں۔ مطلب یہ تھا کہ امام زمانہ ہونے کی حیثیت میں آپ کو ہر چیز کا ہر شخص سے زیادہ واقف ہونا چاہئے۔ آپ نے فرمایا: "تم کیا جانو۔ کیا یہ ممکن نہیں ہے کہ اللہ تعالےٰ میری خیر و صلاح کو اس کی زبان پر جاری فرمادے۔"

لہٰذا جن امور میں انسان متردد و متحیر ہو اُن میں سے حسب رویۂ نبی رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم و ائمہ طاہرین معصومینؑ اور حسب فرمودہِ صریح قرآنِ مجید عمل کرنا چاہئے۔

استخارہ ذات الرقاع (پرچیوں سے استخارہ)

اگر کسی وقت مشورہ میسر نہ ہو یا میسر تو ہو لیکن باہم معارض ہو (آپ نے چار شرطوں کے حامل ایک شخص سے مشورہ کیا تو اس نے آپ کے ارادے سے موافقت کی لیکن دوسرے برابر کے ثقہ شخص نے مخالفت کی تو اس صورت میں رفعِ حیرت و تردّد کیلئے آپ کو اس ترکیب پر عمل کرنا چاہئے: چھ پرچیاں لیں اور ہر ایک پرچی پر بسم اللہ الرحمٰن الرحیم خیرۃ من اللہ العزیز الحکیم لفلاں بن فلانہ (اپنا اور اپنی والدہ کا نام لکھیں)۔ پھر ان میں سے تین پر عبارت کے نیچے "افعل" اور باقی تین پر اسی جگہ "لا تفعل" تحریر کریں۔

ان چھ عدد پرچیوں کو مصلائے نماز کے نیچے رکھیں اور دو رکعت نمازِ استخارہ پڑھیں۔ سلام کے بعد (یا آخری سجدہ کے بعد) سجدہ میں جائیں اور ایک سو مرتبہ استخیر اللہ برحمتہ خیرۃ فی عافیہ کہیں۔ پھر فارغ ہو کر پرچیوں کو باہم گڈمڈ کر دیں اور

ایک ایک کر کے پرچیوں کو اٹھا کر کھولیں۔ اگر تین پر یکے بعد دیگرے "افعل" نکلے تو بہت اچھا ہے۔ اگر تین پر متواتر "لا تفعل" نکلے تو بہت بُرا ہے۔ اور اگر کچھ پر "افعل" اور کچھ پر "لا تفعل" ہو تو پانچ پرچیاں نکالیں۔ اگر تین پر "افعل" ہو اور دو پر "لا تفعل"۔ تو اچھا ہے، اس کام کو کریں اور اگر تین پر "لا تفعل" نکلے اور دو پر "افعل" تو برا ہے، اس کو نہ کریں۔

پرچیاں بہر حال بالکل ہم رنگ اور مشابہ ہونی چاہئیں۔

اور اگر دعا و نماز وغیرہ کی فرصت نہ ہو تو فہم آیات اور ان کی مقصد استخارہ کے ساتھ تطبیق کی صلاحیت کی صورت میں قرآن مجید سے بھی استخارہ کیا جا سکتا ہے۔

شیخ طوسیؒ نے تہذیب میں روایت کی ہے کہ یسع بن عبداللہ قمی ایک دن جناب امام جعفر صادقؑ کی خدمت میں یوں عرض گذار ہوئے: "میں کسی کام کا ارادہ کرتا ہوں لیکن میری رائے اثبات یا نفی میں دو ٹوک انداز میں قائم نہیں ہوتی۔" آپؑ نے فرمایا: "جب نماز کے ارادے سے قیام کرے تو دیکھ دل میں کیا بات آئی ہے، اسی پر عمل کر کیونکہ یہ وہ وقت ہوتا ہے کہ جب شیطان انسان سے دور ترین ہوتا ہے یا اُس وقت قرآن مجید کھول اور اس کے مطابق عمل کر۔"

دوسروں کیلئے استخارہ

یہ جو ہمارے زمانے کی رسم ہو گئی ہے کہ قرآن مجید کے اوپر نیک یا بد لکھ دیا جاتا ہے یا کسی عالم کے پاس استخارے کے لئے جاتے ہیں۔ علامہ مجلسیؒ فرماتے ہیں کہ ہمارے پاس نمونے کے طور پر کوئی ایسی روایت موجود نہیں کہ کبھی کوئی شیعہ امامؑ کی خدمت میں استخارے کی غرض سے آیا ہو۔ اس کام کی کوئی اصل نہیں ہے۔

اسی لئے بعض فقہا دوسروں کیلئے استخارہ کرنے میں اشکال دیکھتے ہیں۔ لیکن مجلسی مرحوم اور کچھ دوسرے علمائے اعلام ایسے افراد کیلئے جو خود دعا، و استخارہ وغیرہ نہ کر سکتے ہوں وکیل کے طور پر ایک مومن کو دوسرے مومن کی خواہش کے احترام میں قرآن مجید کھولنے کی اجازت کے قائل ہیں بشرطیکہ قرآن کھولنے والا صحیح حالتِ دعا میں ہو اور قرآنی آیاتِ شریفہ کا معنی سمجھتا ہو۔

بہت سے فقہا، قرآن سے استخارے کو جائز نہیں سمجھتے۔ اگر آپ کو کسی امر کے ارادے میں حیرت و تردد لاحق نہ ہو تو استخارہ کی ضرورت نہیں بلکہ اللہ تعالےٰ کے توکل پر اس کو کر ڈالنا چاہئے۔ واذا عزمت فتوکل علی اللہ۔ (جب ارادہ کر لیا تو اللہ پر توکل کر کے اس کام کو کر ڈالئے) لیکن اگر تردد موجود ہو تو اسی طرح سے جیسا کہ ذکر کیا گیا یا الہام و القاء یا مشورہ یا پرچیوں کے ذریعے اور یا پھر قرآن مجید سے (بشرطیکہ کیفیت دعا اور فہم آیات کی صلاحیت ہو) یا تسبیح کے ذریعے استخارہ کرنا جائز ہے۔ جس نکتہ پر ہم نے زور دیا ہے وہ اللہ تعالےٰ سے طلب خیر ہے اور وہی حقیقت استخارہ بھی ہے۔

رُکنِ سوم :

توکُّل

مجلس ۱۶

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ــــ اِنّہ لیس لہ سلطان علی الّذین آمنوا وعلی ربّھم یتوکّلون (النحل : ۹۹)

توکل ــــ توحید افعالی کا لازمی جزو

توکل کا موضوع دین مقدس اسلام کے اہم موضوعات میں سے ہے کیونکہ حقیقت توحید یعنی توحید افعالی کا لازمہ اللہ تعالےٰ پر توکل ہے۔ بالفاظ دیگر مسلمان وہ ہے جو نفع کے حصول اور ضرر کے دفع کرنے میں صرف اللہ تعالےٰ پر بھروسہ رکھے اور یہی معنی و مفہوم لا الٰہ الّا اللہ ولا حول ولا قوۃ الّا باللہ العلی العظیم ـ حوقلہ (یعنی لا حول ولا قوۃ اِلّا باللہ کہنا) جنت کے دروازے کی چابی ہے اور توحید افعالی ہے یعنی انسان اس بات کا یقین کرلے وہ کوئی آزاد حیثیت نہیں رکھتا اور مشیّتِ ایزدی کے مقابلے میں اس کی اپنی خواہش کی کوئی حیثیت نہیں۔ اُسے چاہئے کہ مسبب الاسباب یعنی سبب سازہستی کے وجود کو مانے۔ "کُن" کے اثر سے مخلوقات کے وجود میں آنے کا سبب پہچانے۔ اور اس اثر کو یعنی کائنات کے وجود کو اس مسبب حقیقی کی قدرت کا کرشمہ سمجھے اور خود بخود از خود وجود میں آئی ہوئی چیز نہ جانے۔

اسباب کی پیروی اللہ کے بھروسے پر

اسباب دنیا کے حصول کی کوشش انسان ضرور کرے لیکن مسبب اسباب جلّ شانہٗ پر توکل کے ساتھ کرے۔ نفع کے حصول اور ضرر کے دفعیہ کیلئے خواہ دینی ہو یا دنیوی اس کے دل کی قوت کا منبع اللہ تعالےٰ پر توکل ہونا چاہئے۔ دنیوی منفعت کے بارے میں اس کا عقیدہ وایمان یہ ہونا چاہئے کہ اگر خدا چاہے گا اور الٰہی مصلحت اس میں ہوگی تو دنیاوی نفع اسے ضرور ملے گا۔ ورنہ نہیں۔ اور اخروی نعمت سے متعلق اسے سمجھنا چاہئے کہ اس کا فرض صرف یہ ہے کہ اللہ تعالےٰ کے احکام کما حقہا بجا لاتا رہے اور اس کی رحمت پر بھروسہ کرکے بد انجامی کے کھٹکے کو دل سے نکال دے۔

اللہ تعالےٰ کا فرمان ہے کہ اے انسان اپنے دنیوی کاروبار کے لئے تگ و دو ضرور کر لیکن لالچ اور حرص سے آزاد رہ۔

اسباب دنیا کے حصول کی کوشش ضرور کر لیکن حرام کے قریب نہ جانا۔ اگر تیرا وکیل تجھے کہے کہ عدالت میں اپنی تمام اسناد کے ساتھ حاضر ہو تو کیا تو اس کے کہے کے خلاف کرے گا؟ جب تو نے خود کو ناکافی سمجھ کر وکیل پکڑا تو تجھے اسکی راہنمائی میں رہنا چاہئے۔

وکیل پکڑنا ضروری ہے

اے انسان تو عاجز ہے اور دنیا و عقبیٰ میں اکیلا کامیاب نہیں ہو سکتا۔ اگر کسی طاقت پر تیرا بھروسہ ہو تو کسی بھی خطرے یا مشکل میں تو متزلزل نہ ہو گا کیونکہ تیرا وکیل موجود ہے۔ تیری تکیہ گاہ موجود ہے۔

کیا تو اپنی نماز کی تعقیب نہیں پڑھتا: توکلت علی الحی الذی لا یموت"۔ (میں اپنے کاموں کو اپنے زندہ و لایزال خدا کے سپرد کرتا ہوں)' وہ عظیم ترین وکیل اور بہترین مددگار ہے۔ "نعم الوکیل، نعم المولیٰ و نعم النصیر"

متوکل سے شیطان دُور بھاگتا ہے

روایت میں آیا ہے کہ جب صبح کے وقت انسان گھر سے باہر نکلتا ہے تو شیاطین دروازے پر اس کے منتظر ہوتے ہیں لیکن گھر سے نکلتے وقت جب وہ کہتا ہے: آمنت باللہ توکلت علی اللہ" (تجھی پر میرا ایمان ہے اور تیرے ہی بھروسے میں کاروبار دنیا کے لئے جاتا ہوں)۔ تو سب شیطان بھاگ جاتے ہیں۔

یہ الفاظ آپ کسی بھی زبان میں کہیں، کوئی حرج نہیں' یہ الفاظ دل کا سہارا اور جان کی امان ہیں۔ یہ حقیقت ہے کہ اگر آپ اس کی امید اور اس کے سہارے پر ہوں گے تو یقین رکھیں کہ آپ کا وکیل بہت طاقتور ہے۔ آپ سے ہر مشکل اور ہر خطرے کو دور رکھے گا۔ اور ہر نفع حسب مصلحت آپ کو پہنچائے گا۔ اللہ تعالیٰ سے بڑا مہربان' بے حد رحمت والا اور بے پایاں قوت کا مالک وکیل اور کون ہو سکتا ہے؟!۔

واقعہ کربلا کے بعد ابن زبیر کا خروج

اس موقعے پر مجھے اصول کافی سے ایک حدیث پاک یاد آئی ہے۔ عبداللہ بن زبیر جو کہ آل محمد صلی اللہ علیہ و آلہ کا بدترین دشمن تھا۔ یہاں تک کہ نماز جمعہ کے خطبہ میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام پر بھی درود نہیں بھیجتا تھا جب اس پر اعتراض ہوا تو کہنے لگا: "نبیؐ پر درود آل کے ذکر کے بغیر باطل ہے لیکن اگر میں آلِ محمدؐ کا ذکر خطبہ میں کروں تو کئی گردنیں ماردی جائیں"۔

قصہ مختصر کربلا کے واقعے کے بعد اس نے مکہ میں خروج کیا اور خلافت اور حکومت کا دعویٰ کیا۔ عراق سے کچھ لوگ

اس کے ساتھ ہو گئے اور اس کی حالت کچھ مضبوط ہو گئی

یزید پلید کو جو قتل حسینؑ کے بعد اس تاک میں تھا کہ کوئی اور شخص آواز اٹھانے والا نہ اٹھ کھڑا ہو' خبر ملی کہ ابنِ زبیر حجاز پر قابض ہو گیا ہے۔

اس نے مسلم بن عقبہ اور حصین بن نمیر کو ایک بڑی فوج کے ساتھ حجاز کی طرف بھیجا اور انہیں حکم دیا کہ مدینہ کے راستے سے جائیں اور جہاں تک ممکن ہو مدینہ میں قتلِ عام، آبروریزی اور غارتگری کریں۔

امام زین العابدینؑ اور نورانی وجود

ایک طرف ابن زبیر کا فتنہ اور دوسری طرف یزید کی لشکر کشی، سید سجادؑ ابھی تھوڑے دنوں سے کربلا کے جانکاہ واقعات کے بعد کربلا سے واپس تشریف لائے تھے' اس امر نے آپ کو بہت پریشان کیا۔ اپنی اس حالت کا آپ ابوحمزہ سے یوں ذکر فرماتے ہیں۔

"میں اپنے گھر سے باہر نکلا اور آ کر اس دیوار کے سہارے کھڑا ہو گیا۔ (روایت میں لفظِ جدار ہے جس کا معنی دیوار ہے لیکن غالباً اس سے مراد مدینہ منورہ کی فصیل ہے)۔ دفعتاً میں نے ایک انسان کو دیکھا جو دو قطعہ سفید لباس میں ملبوس میرے سامنے آ گیا۔ اور کہنے لگا:

"علی بن الحسین! مالی اراک کئیباً حزیناً؟" (کیا وجہ ہے کہ آپ پریشان نظر آتے ہیں)؟۔

"اعلی الدنیا؟ فرزق اللہ للبر والفاجر! (کیا آپ اسباب دنیوی کی کمی پر پریشان ہیں؟ اگر ایسا ہے تو پریشان نہ ہوں کیونکہ خداوند رزاق اچھے بُرے سب کو روزی دیتا ہے!)"۔ میں نے جواب دیا:

"مجھے دنیا کے بارے میں کوئی پریشانی نہیں"۔ اس نے کہا:

"اعلی الآخرۃ فوعد صادق یحکم فیہ ملک قادر" (تو پھر کیا آخرت کیلئے پریشان ہیں تو یہ بھی فکر کی بات نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ کا وعدہ سچا ہے اور وہ آپ کی دادگری کرے گا)۔" میں نے کہا:

"میں آخرت کیلئے بھی فکرمند نہیں ہوں"۔ تو اس نے پوچھا:

"پھر کس لئے آپ غمگین ہیں"؟ میں نے جواب دیا:

"میں زبیر کے فتنے کی وجہ سے پریشان ہوں"۔

(کیونکہ ایک تو اس دشمنِ امام واہلبیتؑ کے تصرفات کی فکر تھی، دوسرے یزید ملعون کی لشکر کشی سے آپ فکرمند تھے اور تیسری وجہ آپ کی پریشانی کی اس کے بعد عبدالملک کے حکم سے حجاج خونخوار کی لشکر کشی تھی)۔ امام فرماتے ہیں:۔

وہ شخص ہنس کر کہنے لگا: ھل رایتَ احداً توکل علی اللّٰہ فلم یکفہ ھل رائیت احدا سأل اللّٰہ فلم یعطہ"۔

(کیا آپ نے کسی کو دیکھا کہ اس نے اللہ پر توکل کیا اور اللہ تعالےٰ نے اس کی کفایت نہ کی۔ اور کیا آپ نے ایسا کوئی شخص دیکھا جس نے اس سے سوال کیا اور خالی ہاتھ لوٹا؟؟)۔

میں نے کہا: "نہیں" ـــ اور وہ شخص میری نظروں سے غائب ہوگیا۔

اس روایت کے ذیل میں علامہ مجلسیؒ فرماتے ہیں کہ وہ نورانی وجود یا فرشتہ تھا اور یا پھر حضرت خضر علیہ السلام تھے۔

تسکین قلب کیلئے ہمکلامی

علامہ مجلسیؒ فرماتے ہیں کہ اس قسم کی بات چیت مقام امامت کے نقص کو مستلزم نہیں ہے بلکہ تذکّر اور روحانی یاد آوری کا ایک ذریعہ ہے جس کی تدبیر اللہ تعالےٰ امام کے دل کی تسکین و تقویت کیلئے فرماتے ہیں۔

اس کی مثال یوں ہے کہ اگر کسی عالم و دانش مند انسان کا بیٹا انتقال کر جائے تو لوگ اس سے کہیں گے صبر کرو امام حسینؑ کا بھی جوان بیٹا شہید ہوا تھا...... اور یہ تذکّر ہے اور وعظ و نصیحت کم سنی یا کبر سنی پر موقوف نہیں ہے۔ ہر چند کہ ناصحانہ کلام کرنے والا کم سن اور ناقص ہو اور اس کا مخاطب کبیر السن اور عالم و فاضل ہو۔ کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ ایک بچہ ایسی بات کرتا ہے کہ بڑا اسے سن کر تذکّر کی کیفیت میں آجاتا ہے اور متنبہ اور خبردار ہو جاتا ہے۔

امام حسینؑ کی علی اکبرؑ سے گفتگو

آپ نے سنا ہوگا کہ حضرت امام حسینؑ سفر کربلا کی ایک منزل میں نیند سے ہڑبڑا کر بیدار ہوئے اور آپؑ کی طبیعت غیر ہوگئی۔ جناب علی اکبرؑ نے عرض کیا: "بابا جان کیا وجہ ہے کہ آپ پریشان ہیں"؟ آپؑ نے فرمایا: "میں نے ایک منادی کو ندا دیتے ہوئے سنا ہے کہ یہ گروہ موت کی طرف بڑھ رہا ہے۔ یہ سفر سفر شہادت و قتل ہے علی اکبرؑ نے عرض کیا: "بابا جان! اَلسنا علی الحق؟ (کیا ہم حق پر نہیں ہیں؟) آپؑ نے فرمایا: "کیوں نہیں؟ ہم سراسر حق پر ہیں"۔

عرض کیا: "اِذاً لا نبالی بالموت" (تو پھر موت کی کیا پرواہ ہے) اگر ہم راہ حق کے مسافر ہیں تو کیا ہی اچھا ہے کہ حق کی راہ میں حق کے نام پر قربان ہو جائیں"۔ بیٹے کے ان الفاظ سے امامؑ کے دل کو بہت اطمینان ملا اور آپؑ نے دعا فرمائی کہ اے بیٹے اللہ تعالےٰ تجھے جزائے خیر دے۔

مجلس ۱۷

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ـ انّہٗ لیس لہٗ سلطان علی الّذین آمنوا وعلی ربّھم یتوکلون (النحل: ۹۹)

توکّل علم، حال اور عمل کا نتیجہ ہے

علماء و محققین نے توکّل کے بارے میں یوں فرمایا ہے: توکل تین چیزوں، علم، حال اور عمل سے پیدا ہوتا ہے۔ ہر سہ عنوانات پر ہم تفصیل سے اظہار خیال کرتے ہیں۔

علم:۔ جب تک انسان عالم نہ ہو توکّل اُسے نصیب نہیں ہو سکتا۔ اور یہ تین چیزوں میں منحصر ہے۔ اولاً یقین یعنی سب سے پہلے اللہ تعالےٰ کی قدرت بے پایاں پر یقین کرے کہ وہ علیٰ کل شیءٍ قدیر اور قادر علیٰ کل شیءٍ ہے۔ سخت سے سخت کام جس کے سرانجام پر انسان اپنی پوری قوت و قدرت سے قادر نہیں ہو سکتا، اللہ تعالےٰ کیلئے بہت آسان ہے۔ کوئی بھی امر اس کی قدرت کیلئے مشکل نہیں ہے۔ "یامن العسیر علیہ سھل یسیر" (اے وہ ذات جس کیلئے ہر مشکل کام آسان ہے)۔

دانائی اور بندوں پر شفقت

ثانیاً یہ یقین ضروری ہے کہ اللہ تعالےٰ عالم السر والخفیات ــ تمام پوشیدہ امور کا دانا ہے ہر چیز کو جانتا ہے۔ غیب و ظہور اس کے لئے برابر ہے۔

ثالثاً یہ یقین ہو کر پروردگار "منتھی الشفقۃ علیٰ عبادہ" یعنی اپنے بندوں پر حد درجہ مہربان ہے۔ مومن خدا کے نزدیک عزیز و محبوب ہے۔ ماں کو اپنے بچے سے کتنا پیار ہوتا ہے؟ یہ محبت بھی خدا کی طرف سے ہے اس سے ہزار ہا درجے زیادہ وہ اپنے بندوں سے پیار کرتا ہے بلکہ بندوں کے ساتھ اس کی محبت کی کوئی انتہا ہی نہیں ہے۔ پالنہار ہے، خلق کرتا ہے، تربیت کرتا ہے اور اپنے پالے ہوئے سے محبت کرتا ہے۔ اس کے اثبات میں مثالیں پیش کی جا سکتی ہیں لیکن اس وقت حیات القلوب علامہ مجلسی سے ایک مختصر روایت عرض کی جاتی ہے:۔

جب حضرت نوح علیہ السلام نے اپنی نافرمان قوم پر لعنت کی جس کے نتیجے میں سارے کفار غرق ہو گئے تو ایک فرشتہ حضرت نوحؑ کے پاس آیا۔ حضرت نوحؑ کوزہ گر تھے مٹی سے کوزے بنا کر آگ میں پکاتے تھے اور انہیں بیچ کر اپنی روزی کماتے تھے۔

اس فرشتے نے سب کوزے آپؑ سے خرید لئے اور آپؑ کی آنکھوں کے سامنے انہیں ایک ایک کرکے توڑنا شروع کیا۔

حضرت نوحؑ کو بڑا دکھ ہوا اور انہوں نے فرشتے کے اس تصرف پر اعتراض و احتجاج کیا لیکن فرشتے نے جواب دیا: اب آپ کا ان پر کیا حق ہے۔ میں نے انہیں خریدا ہے اور جو چاہوں ان سے کروں آپ کو بولنے کا حق نہیں ہے۔

نوحؑ نے کہا: لیکن کیا تم نہیں جانتے کہ میں نے انہیں اپنے ہاتھ سے بنایا ہے؟ فرشتے نے کہا: بنایا ہی تو ہے، خلق تو نہیں کیا، اور اس پر بھی آپ ناراض ہوتے ہو جب اتنی مخلوق کو غرق کرایا تھا تو کیا خدا کو کوئی دکھ نہ ہوا ہوگا۔

اس پر، جیسے کہ علل الشرائع میں ہے کہ آپؑ نے سر جھکا لیا اور اتنا روئے اور اتنی مدت روئے کہ نام ہی نُوح ہوگیا۔

نبی علیہ السلام نے کبھی لعنت نہیں فرمائی

غرضیکہ اللہ تعالےٰ اپنے بندوں پر بڑا مشفق ہے کیونکہ پالنے والے کو اپنے پالے ہوئے سے محبت ہوتی ہے۔ خدائے تعالےٰ اپنے مقرب نبیؑ پر عتاب فرماتا ہے کہ کیوں آپ نے لعنت کرکے میرے اتنے بندوں کو ہلاک کروادیا۔؟!

جناب خاتم الانبیاء حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عظمتِ شان جملہ انبیاء پر اس حقیقت سے بھی ظاہر ہے کہ آپ نے کبھی لعنت نہیں فرمائی کیونکہ آپ رحمۃ للعالمین تھے اگر آپ بھی لعنت کے ارادے سے لبوں کو حرکت دیتے تو تمام مشرکین صفحہ ہستی سے مٹ جاتے۔

خدائی شفقت کا نمونہ

حتیٰ کہ اس روز جب کہ آپ کو کفار نے اتنا زدوکوب کیا کہ آپ اس حالت میں بے ہوش ہوکر گر پڑے کہ خون آپ کے سر و چہرہ مبارک سے جاری تھا۔ کسی نے جناب خدیجہؑ کو خبر دی کہ آپ کے شوہر محترم بہت زخمی ہیں، معلوم نہیں کہ آپ انہیںؐ زندہ دیکھ سکیں گی یا نہیں۔ اس دن ملائکہ آپ کے پاس حاضر ہوئے اور حاجت دریافت کی لیکن رحمت عالمؐ نے کسی بھی صورت میں مشرکین کی ہلاکت کا تقاضا نہ فرمایا بلکہ ان کو ان الفاظ میں دعا دی "اللھم اھد قومی" (اے پروردگار میری قوم کو ہدایت فرما)، اور اس پہ طرّہ یہ کہ خود ہی ان کی طرف سے عذر خواہی فرماتے ہیں کہ "انہم لا یعلمون" (کیونکہ یہ لوگ نہیں جانتے کہ میں تیرا فرستادہ ہوں) یہ بیچارے جاہل ہیں، ان پر اپنا غضب نازل نہ فرما۔

لوگ خود جہنم کے طلبگار ہیں

یہ مت کہئے گا کہ اگر صورت حال یہی ہے تو اللہ تعالےٰ نے دوزخ کو کیوں خلق فرمایا؟ کیونکہ دوزخ کا خلق کرنا الشفقۃ علی العباد کے منافی نہیں ہے۔ انسان خود اس کی شفقت کی راہ سے فرار کرکے جہنم کا راستہ اختیار کرتا ہے۔ "ولکنّ النّاس کانوا انفسہم یظلمون" (لوگ خود اپنے نفوس پر ظلم کرتے ہیں)

اللہ تعالےٰ ان سے بہت زیادہ محبت کرتا ہے۔ اور قرآن مجید میں انہیں جہنم سے بہت ڈراتا ہے، اس سے دور رہنے کا حکم فرماتا ہے اور سخت تاکید فرماتا ہے کہ شیطان ملعون کا فریب نہ کھائیں۔ دنیا دھوکا اور فریب کا گھر ہے اور شیطان انسان کا کھلا دشمن ہے۔ "لا یغرّنکم باللّٰہ الغرور فما متاع الحیاۃ الدنیا الّا متاع الغرور۔ انّ الشّیطان لکم عدو فاتخذوہ عدوًا"

مختصر یہ کہ جب تک آپ یقین نہ کرلیں گے کہ خداوند عالم طاقتور اور دانا ہے اور اپنے بندوں پر مہربانی اور شفقت فرماتا ہے۔ آپ توکّل کی منزل کو نہ پاسکیں گے۔

بلّی کے بچے پر شفقت

تفسیر روح البیان میں ہے کہ کسی نے کسی مردِ صالح کو اس کی وفات کے بعد خواب میں دیکھا اور اس سے اس کا حال دریافت کیا۔ اس نے کہا: ایک نیک عمل نے میری بڑی مدد کی۔ سردی کا موسم تھا، موسلا دھار بارش ہورہی تھی۔ سردی کی شدت میں میں نے ایک بلی کے بچے کو دیکھا کہ پناہ کی تلاش میں مارا مارا پھر رہا ہے۔ وہ بھوکا اور بہت کمزور تھا۔ میں نے اس کی حالتِ زار پر ترس کھاکر اس کو اٹھالیا اور اپنی پوستین میں ڈھانک کر اسے گھر لے گیا۔ وہاں میں نے اسے کھانا کھلایا اور سردی سے محفوظ کیا اور موسم ٹھیک ہونے پر اسے رہا کردیا۔ اللہ تعالےٰ نے اس عمل کے عوض مجھ پر مہربانی فرمائی اور مجھے بخش دیا۔

اس سے اندازہ کیجئے کہ اللہ تعالےٰ کسی بندۂ مومن کے ساتھ اس طرح کے حسنِ سلوک پر کتنا خوش ہوتا ہوگا۔ جب ایک حیوان پر شفقت اللہ تعالےٰ کی اس قدر خوشنودی کا باعث ہوتی ہے تو ایک بندۂ مومن و متقی کے ساتھ محبت و شفقت پر اس کی خوشنودی کا کیا عالم ہوگا۔ اس محبت سے بلند تر ایک محبت ہے جسے قرآن مجید میں خدا کی محبت سے تعبیر فرمایا گیا ہے۔ اللہ تعالےٰ کلام پاک میں ایسے لوگوں کو اپنا محبوب قرار دیتا ہے۔ "فسوف یأتی اللّٰہ بقوم یحبہم و یحبونہٗ" (اللہ تعالےٰ ایسے لوگ لائے گا جن سے وہ محبت کرتا ہے اور وہ بھی اس سے محبت کرتے ہیں)

غرضیکہ علم کی شرط محبت با خدا اور شفقت بر خلقِ خدا ہے۔ آپ کو یقین ہونا چاہئے کہ آپ کی شفقت بر خلق خدا کی وجہ سے اللہ تعالےٰ آپ سے محبت کرتا ہے۔

اب جبکہ صورت احوال یہ ہے تو پھر ہم خدا پر کیوں توکل نہیں کرتے؟ کیا ہماری نظروں میں اس سے بہتر بھی کوئی ہے؟ کیا ہم کسی ایسی ہستی کو جانتے ہیں جو اللہ تعالےٰ سے دانا تر، توانا تر اور مہربان تر ہو؟ خود جس کا خدا ایسا بخشنہار اور مہربان ہو وہ کسی

دوسرے سے کیوں دل لگائے؛ کیوں اس کے علاوہ کسی دوسرے پر تکیہ کرے؛

پروردگار! ہمارے دلوں کو یقین کی طاقت عطا فرما کہ صرف تجھی کو اپنی امیدوں کا مرکز سمجھیں۔ ہر خطرے کے وقت تجھی کو پکاریں، ہر وسوسہ شیطانی کے وقت تجھی سے پناہ مانگیں، زندگی کے ہر مقام پر تجھی پر توکل رکھیں اور پورے مومن بن جائیں۔ "وعلی اللہ فتوکلوا ان کنتم مومنین۔" (اگر مومن ہو تو صرف اللہ پر توکل کرو)۔

شیطان کو متوکلین سے کیا سروکار

اگر آپ اپنے دل کی تمام تر طاقت وقوت کا منبع ومرجع اپنے پروردگار کو بنالیں اگر پورے اہل توکل بن جائیں تو شیطان آپ کے دل تک رسائی حاصل نہ کرسکے گا۔ وہی کتے کی مثال یاد رکھیں جو پہلے بیان ہوئی کہ خیمہ سلطانی کے دروازے پر بیٹھا ہوا کتا کسی غیر کو وہاں سے بھگانے کی کوشش کرے گا۔ لیکن جس شخص کی سلطان کے ساتھ شناسائی ہوگی وہ باہر ہی سے پکارے گا کہ: اے صاحبِ خیمہ آپ کا یہ کتا میرے آزار کے درپے ہے، مجھے اس سے بچائیے۔ تو صاحبِ خیمہ کی ایک ہی جھڑکی اسے خاموش کردے گی۔

اسی طرح اگر کسی شخص کی شناسائی اس کائنات کے مالک کے ساتھ ہوگی اور اسی پر اس کا توکل ہوگا تو اس کا استعاذہ بھی صحیح ہوگا اور شیطان اس تک رسائی نہ پاسکے گا۔

دوستانِ خدا کو شیطان سے کوئی اندیشہ نہیں

انسان کے دشمن بہت ہیں، جب کبھی وہ اپنے پروردگارِ توانا کے حضور میں اپنی منزلِ مقصود "فی مقعد صدق عند ملیک مقتدر" ربا اختیار اور توانا بادشاہ کے حضور میں خوشنودی کے مقام تک پہنچنا چاہے گا تو یہ سب دشمن متحد ہوکر اس کی مزاحمت کریں گے اتنے سارے بڑے بڑے دشمنوں کو دور کرنا آسان کام نہیں۔ ان پر قابو پانے کی صرف ایک صورت اللہ تعالیٰ پر توکل ہے۔ آپ اپنے توکل کو مضبوط کریں جب آپکا پورا اعتماد صرف اللہ تعالیٰ پر ہوگا تو آپ کو کسی وسوسہ شیطانی سے خوف نہ رہے گا۔ "انّ اولیاء اللّٰہ لاخوف علیھم ولاھم یحزنون۔" (اللہ تعالیٰ کے دوست نہ کسی سے ڈرتے ہیں اور نہ انہیں کسی دکھ اور اندوہ کا سامنا ہے)

گھاس کا تنکا

بدقسمت ہے وہ جو بے سہارا اور بے سرپرست ہو اور اس کی کوئی پناہ گاہ نہ ہو۔ وہ بالکل گھاس کے اس تنکے کی طرح ہے جو ہوا کے ہر جھونکے سے ہلتا اور اپنی جگہ چھوڑ دیتا ہے۔ ایسے شخص کو شیطان ہلاک کرکے ہی دم لیتا ہے۔ اس کے برعکس طاقتور وہ ہے جس کا تعلق قوی مطلق کے ساتھ ہو اور وہی اس کا سہارا ہو۔

ہماری زندگی گذرتی جارہی ہے ہمیں توکل سے بے نصیب نہیں رہنا چاہیئے۔

عقبیٰ میں بھی اللہ پر توکل لازم ہے

جس طرح دنیا میں ہر سختی اور ہر خطرے کے وقت اللہ تعالیٰ پر توکل لازم ہے، اسی طرح موت کے بعد جو کچھ پیش آئے گا۔ اس میں بھی اللہ تعالیٰ پر ہی توکل ضروری ہے کیونکہ ہمارے تمام امور کا مالک وہ ہے۔ قبر میں، برزخ میں، مواقف میں، قیامت میں ہمارا تکیہ اور توکل اسی پر ہونا چاہیئے جو ہمیں وہاں لایا۔ جس نے ہمیں عدم سے نکال کر جامۂ وجود پہنایا اور مبدء سے معاد تک ہماری سرپرستی فرمائی ــــ

وما توفیقی الّا باللّٰہ علیہ توکلت والیہ اُنیب ــــ

مجلس ۱۸

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم — انّہ لیس لہ سلطان علی الّذین آمنوا وعلی ربّہم یتوکلون ۔ (نحل : ۹۹)

توکل میں توحید

مومن کا توکل اور بھروسہ صرف خدائے تعالےٰ پر ہے۔ "وعلی اللّٰہ فتوکلوا ان کنتم مؤمنین ." (اگر تم ایمان والے ہو تو صرف خدا پر توکل کرو)۔ توحید پر ایمان کا لازمہ یہ ہے کہ توکل صرف اللہ تعالےٰ پر ہو۔ اس کے ماسوا کسی انسان یا کسی چیز سے نہ ہی کوئی خوف کیا جائے اور نہ کوئی امید باندھی جائے۔

اگر توحید پر انسان کا ایمان مکمل ہو تو کبھی کسی قسم کے فقر کا اندیشہ ممکن نہیں۔ خوف و اندیشہ صرف ضعفِ ایمان کا نتیجہ ہے ورنہ مومن کسی بھی حالت میں کسی امر سے متزلزل نہیں ہوتا کیونکہ اس کے دل کی طاقت کا منبع اور اس کا ہر طرح کا سہارا صرف اللہ تعالےٰ کی ذات ہے۔

توحید پر عملی ایمان کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ بیم و رجا کے تمام امور اور تذبذب و پریشانی کی تمام کیفیات میں اللہ تعالےٰ پر انسان کا توکل پختہ تر ہو جاتا ہے اور اس کے ایمان کو مزید جلا ملتی ہے۔

اللہ تعالےٰ پر توکل عقلاً واجب ہے۔

مومن کا خدائے تعالےٰ پر بھروسہ کرنا ایک عقلی امر ہے اور عقلاً واجب ہے کیونکہ سب امور اسی کے دستِ قدرت میں ہیں۔ لیکن یہ توکل حقیقی ہونا چاہئے صرف زبان سے یہ کہدینا کافی نہیں کہ "میں اللہ تعالےٰ پر توکل کرتا ہوں۔" (علیہ توکلت والیہ انیب) یا کہ "افوّض امری الی اللّٰہ" (میں اپنے جملہ امور اللہ تعالےٰ کے سپرد کرتا ہوں) بلکہ اس کے لئے حال اور اخلاص قلب کی کیفیت کا ہونا لازمی ہے۔ انسان کی یہ ضرورت ہے کہ متوکل علی اللہ ہو اور توکل جیسا کہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں، علم، حال اور عمل کے سہ پایہ پر قائم ہے۔ اس کی بنیاد علم ہے اور اس کی حقیقت و کیفیت جو عمل کے نتیجے میں حاصل ہوتی ہے، حال ہے اور اس کی علامت عمل ہے۔

متوکل ہونا کیسے ممکن ہے

توکل کی حقیقت کیا ہے اور کیا کیا جائے کہ توکل کا مقام حاصل ہو؟ توکل کا مادّہ وکالت ہے اس کی دو طرفیں ہیں؛ موکل اور موکل علیہ جب کوئی شخص اپنے لئے کسی کو وکیل بناتا ہے تو اسے موکِل کہتے ہیں اور جسے وکیل بنایا جائے اسے وکیل کہا جاتا ہے۔

اللہ تعالےٰ کو وکیل بنایئے اور اپنے تمام امور اس کے سپرد کر دیجئے یہی معنی ہے" فاتخذہ وکیلا" کا — (پس اسی کو وکیل بناؤ)

توحید افعالی پر پورا یقین ضروری ہے

ہم کہہ چکے ہیں توکل کا انحصار علم، حال اور عمل پر ہے لیکن بنیاد اس کی علم ہے یہاں علم سے مراد یہ ہے کہ بطور کلی توحید افعالی میں یقین کامل ہو اور بطور جزئی ہر نفع کے حصول اور ہر ضرر کے دفعیے کو اللہ تعالےٰ کی طرف سے سمجھا جائے اور اس حقیقت کیلئے عقلی اور نقلی دلائل موجود ہوں تاکہ توحید افعالی کا سہ پایہ درست ہو سکے۔

کیا غیر خدا سے نفع کا حصول ممکن ہے؟ — ہرگز نہیں بلکہ ہر نفع بالواسطہ یا بلاواسطہ اللہ تعالےٰ ہی کی طرف ہے خوراک، لباس، ازدواج اور عادی زندگی کے جملہ اسباب و وسائل سے لیکر روحانی زندگی کے تمام منافع و نعمات تک ہر چیز اسی کی طرف سے ہے۔ (الا الی اللّٰہ تصیر الامور)۔

پانی پینے کا عمل ملاحظہ ہو

کوئی شخص پانی کا گلاس آپ کو دیتا ہے۔ یہ پانی کہاں سے آیا؛ کس کی ملکیت ہے؟ کس نے اسے خلق فرمایا؛ کون اسے لایا؟ آپ تک لانے کی طاقت اسے کس نے دی؟ کس نے اس کو آپ کے ارادے کا تابع بنایا......

غرضیکہ اگر آپ صرف پانی کے گلاس ہی کے بارے میں سوچیں گے تو معلوم ہوگا کہ یہ بھی خدا کی ہی طرف سے ہے۔

لباس بھی اسی کا دیا ہوا ہے

کیا یہ لباس جو ہم پہنتے ہیں، اصل ابتداء سے لیکر قابل استفادہ ہونے کے وقت تک غیب کے سوا کوئی اور بھی اس کا ماخذ ہے؛ ذرا غور کریں کہ کپاس کو کس نے خلق کیا؛ اسے چننے اور بننے والے ہاتھوں کو کس نے پیدا کیا؛ بننے کی عقل کس نے دی؛ غور کریں تو "الا الی اللّٰہ تصیر الامور" — ہر امر کا ارادہ وانتظام و انصرام اسی کے دستِ قدرت میں ہے۔ اور "ما بکم من نعمۃ فمن اللّٰہ" — ہر نعمت اسی کی طرف سے ہے۔

دفع ضرر بھی اسی کی طرف سے ہے

ضرر کا دفعیہ بھی اس کے سوا کسی سے ممکن نہیں۔ غور کیجئے کہ مریض کو شفا کون دیتا ہے؟ کیا دوا اور طبیب شفا دیتے ہیں یا حقیقت شفا غیب سے تعلق رکھتی ہے؛ طبیب کو کس نے علم دیا؟ دوا کو کس نے خلق فرمایا؟ طبیب کے ذہن اور اس کی تشخیص کو کس نے کنٹرول کیا؟ دراصل صحیح تشخیص اللہ تعالےٰ ہی کی ہدایت سے ممکن ہے۔

طبیب یا قاتل

شیراز میں خسرہ کی وبا کے دوران ایک مشہور طبیب کا ۱۸ سالہ جوان بیٹا خسرہ میں مبتلا ہوا۔ ظاہر ہے کہ جب مریض جوان بیٹا ہو اور معالج خود باپ ہو جو ایک کامیاب طبیب ہو تو علاج میں کوئی کسر رہ جانے کا کیا سوال پیدا ہوتا ہے؟ لیکن طبیب والد سے تشخیص میں غلطی ہو گئی اور اس نے غلط دوا دے کر اپنے مریض بیٹے کی جان لے لی۔

اللہ تعالےٰ کے ارادے میں کوئی امر مانع نہیں ہو سکتا۔ طبیب کا حاصل کردہ علم صرف اس صورت میں موثر ہے کہ اللہ تعالےٰ کی رضا اس میں ہو۔ مریض کی شفایابی اور دوا کی تاثیر صرف اللہ تعالےٰ کی مشیت پر منحصر ہے۔

جب تک یہ معانی ذہن نشین نہ ہوں اور ان کا صحیح علم حاصل نہ ہو، ناممکن ہے کہ انسان کسی حقیقت کو جان سکے۔ اگر آپ نے اسباب دنیا کو مستقل بالذات اور مسبب سے جدا مانا تو حقیقت لا الہ الا اللہ سے غافل رہے کیونکہ فاعلِ مطلق صرف اس کی ذات ہے، باقی جو کچھ بھی ہے وہ اس تک رسائی کے واسطے اور وسیلے ہیں۔

جملہ امور میں ارادہ الٰہی غالب ہے

پس ہر وہ فائدہ جو آپ کو طبیب یا کسی اور سے حاصل ہوتا ہے یا کوئی ضرر جو آپ سے دفع ہوتا ہے یا کوئی کامیابی جو آپ کو ملتی ہے، سب خدا کی طرف سے ہیں، مثلاً کسی شخص نے آپ کا قرض چکا دیا تو وہ کون ہے؟ خدا کی مخلوق!۔ اُسے کس نے اس کام پر آمادہ کیا؟ اللہ تعالےٰ نے! وہ کس کے ارادے کا محکوم ہے؟ اللہ تعالےٰ کے! مال کی محبت کو کس نے اس کے دل سے نکالا؟ اللہ تعالےٰ نے! مال کو مال کہا ہی اسی لئے جاتا ہے کہ دل اس کی طرف مائل ہوتا ہے۔ (انما سمّی المال مالا لانّہا تمیل الیہا القلوب) اور جب مال کی محبت دل میں ہو تو صرف تسخیر الٰہی ہی اسے آپ کا قرض چکانے پر آمادہ کر سکتی ہے۔

وسیلہ بھی ضروری ہے

ارادہ خداوندی یقیناً وسیلہ جوئی سے کوئی منافات نہیں رکھتا۔ اس مطلب کی وضاحت ہم بعد میں کریں گے۔ مقصد یہ ہے کہ آپ کے دل کی طاقت کا منبع و مبدا صرف اللہ کی

ذات ہو اور آپ کا مکمل بھروسہ صرف اسی پر ہو۔ اس کی شرح ہم ان شاء اللہ تیسری شق کے تحت عمل کے ضمن میں کریں گے۔ فی الحال بات علم کی ہو رہی ہے اور ضروری ہے کہ یہ حقیقت قرآن و حدیث کے حوالے سے سمجھی جائے کہ کوئی طاقت مشیت الٰہی کے علی الرغم نفع رسانی اور دفع ضرر پر از خود قادر نہیں ۔۔

توکل علم کا نتیجہ ہے

اگر علم صحیح ہو تو اس سے توکل حاصل ہوتا ہے۔ یعنی اللہ تعالےٰ کے ساتھ انسان کی وہی نسبت ہو جاتی ہے جو موکل کی وکیل کے ساتھ ہوتی ہے۔

اگر کوئی شخص حصولِ انصاف میں مشکل سے دوچار ہو اور بذات خود اس حالت سے نمٹنے سے عاجز ہو تو وہ کسی ایسے وکیل کی ضرورت محسوس کرے گا جو قانون دان ہو اور امرِ زیر بحث پر تسلط رکھتا ہو۔ اس مقصد کیلئے وہ لوگوں سے دریافت کرے گا کہ کون سا وکیل قانون کا کماحقہ دانا ہے پھر معلوم کرے گا کہ کیا وہ ہوشیار اور سیانا بھی ہے یا نہیں کیونکہ عین ممکن ہے کہ قانون تو جانتا ہو لیکن بزدل اور ناحوصلہ مند ہو اور وکالت کی صحیح قابلیت و صلاحیت نہ رکھتا ہو۔ ایسا وکیل اس کے کام کا نہ ہوگا۔

تیسری شرط یہ ہے کہ اپنے موکل کے ساتھ اس کا برتاؤ ہمدردانہ ہو، اس کے حق بھی دلوا دے اور اس کیلئے کسی درد سر کا باعث بھی نہ ہو۔ اگر مہربان نہ ہوگا یا ضمیر فروش ہوگا تو عین ممکن ہے کہ اپنے موکل سے پیسے بھی زیادہ وصول کرے اور اسے بھری عدالت میں ذلیل بھی کرے۔

اگر اسے تینوں شرطوں کا حامل وکیل مل گیا تو اسے بڑی خوشی اور اطمینان ہوگا کہ وکیل لائق ملا ہے جس پر واقعی بھروسہ کیا جا سکتا ہے، اب گھبرانے کی کوئی بات نہیں ہے۔ یہ مقام توکل کے حال یا توکل کی کیفیت کا ہے۔

نعم الوکیل

کیا ان شروط سہ گانہ پر اللہ تعالےٰ سے زیادہ پورا اترنے والا ہماری دانست میں کوئی ہے؟ آیا اس کے علاوہ کوئی اور ہماری زندگی کے مصالح و مفاسد کا پورا پورا علم رکھنے والا ہے اور اس قابل ہے کہ ہمارے امور کو ایسی خوش اسلوبی سے چلائے کہ ہماری دنیا اور آخرت دونوں سدھر جائیں؟! ۔۔

آیا ہم اپنے حصول منفعت اور دفع ضرر پر اللہ تعالےٰ سے زیادہ قادر و توانا کسی کو جانتے ہیں جبکہ "علیٰ کُلِ شئٍ قدیرٌ" کا دعویٰ اس کے سوا کسی اور کو زیبا نہیں؟۔

اور آیا اپنی مخلوق پر خود اس سے زیادہ کوئی اور مہربان ہے؟

بے شک تمام مہربانیوں کا منبع وہ ہے۔ مہر و محبت و شفقت کا مبدأ وہی ہے۔ ماں باپ کی یا دوسری کوئی بھی

محبت اس کے بحرِ لطف وکرم کے مقابل میں زیادہ سے زیادہ ایک قطرۂ ناچیز کی حیثیت رکھتی ہے۔

ظاہر ہے کہ اس صورت حال میں اگر میں اپنی کسی مطلوبہ منفعت کے حصول کیلئے اس کی طرف متوجہ ہوں، اس پر پورا پورا بھروسہ کروں اور دل سے اُسے نعم الوکیل مانوں تو میرے دل میں فرحت و اطمینان پیدا ہوگا اور اگر کسی پیش آمدہ ضرر و مصیبت کو دفعیے کے لئے صرف اس پر تکیہ کروں تو میری پریشانی ختم ہو جائے گی کیونکہ مجھے معلوم ہوگا کہ میرا قادر و توانا نعم الوکیل میرے ساتھ ہے۔ کوئی طاقت مجھے گزند نہیں پہنچا سکتی۔

پس یہ پریشانیاں اور بیم و رجا اور عدم اطمینان کی کیفیت عدم توکل کے مظاہر ہیں اور جب توکل نصیب نہ ہو تو "علیہ توکلت والیہ انیب" کا زبانی ورد سکون و اطمینان کا باعث نہیں ہو سکتا۔

متوکل غیر اللہ سے بے خوف ہے

"اہل توحید وہ لوگ ہیں کہ جب انہیں یہ کہہ کر ڈرایا جاتا ہے کہ تمہارے خلاف تمہارے دشمنوں نے ایکا کیا ہوا ہے۔ ان سے ڈرو تو ان کے ایمان باللہ میں اضافہ ہو جاتا ہے اور جواب میں کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہمارے لئے کافی ہے اور وہ سب سے اچھا وکیل ہے۔"

(الذین قال لهم النّاس انّ النّاس قد جمعوا لکم فاخشوهم فزادهم ایمانا وقالوا حسبنا اللّٰه ونعم الوکیل)

دراصل یہی وہ لوگ ہیں جنہوں نے صحیح معنوں میں اللہ تعالیٰ کو اپنا وکیل پکڑا ہوا ہے۔ ہماری طرح نہیں کہ بس زبان سے کہہ دیا یا صرف قرآن میں پڑھ لیا۔ قرآن صرف پڑھائی کیلئے نازل نہیں ہوا بلکہ اس کے نزول کا مقصد اسے درست پڑھنا، سمجھنا اور اس پر عمل کرنا ہے۔ اسے پڑھ کر اگر توکل کا حال اور اس کی حقیقت و کیفیت پیدا نہ ہوئی تو اس کی ساری کی ساری نامفہوم تلاوت رائیگاں گئی۔ کیا یہ بدنصیبی نہیں ہے کہ ساری عمر ان آیات کو پڑھتے ہیں لیکن اللہ تعالیٰ کو شرائط سہ گانہ کے حامل عام دنیاوی وکیل کے برابر بھی نہیں سمجھتے حالانکہ زبانی دعوے کے مطابق ہم نے اسے نعم الوکیل مانا ہوا ہے۔ اگر دل سے اسے وکیل مانا ہوتا تو پھر چھوٹے چھوٹے وکیل پکڑنے کی کیا ضرورت تھی۔

غیر اللہ سے امید رکھنے والا ناکام رہتا ہے

عدۃ الداعی اور اصول کافی میں ہے کہ محمد بن عجلان سخت قسم کے قرض میں دب گیا۔ اس نے سوچا کہ حاکم مدینہ حسن بن زید کے پاس جاؤں تاکہ اس کے اثر و رسوخ سے استفادہ کروں۔ راستے میں جناب محمد بن عبداللہ بن زین العابدینؑ سے اس کی ملاقات ہوگئی۔ آپ نے اس کی

پریشانی کے بارے میں پوچھا تو اس نے جواب دیا کہ امیر کے پاس جاتا ہوں تاکہ قرض سے نجات کی کوئی صورت نکل سکے۔

آپ نے فرمایا میں نے اپنے چچازاد حضرت جعفر الصادقؑ سے ایک طولانی حدیث قدسی سنی ہے۔ اس میں تمہاری صورتِ حال کے بارے میں یہ جملہ ہے: "وعزّتی وجلالی لاقطعن امل کل مؤمل بغیری"۔ (مجھے اپنی عزت و جلال کی قسم ہے کہ میں ہر اس شخص کی امید منقطع کر دوں گا جو مجھ سے علاوہ کسی پر امید رکھے) اسی طرح وارد ہوا ہے "وای ہو اس انسان پر کہ مانگے بغیر تو ہم نے اسے سب کچھ دے دیا تو اس کے مانگنے پر اسے نہ دیں گے"؟

کیا تو نے اللہ تعالیٰ سے تقاضا کیا تھا کہ تجھے دیکھنے کے لئے آنکھ عطا فرمائے یا سننے کے لئے کان دے؟ تو جب یہ چیزیں جو تیری خلقت اور تکوین کی تکمیل کیلئے ضروری تھیں، تجھے اس نے مانگے بغیر دیں تو کیا مانگنے پر تجھے کچھ نہ دے گا؟

محمد بن عجلان نے کہا: "یہ حدیث دوبارہ پڑھئے"۔ آپ نے دوبارہ پڑھی۔ اس نے تیسری بار پڑھنے کی درخواست کی آپ نے اسے تیسری بار پڑھا۔ وہ سن کر بہت متاثر ہوا اور کہنے لگا: "میں نے اپنا کام اس کے حوالے کیا۔" اور یہ کہہ کر مطمئن ہو کر چلا گیا۔

روایت کے آخر میں ہے کہ زیادہ مدت نہیں گذری تھی کہ اس کی سب پریشانیاں دور ہوگئیں۔

ہمیں اسباب نے اندھا اور بہرا کر دیا ہے

ہم ابھی تک توحید کے اس مقام تک نہیں پہنچے کہ صرف اللہ پر بھروسہ کر سکیں۔

دعائے کمیل میں ہے: یامن علیه معوّلی" (اے وہ ذات جو میرا واحد سہارا ہے)۔ لیکن کیا ہم بقائمی ہوش و حواس حقیقت بیانی کرتے ہیں؟ کیا واقعی ہم اُسے اپنا واحد سہارا سمجھتے ہیں؟ دراصل اسباب دنیا ہمیں اللہ تعالیٰ سے براہِ راست مخاطب نہیں رہنے دیتے تاکہ ہم حقیقتِ لاحول ولاقوۃ الّا باللّٰہ کو پا سکیں۔

آپ نے بارہا سنا ہوگا کہ حوقلہ (لاحول ولاقوۃ الّا باللّٰہ) بہشت کے دروازے کی چابی ہے۔ اس کا کہنے والا بہت بڑے ثواب کا مستحق ہے لیکن کیا یہ ثواب اور جنت کے دروازے کی چابی صرف یہ لفظ پڑھ دینے سے مل جاتی ہے؟۔

نہیں۔ ایسا نہیں ہے۔ لیکن اگر کوئی شخص اخلاصِ قلب سے پورے شعور کے ساتھ یہ الفاظ کہے تو جنت کے دروازے ضرور اس پر کھل جائیں گے لیکن دل کی زبان سے ان کا ادا ہونا اور حوقلہ کی حقیقی کیفیت کا حاصل ہونا جلدی ممکن نہیں اس کے لئے ریاضت درکار ہے۔

عام طور پر انسان خود کو اور اسباب دنیا کو صاحب حول و قوّت سمجھتا ہے۔ زبان سے تو "لا حول ولا قوۃ الا باللہ" کہتا ہے لیکن اس کی مراد یہ ہوتی ہے کہ "لا حول ولا قوۃ الا بی و بالاسباب"۔!

اگر مقصود توکل کی کیفیت کا حصول ہے تو ہمیں ایسے اعمال بجا لانے چاہئیں کہ ہمارے دل میں درد پیدا ہو تاکہ صحیح طور پر دین کی پیروی کر سکیں۔ یاد رکھئے۔ عمر کا صحیح مصرف اور زندگی کا حقیقی مقصد دین خدا میں فقیہ ہونا ہے۔

توکل کے مراتب ہیں

یہ جو ہم نے کہا ہے کہ توکل یہ ہے کہ انسان اپنے خدا کے ساتھ موکل و وکیل کا تعلق پیدا کرے تو یہ توکل کا پہلا درجہ ہے۔ اس سے بلند تر مراتب کے حصول کیلئے جدوجہد اور تگ و دو کی ضرورت ہے۔

اگر آپ فطری توکل کا اندازہ کرنا چاہتے ہیں تو اس توکل پر غور کیجئے جو بچے کا اپنی ماں پر ہوتا ہے کہ نفع و ضرر دونوں کیلئے اپنی ماں کی طرف متوجہ ہوتا ہے۔ بھوکا ہو تو۔ ٹھوکر کھا کر گرے تو۔ کسی دوسرے سے پٹنے کا ڈر ہو تو اس کی توجہ کا مرکز صرف اس کی ماں ہوتی ہے۔ ہر حال میں ماں ہی کو پکارتا ہے یہ توکل کی فطری اور جبلی صورت ہے کہ ہر حالت میں اس کا وردِ زبان "ماں" ہو۔

اگر ہم اس حالت کو پا لیں تو سمجھئے کہ اوسط درجے کا توکل ہمیں حاصل ہو گیا۔ تیسرے درجہ کے توکل کی یہ مثال ہے کہ جیسے میت غسال کے ہاتھوں میں ہو۔ یہاں اس کی تشریح کا موقع نہیں ہے۔ یہ جو یاددہانی کرائی گئی، اس لئے تھی کہ اگر ہم میں سے کسی کو توفیق الٰہی سے توکل کا مقام حاصل ہو جائے تو ہم میں غرور نہ پیدا ہو کہ ہم توکل پر فائز ہو گئے کیونکہ ابھی توکل کے بہت سے مراحل طے کرنا باقی ہیں۔

توکل کی کیفیت دائمی ہونی چاہئے

دوسرا اہم نکتہ یہ ہے کہ یہ توکل کی کیفیت دائمی ہو۔ یہ نہیں کہ کبھی توکل ہے اور کبھی نہیں ہے۔ یہ صورت حال قطعاً ناکافی ہے۔ توکل کی صحیح کیفیت یہ ہے کہ ہمیشہ اللہ تعالےٰ پر بھروسہ ہو اور غیر اللہ پر تکیہ نہ کیا جائے اور اس میں دوام و استمرار کا حصول طویل ریاضت کا متقاضی ہے۔

دیکھا آپ نے بچہ کسی کا احسانمند ہو کر بھی ماں ہی کی طرف دیکھتا ہے کہ اے ماں میرے محسن کا شکر ادا کر کہ اس نے تیری خاطر مجھ پر احسان کیا ہے جب وہ احسان و دفع ضرر کیلئے سوائے ماں کے کسی طرف متوجہ نہیں ہوتا اور کسی دوسرے سے بھی اگر اسے کچھ حاصل ہوتا ہے تو بھی ماں ہی کا احسان مند ہوتا ہے۔ تو کیا ہمیں اتنا بھی نہیں چاہئے کہ کم از کم اپنے محسنِ حقیقی پر اتنا ہی توکل کرنے لگیں جتنا بچے کا اپنی ماں پر ہوتا ہے؟۔
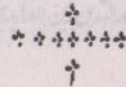
✣ ✣ ✣ ✣ ✣ ✣ ✣

مجلس ۱۹

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم — انّہ لیس لہ سلطانٌ علی الّذین آمنوا وعلی ربّہم یتوکّلون (نحل: ۹۹)

رنج و راحت اللہ کی طرف سے ہے۔

توکل کا لازمہ یہ ہے کہ انسان سمجھ لے کہ "لہ ملک السمٰوات والارض" اور "تبارک الّذی بیدہ الملک" کہ ہر چیز پر اس کی بادشاہی ہے اور کائنات کی ہر چھوٹی بڑی چیز کلی اور جزئی طور پر اس کی ملکیت ہے اور اس کے مشیئت و ارادہ کے زیر اثر ہے۔ جیسا کہ سورہ نجم میں بعض جزئی افعال کو اپنی طرف نسبت دیتے ہوئے فرماتا ہے: "وانّہ ھو اضحک وابکیٰ" (اور وہی ہے جو ہنساتا بھی ہے اور رلاتا بھی ہے) مطلب یہ ہے کہ تمام اسبابِ خندہ و گریہ کو بھی وہی فراہم فرماتا ہے اور: "وانّہ ھو اغنیٰ واقنیٰ" (وہی مال و دولت عطا کرتا ہے اور صاحب ثروت بناتا ہے)۔

جس زمین پر آپ چلتے ہیں وہ بھی اس کی ہے جس گھر میں آپ رہتے ہیں۔ وہ بھی اور ہر وہ چیز جو آپ کی ملکیت میں ہے آپ کی دولت وغیرہ، وہ بھی اسی کی ہے۔ آپ کو اس کے علی الاطلاق مالک ہونے پر پختہ ایمان ہونا چاہئے۔

علم کے بغیر عقیدہ توحید افعالی نہیں

تاوقتیکہ آپ ان حقائق پر یقین نہ کریں ناممکن ہے کہ لا حول ولا قوۃ الا باللہ کے حقیقی مفہوم کو سمجھ سکیں۔ انسان کو چاہئے کہ تمام وسائل و اسباب کو کلی اور جزئی طور پر اللہ تعالےٰ کی طرف سے سمجھے۔ اس حقیقت پر یقین کامل ہونے سے اسے صحیح معنوں میں معلوم ہوگا کہ لا حول ولا قوۃ الا باللہ کا مطلب غیر اللہ کی قدرت و طاقت کی مطلقاً نفی ہے۔ لفظِ "لا" نفی جنس کا معنیٰ دیتا ہے کہ ہرگز ہرگز کوئی بھی قوت اللہ کے سوا کسی کو حاصل نہیں۔ سب قوتوں کا منبع و سرچشمہ اور خالق و مالک وہی ہے۔

مراتب وجود میں سے کوئی مرتبہ بھی اپنی ذات میں مستقل نہیں ہے۔ انسان کا زبان کو جنبش دینا اور اس سے لفظ ادا کرنا بھی صرف اسی کی مشیئت سے ممکن ہے۔

منہ کھل کے بند نہیں ہوا

چند دن ہوئے ایک خاتون کو علاج کیلئے لایا گیا۔ ان کے منہ کا جبڑا لٹکا ہوا تھا۔ ان کا کہنا تھا کہ جمائی کے لئے منہ کھولا تھا لیکن پھر بند نہ ہو سکا۔

پچ ہے کہ دونوں جبڑوں کو باہم ملانا بھی اسی کے قبضۂ قدرت میں ہے۔ خلاصہ بحث یہ ہے کہ امور میں اسباب کے صرف مستقل بالذات ہونے کی نفی کریں۔ لیکن انہیں بالکل ہی نظر انداز نہ کردیں۔

اسباب غیب کے زیر اثر ہیں جو کچھ غیب میں اللہ کی مشیت میں ہوگا وہی ظہور میں آئے گا۔ اس حقیقت کو سمجھنے کے لئے بہت تفکر و تدبر کی ضرورت ہے۔

سورۂ توحید کی اہمیت

قرآن مجید کا تقریباً ایک تہائی توحید کے بارے میں ہے اور سورۂ توحید کی اتنی اہمیت ہے کہ معتبر روایات کے مطابق اس کی تلاوت کا ثواب ایک تہائی قرآن مجید کی تلاوت کے برابر ہے یعنی اگر کوئی شخص قرآن مجید کے ایک تہائی کا اجمال چاہے تو وہ سورہ توحید ہے جس کی تفصیل ایک تہائی قرآن کی حامل ہے۔

یہ ثواب کس کے لئے ہے۔ صرف اس کیلئے ہے جو اہل توحید ہو۔ وہ سورہ توحید کو ایک بار پڑھ کر ثلث قرآن اور اسے تین مرتبہ تلاوت کر کے پورے قرآن مجید کی تلاوت کے ثواب کا مالک بن جاتا ہے۔

جیسا کہ ہم نے بیان کیا کہ جو قلہ (لاحول ولا قوۃ الا باللہ) بہشت کے دروازے کی چابی ہے لیکن صرف اس کیلئے جو توحید کی عملی حقیقت کو جان چکا ہو۔ ورنہ ایک جاہل انسان جس کی عقل درست نہ ہو جاہلانہ طور پر لاحول ولا کا ورد کر کے در جنت کی چابی کیسے حاصل کر سکتا ہے۔

ابراہیم خلیل اللہ متوکلین کیلئے سرمایہ افتخار ہیں

توکل کا پہلا درجہ یہ ہے کہ مسلمان اللہ تعالےٰ کو کسی دنیاوی وکیل سے کم تر نہ جانے۔ دوسرا درجہ اس کا یہ ہے کہ اللہ تعالےٰ پر کم از کم اتنا انحصار کرے جتنا ایک بچے کا اپنی ماں پر ہوتا ہے۔ اس کا تیسرا درجہ خاصان خدا سے مخصوص ہے جن کی ملکیت اور اوڑھنا بچھونا صرف رضائے الٰہی ہے۔ وہ صرف وہی کچھ کرتے ہیں جو اللہ تعالےٰ کی مشیت ہوتی ہے۔

توکل کے اس مقام پر حضرت ابراہیم خلیل اللہ فائز تھے کہ جس وقت نمرودیوں نے آپ کو آگ میں پھینکنا چاہا تو جبرئیلؑ نازل ہوئے اور انہوں نے آپ سے کہا کہ اگر آپ کی کوئی حاجت ہو تو فرمائیں۔ فرمایا ہے تو سہی لیکن تم سے نہیں

جبرئیل نے کہا پھر کس سے ہے؟ آپ نے جواب دیا۔ "حسبی عن سوالی علمہ بحالی" اس کو میرے حال کی خبر ہے، سوال کی ضرورت نہیں۔ وہ خود دانا و بینا ہے۔ جو کچھ وہ چاہتا ہے میں بھی وہی چاہتا ہوں۔

کیا ہم نے کبھی سچ بولا؟

ہم نے زندگی میں ہزاروں بار حسبی اللہ ونعم الوکیل کہا ہوگا کہ میرے لئے اللہ تعالےٰ کافی ہے اور وہ بہترین وکیل ہے۔ لیکن کیا عملی طور پر کبھی ہم نے اسے اپنے دنیاوی یا اخروی امور میں کلی یا جزئی طور پر اپنا وکیل سمجھا؟۔

کیا ہم نے قرآن مجید کے فرمان "فاتخذہ وکیلا" کہ اللہ تعالےٰ کو اپنا وکیل بناؤ۔ پر کبھی عمل کیا؟ اور اگر اس کا جواب نفی میں ہے تو پھر اعتراض و اضطراب اور تردد و تذبذب کیسا؟ یقین جانیے کہ اس سب کچھ کی صرف ایک وجہ ہے اور وہ عقیدہ و یقین کی کمی اور ضعف ایمان ہے۔

متوکل لالچی نہیں ہوتا

لیکن مقام عمل میں اگر کسی کو توکل نصیب ہو جائے تو اپنے لوازمات امور میں بھی وہ حرص اور لالچ سے باز رہتا ہے۔

عدۃ الداعی میں ہے کہ حجۃ الوداع کے موقعہ پر نبیؐ نے خانہ کعبہ کی چوکھٹ کو پکڑا اور صحابہ کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا۔ روح الامین نے میرے دل میں الہام کیا ہے کہ کوئی شخص نہیں مرے گا تا وقتیکہ اس کا اس دنیا سے رزق ختم نہ ہو۔ یعنی کوئی شخص اپنے مقدر رزق کا آخری لقمہ کھانے سے پہلے نہیں مریگا۔ لہذا خدا سے ڈرو اور حرص نہ کرو مبادا حرام خوری میں مبتلا ہو جاؤ (ان روح الامین نفث فی روعی انہ لن تموت نفس حتیٰ یستکمل رزقہ فاتقوا اللہ واجملوا فی الطلب)۔ لیکن اگر کسی شخص کا تکیہ اسباب دنیا پر ہو تو اُسے جتنا بھی ملے سیر نہ ہوگا گویا اسے کچھ ملا ہی نہیں۔

میرا مقصد یہ نہیں ہے کہ آپ روزگار کی تلاش میں نہ نکلیں۔ ضرور جائیں لیکن اللہ تعالےٰ کے توکل پر جائیں، صرف سبب کے آسرے پر نہ جائیں۔

وکیل کی اطاعت ضروری ہے

توکل اور سبب کو جمع کرنے کے بارے میں اس مثال پر غور کیجئے۔ آپ کسی سخت قانونی الجھن سے دوچار ہیں جس سے نمٹنا آپ کے اپنے بس کا روگ نہیں۔ ہم نے آپ کو مشورہ دیا کہ کوئی دانا، ہوشیار اور ہمدرد وکیل تلاش کیجئے اور اس کے مشورے پر عمل کیجئے۔ تو آپ کا یہ عمل نہ

صرف یہ کہ توکل کے منافی نہیں ہوگا، بلکہ آپ کیلئے اس کے مشورے پر عمل بھی ضروری ہوگا کیونکہ وکیل خود ایسا چاہتا ہے اور آپ کا عمل اس کے حکم کے مطابق ہے نہ کہ اس کی مخالفت میں اور اس تدبیر سے وکیل آپ کے کام کو درست کرنا چاہتا ہے۔

اس مثال سے ثابت ہوگیا کہ وکیل کے حکم کی تعمیل میں اسباب کی پیروی توکل کے منافی نہیں اور یہی اللہ تعالےٰ کی بھی سنت ہے کہ وہ اسباب کے ذریعے اپنے بندوں کے امور کی اصلاح فرماتا ہے۔ (ابی اللّٰہ ان یجری الامور الا باسبابھا) بیماری سے شفاء اللہ تعالےٰ دیتا ہے لیکن طبیب کے پاس جانے اور دوا لینے کی ہدایت بھی فرماتا ہے اور اس امر میں اس نے غفلت کی مذمت بھی فرمائی ہے۔ اسی طرح امر آخرت کے بارے میں فرماتا ہے کہ بہشت میں جانے کیلئے انسان کا توکل اللہ تعالےٰ پر ہے۔ سچ تو یہ ہے کہ آپ کا وکیل خود فرما رہا ہے کہ آپ کا جنت میں جانا آپ کے اعمال پر موقوف ہے۔ "لیس للانسان الّا ما سعیٰ"۔ لیکن آپ اپنی نجات کا انحصار صرف عبادت پر نہ رکھیں بلکہ اس میں بھی بھروسہ اس کے لطف و کرم پر کریں۔ اپنے عمل کو نہ دیکھیں کہ اس سے غرور و عُجب پیدا ہوگا جو ہلاکت کا سبب بن سکتا ہے۔ لہٰذا جو اس کا حکم ہو بسر و چشم اس کی تعمیل کریں۔

خالی دوکان میں اللہ کے سہارے

یہی وجہ ہے کہ مزدور لوگ جب کسب معاش کیلئے گھر سے نکلتے ہیں تو کہتے ہیں: اے پروردگار رزق کیلئے حرکت و کوشش ہم کرتے ہیں۔ اس میں برکت تو عطا فرما۔ یہ الفاظ توحیدی ہیں۔ ان کی تکرار و تعمیل سے انسان موحد بن سکتا ہے۔

روایت ہے کہ مدینہ منورہ میں ایک شخص نے حضرت صادق آلِ محمدؑ سے تنگدستی کی شکایت کی۔ آپ نے فرمایا جب تو کوفہ واپس پہنچے تو ایک دوکان کرایہ پر لے اور اس میں بیٹھ۔ اس نے عرض کیا۔ میرے پاس سرمایہ نہیں۔ آپؑ نے فرمایا تجھے اس سے کیا؟ (جو کچھ تجھ سے کہا گیا ہے اس کی تعمیل کر)۔ اس نے ایسا ہی کیا اور ایک دُکان میں بیٹھ گیا۔ ایک شخص کوئی جنس لے کر اس کے پاس آیا اور اس نے اس سے کہا۔ یہ خریدو گے وہ بولا میرے پاس پیسے نہیں ہیں۔ صاحب جنس نے کہا۔ پیسے بیچنے کے بعد دے دینا اور اپنا حق عمل بھی وصول کر لینا۔

ایک دوسرا شخص کوئی اور جنس لے کر آگیا پھر تیسرا پھر چوتھا۔ دوسری طرف سے خریدار بھی آگئے اور تھوڑی ہی مدّت اس کے پاس کافی سرمایہ ہوگیا اور اس کے حالات سنور گئے۔

بے کار جوان خدا کا دشمن ہے

بعض لوگ ایسے ہیں کہ کہیں سے سُن لیا کہ اللہ پر توکل ضروری ہے اور مغالطہ میں مبتلا ہو کر ہاتھ پر ہاتھ دھر کر بیٹھ گئے کہ خدا دے گا۔ لیکن توکل کا یہ معنیٰ نہیں ہے۔ ہم کہتے ہیں کہ کام ضرور کرنا چاہئے لیکن اللہ تعالےٰ کے حکم کی تعمیل میں نہ کہ کام کو یا مثلاً فیکٹری یا کارگاہ کو رازق سمجھ کر۔

سچا مسلمان جو کام بھی کرتا ہے محض اللہ کی اطاعت و فرمانبرداری میں کرتا ہے۔ اسے معلوم ہے کہ بمطابق فرمانِ نبوی:۔ انّ اللّٰہ یبغض الشاب الفارغ "بے کار نوجوان خدا کا دشمن ہے۔ اس لئے وہ کسب معاش کے لئے کام تلاش کرتا ہے اور اس کیلئے ضروری اسباب اختیار کرتا ہے۔

اہل علم کی روزی غیب سے!

کوئی شخص یہ اعتراض نہ کرے کہ پھر اہل علم کیوں دوسروں کی طرح کسب معاش نہیں کرتے؛ کیونکہ حقیقت یہ ہے کہ اس زمانے میں طالب علمی کا کام کسب معاش کے تمام کاموں سے منافات رکھتا ہے۔ یہ ممکن نہیں کہ کوئی شخص مختلف کام بھی کرے اور صحیح معنوں میں فقیہ بھی بن سکے۔ بلکہ اسے سارا وقت حقائق دینی کی تحصیل میں خرچ کرنا چاہئے۔ اللہ تعالےٰ ان کے رزق کو "من حیث لا یحتسب" (وہاں سے جہاں کا سان گمان نہ ہو) مہیا فرماتا ہے۔ چنانچہ روایات میں ہے" طالب العلم کے سوا ہر شخص کا رزق اللہ تعالےٰ نے اسباب دنیا میں منحصر فرمایا ہے۔" کیونکہ اس کے پاس اس کے سوا چارہ نہیں کہ اپنا سارا وقت دینی امور کیلئے وقف کرے۔

توکل اسباب پر منحصر نہیں

توکل کی علامات میں سے ایک علامت عدم حرص ہے۔ دوسری علامت یہ ہے کہ ملنے سے اس کی کیفیت میں کوئی تغیر واقع نہیں ہوتا۔ بعض اوقات انسان خود کو اہل توکل سمجھتا اور اپنا تمام تر تکیہ ذات الٰہی پر جانتا ہے لیکن عملاً جب وہ کسی سبب کی پیروی کر کے حصولِ مقصود میں ناکام ہوتا ہے تو رنجیدہ ہو جاتا ہے۔ یہ علامت اس حقیقت کی ہے کہ اس کا تکیہ سبب پر تھا نہ کہ اللہ تعالےٰ پر۔ اگر توکل محض خدائے تعالےٰ پر ہو تو سبب کی ناکامی کو مشیت ایزدی سمجھ کر زبان شکایت دراز نہ کرے کیونکہ عین ممکن ہے اس سبب میں مصلحت نہ ہونے کی وجہ سے اللہ تعالےٰ نے کسی دوسرے سبب سے اس کے مقصد کا حصول مقدر فرمایا ہو۔ دوسری طرف اگر اسے اپنے مقصد کے حصول میں کامیابی ہوئی لیکن اسے اس نے صرف سبب کا مرہونِ منت سمجھا اور شکر خدا سے قطع نظر کر کے سبب ہی کی مدح و ثنا کی تو یہ علامت اس حقیقت کی ہے کہ اس کا سارے کا سارا تکیہ سبب پر تھا نہ کہ مسبب الاسباب پر۔

ضعفِ ایمان کی باتیں

اسباب کی تعریف یا مذمت میں مبالغہ بھی عدم توکل کی علامت ہے اور توحید پر عدم ایمان یا ضعفِ ایمان کی دلیل ہے۔ کیونکہ اگر توحید پر ایمان درست ہو تو توکل بھی درست ہے اور اگر توکل درست ہو جائے تو انسان کے کردار و گفتار میں جھلکنے لگتا ہے اور اس کی پسند و ناپسند میں منعکس ہوتا ہے۔

اگر کسی کو کسی سبب سے کوئی فائدہ حاصل ہو لیکن وہ مشیّت ایزدی کا شکر گذار ہونے کی بجائے سبب کا احسان مند ہو اور صرف اسی کی تعریف میں رطب اللسان ہو تو وہ مشرک ہے اور اگر سبب سے مایوس ہو کر اس کی مذمت کرنے لگے تو یہ اس بات کی علامت ہے کہ وہ اپنا مشکل کشا اللہ تعالےٰ کو نہیں بلکہ اس سبب کو سمجھا ہوا تھا اور جب اس سے مایوس ہوا تو اس کی مذمت کرنے لگا یہ خصلت انسانوں میں عموماً پائی جاتی ہے۔

لیکن جس کی امید صرف اللہ تعالےٰ سے ہو اور وہ حصول مقصد کیلئے کسی سبب کا سہارا لے کر اس میں ناکام ہو تو سمجھ لیتا ہے کہ اللہ تعالےٰ کی مشیّت نہیں تھی اور اگر اس میں کامیاب ہو تو بھی اللہ تعالےٰ ہی کا شکر گذار ہوتا ہے اور اسباب کو اللہ تعالےٰ کی رضا سے جدا سمجھ کر انہیں موردِ مدح و ذم نہیں سمجھتا۔

توکل کا حصول واجب ہے

توکل واجبات میں سے ہے اور اس سے بے اعتنائی برتنے والا ترک واجب کا مرتکب ہے جس طرح توحید پر ایمان لازمی ہے اسی طرح توکل بھی ضروری ہے۔ اور حقیقت یہ ہے جو انسان صحیح معنوں میں موحد ہو جائے، اسے توکل کا مقام بھی حاصل ہو جاتا ہے۔ اور ایمان کے تمام لوازم سے بھی وہ آراستہ ہو جاتا ہے۔ ایمان بالتوحید کا مطلب ہی یہ ہے کہ انسان جملہ امور کو مشیّت ایزدی سے وابستہ سمجھے۔ اسی سے امید وار ہو، اسی سے خائف رہے اور اسی پر توکل رکھے۔

محقق اردبیلی زبدۃ البیان میں فرماتے ہیں کہ توکل کے بارے میں اللہ تعالےٰ کا جو حکم وارد ہوا ہے وہ نبیؐ سے مخصوص نہیں ہے کیونکہ آیۂ شریفہ "فاتّخذہ وکیلا" سب کیلئے ہے اور اس کی شاہد دوسری آیات کریمہ ہیں جن میں عوام الناس سے ایسا خطاب کیا گیا ہے مثلاً "وعلی اللہ فتوکلوا ان کنتم مومنین۔" یعنی تم سب اللہ تعالےٰ پر توکل کرو اگر مومن ہو لہٰذا یہ حکم عمومی ہے۔

یہاں ممکن ہے کہ یہ کہا جائے کہ اس طرح کے یہ قرآنی احکام اخلاقی دستور کی حیثیت رکھتے ہیں۔ لیکن اس صورت میں پھر لا الہ الّا اللہ کو بھی یہی کچھ ماننا پڑے گا۔ لا الہ الّا اللہ کا مطلب یہ ہے کہ رب، معبود، مدبّر، مدیر جو لائق پرستش

اور قادر مطلق ہے صرف اللہ تعالےٰ ہے، کوئی دوسرا نہیں ہے یہی توحید افعالی ہے تو کیا اس پر بھی ایمان نہ لانے والے کیلئے مواخذہ نہیں ہے۔ پس ہر امر میں توحید پر ایمان لازمی ہے۔

مشورہ اور توکل

محقق اردبیلی فرماتے ہیں کہ آیۂ شریفہ "وشاورھم فی الامر واذا عزمت فتوکّل علی اللہ" کی رو سے ضروری ہے کہ مومن ہر امر میں دوسروں سے مشورہ کرے لیکن یہ بھی نہ سمجھے کہ اس کے امر کا صحیح ترین اور مناسب ترین حل صرف اس مشورے ہی میں ہے بلکہ حقیقت میں اس کا تکیہ خدائے تعالےٰ پر ہونا چاہئے جو مشورہ دینے والوں کی زبانوں پر اس حل کو جاری فرماتا ہے۔

اگر مشورے کی وجہ سے اس امر میں آپ کو کامیابی ہوئی تو یہ نہ کہئے کہ مشورے ہی کی وجہ سے ہے بلکہ یوں سمجھئے کہ اللہ تعالےٰ کے الہام کی برکت سے مشورہ دینے والوں نے درست رائے دی اور اگر کامیابی نہ ہوئی تو جان لیجئے کہ اللہ تعالےٰ کی مشیّت نہیں تھی۔

غرضیکہ رائے آپ کی اپنی ہو یا کسی دوسرے کی، صرف مشورے پر انحصار نہ کیجئے بلکہ اللہ تعالےٰ سے بہتری کی امید رکھ کر اپنے معتمدین سے مشورہ کیجئے کہ اللہ تعالےٰ مشیّت کے مطابق صحیح رائے دیں۔

توکل نہیں تو ایمان نہیں

بلکہ فرماتے ہیں کہ جسے توکل حاصل نہیں وہ ایمان سے محروم ہے کیونکہ اللہ تعالےٰ کا ارشاد ہے۔ "وعلی اللہ فتوکّلوا ان کنتم مومنین" "اگر مومن ہو تو اللہ تعالےٰ پر توکل کرو۔" لہٰذا اگر توکل نہیں تو ایمان بھی نہیں۔ اس کا مطلب یہی ہے کہ ایمان کی حقیقت اللہ تعالےٰ کو مسبب الاسباب ماننا ہے۔ اور اس کا اوّلین اور بنیادی تقاضا تکیہ بر خدا ہے۔ پس اگر آپ نے اپنی یا کسی دوسرے کی رائے کو مشیّت الٰہی سے صرف نظر کر کے صرف فہم و فراست کی نظر سے دیکھا تو جان لیجئے کہ آپ نے اللہ تعالےٰ سے جدائی اختیار کی اور اس صورت میں جب آپ مومن ہی نہیں تو توکل آپ کو کیسے نصیب ہو جائے گا۔

ادّعا باز رسوا ہوتا ہے

ایک ساٹھ سالہ شخص جسے ہر علم میں استاد ہونے کا دعویٰ تھا اور خاص طور پر طب میں خود کو ارسطوئے زماں سمجھتا تھا اور عام طور پر کہتا تھا کہ قواعد طب کے مطابق میں اپنے جسم کے بارے میں اتنا محتاط ہوں کہ مجھے یقین ہے کہ چالیس سال اور جیوں گا۔

دوسرے روز ظہر کے وقت اس نے دہی اور کھیرا کھایا (دانتوں سے یہ حضرت محروم ہی تھے)۔ اس کے دل میں درد اٹھا۔ بجائے اس کے یہ سمجھے کہ یہ درد سردی سے ہے، اس نے درد کی تشخیص یوں کی کہ چونکہ دہی صفراء کا تریاق ہے اور مجھے صفراء کا غلبہ ہے۔ لہٰذا ممکن ہے کہ دہی پورے طور پر اسے درست نہ کر سکا ہو۔ لہٰذا اس نے اوپر سے لیموں کا رس پی لیا تاکہ اپنے خیال کے مطابق اعتدال مزاج قائم ہو جائے۔ لیکن اسی روز عصر کے وقت اس کا انتقال ہو گیا۔

پس محض اپنے فہم پر بھروسہ نہ کریں

جو شخص صرف اپنے فہم پر تکیہ کرتا ہے بالفاظ دیگر یہ سمجھتا ہے کہ کوئی بالائی طاقت موجود نہیں جو کائنات کے امور کی مدبر ہو اور اس کے فہم یا ارادے پر غالب آسکے۔ ایسی کیفیت میں مبتلا انسان ایمان سے بے نصیب ہے۔

آپ کو چاہئے کہ جب بھی کوئی ارادہ کریں تو اپنے عقل و فہم یا دوسروں کے مشورے کی مدد سے اللہ تعالےٰ پر توکل کریں۔ صرف سبب کو مستقل نہ سمجھیں کیونکہ نہ جانے اللہ تعالےٰ کی مصلحت اور اس کی مشیئت کیا ہے۔

خلاصہ یہ کہ اگر توکل نہ ہو تو ایمان بھی ممکن نہیں توکل کا معنی دوسرے پر اعتماد ہے جو شخص اللہ تعالےٰ پر توکل کرتا ہے۔ وہ اپنے دوسروں کے اور ہر چیز کے عجز کو خوب سمجھ کر اپنا کام اللہ کے سپرد کرتا ہے اور اگر متوکل نہ ہو تو خدا کے سوا سب کو کارکشا سمجھتا ہے۔

اعاذنا اللہ من ذلک والسلام

مجلس ۲۰

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم   انہ لیس لہ سلطان علی الذین آمنوا وعلیٰ ربہم یتوکلون (نحل: ۹۹)

پچھلی بحث میں توکل کے وجوب کے بارے میں محقق اردبیلیؒ کے فرمودات پیش کئے گئے۔ سورہ آلِ عمران کی ۱۵۹ ویں آیہ شریفہ " وشاورھم فی الامر فاذا عزمت فتوکل علی اللہ "۔ (اپنے کام کے بارے میں دوسروں سے مشورہ کرو، پھر جب ارادہ کر لو تو اللہ تعالےٰ پر توکل کرو) کے ضمن میں انہوں نے کہا تھا کہ خواہ آپ کے ارادے کی بنیاد آپ کی اپنی رائے ہو یا دوسروں کا مشورہ ہو، اللہ تعالےٰ پر آپ کا توکل لازمی ہے اور جو بھی کامیابی اپنی کوشش میں آپ کو حاصل ہو اسے اپنی اصابت رائے یا دوسروں کے مشورہ کا نتیجہ نہ سمجھیں بلکہ توکل علی اللہ کا ایک کرشمہ جانیں کہ اسکی مشیئت نے آپ کے حق میں مناسب ترین فیصلہ فرمایا

اسباب کی حقیقت

آپ کوئی بھی کام کرنا چاہیں خواہ وہ طلب خیر کیلئے ہو یا دفع ضرر کیلئے، اس کے لئے اللہ تعالےٰ پر توکل کریں اور صرف اپنی ذاتی رائے یا دوسروں کے مشورہ پر تکیہ نہ کریں کیونکہ وہ بھی آپ کی ہی طرح ایک عاجز مخلوق ہیں۔ " ان الذین تدعون من دون اللہ عباد امثالکم " ۔ (اللہ تعالےٰ کے سوا جتنے بھی مدد کیلئے پکارو گے، تمہارے ہی جیسا اللہ کا بندہ ہوگا)۔ اس لئے ضروری ہے کہ آپ کے دل کی قوت کا سرچشمہ ذاتِ الٰہی کے سوا کوئی اور نہ ہو کیونکہ ہر شخص کی عقل و نظر محدود ہے اور اصل واقعہ کی پوری خبر نہیں رکھتا۔

ہم یہ نہیں کہتے کہ آپ مشورہ نہ کریں اور اپنی یا اپنے بہی خواہوں کی صواب دید پر عمل نہ کریں۔ بلکہ ہمارا کہنا یہ ہے صرف اپنی یا دوسروں کی مصلحت اندیشی پر تکیہ نہ کریں بلکہ اپنی ساری کی ساری امید خدائے تعالےٰ پر رکھیں اور اسی سے دعا کریں کہ آپ کی بہتری کو آپ کے مشیروں کی زبان پر جاری فرمائے۔ ارشاد ہوتا ہے کہ " ما حار من استخار " ۔ (اللہ تعالےٰ سے استخارہ (طلب خیر) کرنے والا پریشان نہیں ہوتا)۔ کیونکہ اپنے غیب کے امور کے بارے میں وہ اس سے رہنمائی مانگتا ہے جو علام الغیوب اور قادر مطلق ہے اور اس کے وردِ زبان یہ دعا ہوتی ہے؛ " اللّٰھم خر لی فی امری " (پروردگار میرے امر میں خیر فرما)

استخارہ اور توکل

حضرت امام سجادؑ کے متعلق روایات میں وارد ہے کہ آپؑ کو جب بھی کوئی ضروری کام از قسم خریدِ مکان، ازدواج یا سفر وغیرہ درپیش ہوتا تو دو سو بار "استخیر اللہ برحمتہٖ فی عافیۃ" کا ورد فرماتے اور اس کے بعد اللہ تعالےٰ پر توکل کر کے اپنی صوابدید کے مطابق عمل فرماتے۔

محققؒ فرماتے ہیں کہ توکل کی وجہ سے مسلمانوں پر واجب ہے کہ اپنے کام اللہ تعالےٰ پر چھوڑیں اور اپنے جملہ امور اس کے سپرد کریں اور پھر اس کے حسنِ مشیّت کے امیدوار رہیں۔ مثلاً کسان اللہ تعالےٰ پر تکیہ کر کے کھیت میں تخم ریزی کرتا ہے تاکہ اس کی فصل اچھی ہو اور محنت اس کی کامیاب ہو۔ آپ جب اپنے کسی مقصد میں کامیاب ہوں تو اسے اللہ تعالےٰ کی مشیّت سمجھیں اور خالصتاً اپنی کوششوں کا نتیجہ نہ جانیں ورنہ شرک کے مرتکب ہوں گے۔

آپ کا یہ عقیدہ ہونا چاہئے کہ آپ صرف کام کرنے کا ایک آلہ یا ذریعہ ہیں۔ کام آپ ضرور کرتے ہیں لیکن اس کا نتیجہ آپ کے ہاتھ میں نہیں ہے۔ آپ کا کام درِ مشیّت کو کھٹکھٹانا ہے اور اسباب کا وسیلہ اختیار کرنا ہے لیکن رزق عطا کرنا یا اس میں کمی بیشی کرنا آپ کے اختیار میں نہیں ہے۔

انسان کوئی بھی کام کرے، ایمان اس کا یہی ہونا چاہئے کہ توفیق اور حسن عاقبت اللہ تعالےٰ کے دست قدرت میں ہے۔

علمائے کرام کا فرمان ہے اور علامہ طبرسی نے بھی تفسیر مجمع البیان میں تحریر فرمایا ہے کہ اپنے امور کو اس طرح اللہ تعالےٰ کے سپرد کرنا چاہئے کہ اپنی ذات کا تصور مٹ جائے۔ "جعل النفس کالمعدوم" (اپنے نفس کو معدوم سمجھے)۔

کسان کی مانند جو تخم ریزی اور آبپاشی کے بعد اپنی ذات کو درمیان سے ہٹا لیتا ہے اور فصل کے بارے میں تمام امیدیں اللہ سے وابستہ کر کے اس کی مشیّت و رحمت کا منتظر ہو جاتا ہے کہ "ان اللّٰہ ھو الرّزاق" — کہ رازق صرف اسی کی ذات ہے۔

سب انسانوں کو اپنے امور میں اللہ تعالےٰ پر ایسا ہی ایمان ہونا چاہئے۔

سب کچھ مشیّت ایزدی سے ہے

جس طرح کسان جانتا ہے کہ فصل صرف اسی کی محنت ہی کا نتیجہ نہیں ہے کیونکہ بہت سی کھیتیاں بے حاصل بھی رہتی ہیں اور کئی آسمانی آفات کا شکار ہو کر اجڑ جاتی ہیں۔ اسی طرح تاجر کو بھی خوب معلوم ہونا چاہئے کہ تجارت میں منافع صرف اس کی سرمایہ کاری کی تدبیر یا

محنت کا نتیجہ نہیں ہے بلکہ درحقیقت کسان کی عرق ریزی اور تاجر کی سرمایہ کاری کو نتیجہ خیز بنانے والا صرف اللہ تعالےٰ ہے جو سب انسانوں اور کائنات کی ہر چیز کا مالک و خالق ہے۔ مدبر و مدیر بھی وہی ہے اور عطا فرمانے والا اور واپس لینے والا بھی وہی۔ اگر اس کی مشیت نہ ہوتی تو کسان اور تاجر کو سوائے محنت و جانفشانی کے کچھ حاصل نہ ہوتا۔ لہٰذا انسان کو چاہئے کہ صرف اللہ تعالےٰ پر توکل کرے ورنہ اسے رنج و محنت اور ضیاعِ عمر کے سوا کچھ نہیں ملے گا۔

خطرے میں توکل

ضرر سے نجات بھی وہی دیتا ہے۔ دشمن سے مقابلے کے لئے اسلحہ کی تیاری اور طاقت کی فراہمی ضروری ہے۔ لیکن دفاع کی کوشش میں کامیابی اس کے لطف و کرم پر منحصر ہے۔ لہٰذا اپنے جان و مال، اپنے ناموس اور بالخصوص اپنے دین کی حفاظت کیلئے آپ کا سارا بھروسہ اللہ تعالےٰ پر ہونا چاہیئے۔

توکل کا معنی یہ نہیں ہے کہ انسان حصول منفعت اور دفع ضرر کیلئے خود کچھ نہ کرے اور سب کچھ اللہ پر چھوڑ دے۔ اس مطلب کی ہم بارہا تکرار کر چکے ہیں کہ جب وکیل خود کہتا ہے کہ اسباب آپ اختیار کریں، کام آپ کا میں درست کروں گا تو آپ کو چاہئے کہ سبب کی پیروی بھی ضرور کریں۔ دشمن کے مقابلے میں اسلحہ ضرور مہیا کریں۔ لیکن یہ نہ سوچیں کہ اسلحہ کی موجودگی آپ کو عمل سے بے نیاز کر دے گی۔ دفاع آپ کو خود کرنا ہوگا لیکن اپنے دل کی طاقت کا منبع و سرچشمہ اس کی تائید کو قرار دینا ہوگا اور فتح و نصرت کیلئے اس کے لطف و کرم کا امیدوار رہنا ہوگا۔

جاہلانہ توکل

کافی سال ہوئے سامرہ میں بچھوؤں نے یلغار کر دی اور ہر در و دیوار سے اور ہر سوراخ سے نکلنے لگے سب طالب علم مدرسوں کو چھوڑ کر بھاگ گئے۔ ایک طالب علم نے مدرسے ہی میں رہنے کے بارے میں استخارہ کیا جو اتفاق سے اثبات میں آیا، چنانچہ وہ مدرسے ہی میں رہا اور رات کو بھی وہیں سو گیا۔ صبح وہاں سے اس کا جنازہ برآمد ہوا۔

یہ ایک جاہلانہ مذاق ہے کہ اللہ تعالےٰ پر توکل کر کے اپنے آپ کو دشمن کے حوالے کر دیا جائے۔ بلکہ چاہئے تو یہ کہ اس کے توکل پر دشمن سے فرار کیا جائے نہ یہ کہ اللہ کی امید پر بیٹھ رہئے اور کچھ نہ کیجئے۔

جس طرح توکل واجب ہے اسی طرح کسبِ رزق بھی واجب ہے اور اسی طرح اپنے نفس کو ہلاکت میں ڈالنا بھی حرام ہے۔ اللہ تعالےٰ اپنے امور کو اسباب کے ذریعے جاری فرماتا ہے۔ ہر چند کہ وہ بعض اوقات اسباب سے قطع نظر بھی کرتا ہے اور سبب کے بغیر بھی اپنے امور سرانجام دیتا ہے تاکہ اپنے قادر مطلق ہونے کا ثبوت مہیا فرمائے۔

صادق آلِ محمدؐ اور شیر

حضرتِ امام جعفر صادقؑ کوفے سے ایک قافلے کے ساتھ حج کیلئے تشریف لے جا رہے تھے کہ ایک شیر نے راستہ روک لیا۔ قافلے والوں کو جرأت نہ ہوئی کہ آگے بڑھیں آپؑ نے خود آگے بڑھ کر شیر کو اشارہ کیا اور وہ ہٹ گیا اور وہاں سے دور ہوگیا۔ پھر آپ نے حیرت زدہ اہلِ قافلہ سے مخاطب ہو کر فرمایا: "اگر تم بھی گناہوں سے محفوظ ہوتے تو یہ کچھ کر سکتے۔" یعنی درندے بھی تمہاری اطاعت کرتے۔

محقق اردبیلیؒ فرماتے ہیں۔ ایسے قضیئے میں امام وقت الہام خداوندی سے جانتا ہے کہ اس مقام پر اللہ تعالےٰ بغیر کسی سبب کے نجات دے گا اور اپنے علم سے یہ بھی جانتا ہے کہ یہ امر استثنائی ہے۔ لہٰذا اسے کلیہ سمجھ کر ہر جگہ منطبق نہ کیا جائے۔

توکل کے دیگر مفہوم

ہم کہہ چکے ہیں کہ توکلِ واجب اسباب کی پیروی اور اللہ تعالےٰ پر تکیہ سے عبارت ہے اس مقام پر ممکن ہے کہ ذہن میں اشکال پیدا ہو کہ بعض کتابوں میں توکل، اللہ تعالےٰ پر اعتماد کے علاوہ دوسرے معنوں میں آیا ہے۔ مثلاً "مومن خدا سے نہیں ڈرتا"۔ اب کیا توکل واجب یہ ہے کہ بھیڑیے یا صاحب قدرت دشمن سے بھی نہ ڈرا جائے اور فقر و بیماری سے بھی خوف نہ کیا جائے۔

دوسری روایت میں توکل کا معنی یہ لکھا ہے: "جاننا چاہئے کہ نفع و ضرر کا مالک خدا کے سوا کوئی نہیں۔" اور ایک روایت میں ہے کہ غیر خدا سے کوئی طمع نہ کرے اور نہ کسی سے کسی چیز کا طالب ہو۔ ان روایات کے صرف متن سے توکل کا صحیح مفہوم حاصل نہیں ہوتا۔

سبب کا وجود مستقل نہیں ہے

محقق اردبیلیؒ فرماتے ہیں کہ ایسی روایات کی توجیہ ضروری ہے۔ کسی سے کچھ طلب نہ کرنے کا مطلب یہ ہے کہ صرف اسی کو عطا کنندہ نہ سمجھے۔ مثلاً اگر روٹی کی خواہش ہے تو نانبائی کو رازق نہ سمجھے۔ وہ سوال جو صرف اور مطلقاً اللہ تعالےٰ سے کیا جا سکتا ہے مخلوق سے نہ کرے ورنہ شرک کا مرتکب ہوگا۔

ان دنوں یہ بات زبان زد عوام ہے کہ تہران میں کچھ لوگ وہابی مسلک کی تبلیغ کر رہے ہیں اور کہتے ہیں کہ "یا محمدؐ" "یا علیؑ" کہنا شرک ہے۔ اور دلیل میں "انّ الّذین تدعون من دون اللّٰہ عباد امثالکم"۔ (اللہ کے سوا جن کسی کو بھی تم پکارو تمہاری طرح اللہ کے بندے ہیں) یا "لا تدعوا مع اللّٰہ احداً" (اللہ تعالےٰ کے ساتھ کسی دوسرے کو نہ پکارو) جیسی

آیات شریفہ پیش کرتے ہیں۔

معلوم ہوتا ہے کہ یہ لوگ جاہل اور اندھے ہیں کہ ابھی تک دعا کا معنی بھی نہیں سمجھ سکے ہیں۔

غیرِ خدا کو پکارنا

دعا کا معنی بلانا یا پکارنا ہے۔ صرف بلانا یا پکارنا ممنوع نہیں ہے ہاں اس انداز میں جیسے کہ خدا کو پکارا جاتا ہے مخلوق کو نہیں پکارنا چاہئے۔ وہ پکار جو اللہ کے ساتھ مخصوص ہے "دعا" ہے کہ اگر اس انداز سے مخلوق کو پکارا جائے تو شرک ہوگا۔ یعنی شفاء اللہ تعالےٰ سے مانگنی چاہئے لیکن اگر اس کو دوا یا طبیب سے مانگا جائے تو شرک ہوگا۔ لیکن اگر تکیہ خدا پر ہو اور طبیب سے صرف تشخیص مرض یا دوا طلب کی جائے تو کوئی مضایقہ نہیں۔ اہل بیتؑ اطہار سے توسل کی بھی یہی کیفیت ہے۔ اگر کوئی ان ذوات قدسیہ سے مثلاً حضرت ابوالفضل العباس سے اس طرح سے مانگے جیسے خدا سے مانگا جاتا ہے تو شرک ہے۔

لیکن ایسا کوئی نہیں کرتا۔ سب ان حضراتؑ کو واسطہ و وسیلہ یا شفاعت کنندہ سمجھتے ہیں۔

پس توکل کا یہ معنی کہ غیر خدا سے کچھ بھی نہ طلب کیا جائے، یہ ہے کہ اللہ تعالےٰ کے سوا کسی کو عطا کنندہ نہ سمجھا جائے سب کو اس کی مشیت کا تابع اور پابند سمجھا جائے اور تکیہ صرف ذاتِ خداوندی پر کیا جائے۔ کیا "یا محمدؐ" اور "یا علیؑ" پر اعتراض کرنے والے خود ہر روز کئی مرتبہ غیر خدا کو نہیں پکارتے ؟۔

مجلس ۲۱

بِسمِ اللّٰہِ الرَّحمٰنِ الرَّحِیم   انّہ لیس لہ سلطان علی الّذین آمنوا وعلی ربّھم یتوکّلون   (نحل : ۹۹)

توکل ـــ علم توحید کا لازمہ

توکل کی اہمیت یہی بہت ہے کہ یہ توحید کے قطعی لوازم میں سے ہے۔ انبیاءؑ کی اوّلین دعوت توحید تھی۔ قرآن مجید سارے کا سارا توحید کے موضوع پر ہے۔ وہ علم جس کا حصول سب پر واجب ہے علم توحید ہے۔ "اول العلم معرفۃ الجبار وآخرہ تفویض الامر الیہ" (علم کی ابتداء اللہ تعالےٰ کی معرفت ہے اور اس کی انتہا، اپنے امور کو اللہ تعالےٰ کی مشیّت کے سپرد کر دینا ہے)۔

جو شخص حقیقتاً عالم بننا چاہے اس کا اوّلین فرض یہ ہے کہ اپنی توحید کو درست کرے اور اس کی تکمیل کرے۔ یہ نہ کہئے کہ کیا ہم سب مسلمان نہیں ہیں اور کیا ہمارا توحید پر ایمان نہیں ہے؛ کیونکہ توحید کی کسوٹی قلبی یقین اور لا الٰہ الا اللہ کا حقیقی فہم ہے اور توحیدِ افعالی پر (کہ عالم ہستی میں جو کچھ بھی واقع ہوتا ہے، اللہ تعالےٰ کی مشیّت اور اس کے ارادے سے ہوتا ہے) بھی یقین ضروری ہے۔ نیز "فما بکم من نعمۃ فمن اللّٰہ" ۔ (ہر نعمت کا عطا کنندہ اللہ تعالےٰ ہے) پر بھی تہ دل سے ایمان ہونا چاہیئے۔ صرف زبان سے اس کا اقرار کافی نہیں۔

الفاظ اور حقیقت میں بڑا فرق ہے

دن رات میں ہم پانچ مرتبہ نماز پڑھتے ہیں اور کم از کم دس بار "ربّ العالمین" کے الفاظ زبان سے ادا کرتے ہیں۔ لیکن صرف یہ الفاظ ادا کر دینے سے پروردگارِ کائنات پر ایمان مکمل نہیں ہو جاتا بلکہ تہ دل سے یہ یقین ہونا چاہیئے کہ سب انسانوں اور ربوبیّت کے دعویداروں کا خالق وہی ہے پس الفاظ مقصود بالذات نہیں ہیں کیونکہ وہ صرف زبان پر جاری ہو کر بدن کو پاک کر دیتے ہیں تاکہ اس پر اسلامی احکام لاگو ہو سکیں، بلکہ اصل مقصود وہ حقیقت واقعی ہے جس پر ہر انسان کا ایمان ہے کہ وہ عالمین کا پروردگار ہے اور ذرّہ خورد سے لیکر ہاتھی اور انسان تک اور زمین و آسمان اور سب فلکی ستارگانی اور کہکشانی نظاموں سے لیکر جن و ملک تک کا

خالق اور ان کے امور کا مدبّر و مدیر ہے۔ تمام ذرّات وجود ابتدائے تخلیق سے لیکر کمال خلقت تک اسی کے دست تربیت کے پروردہ ہیں، وہ انسان کا بھی رب ہے اور تمام مظاہر وجود کا بھی اور جب تک ایمان کی رسائی اس منزل تک متحقق نہ ہو توحید مکمل نہیں ہو سکتی۔ اگرچہ ہر ایک انسان کی بصیرت کیلئے خالق کائنات کا مشاہدہ ممکن نہیں لیکن کم از کم قرآن مجید پر ایمان کی وجہ سے یقین قلب کا پختہ ہونا ضروری ہے تاکہ حقیقی اسلام حاصل ہو سکے۔

امور کی تفویض

کیا قرآن مجید کلام الٰہی نہیں؟ اگر ہے تو پھر دیکھ لیجئے شروع سے آخر تک اس میں توحید ہی کا ذکر ہے۔ معبود، رب، مالک اور مدبر امور جزئی اور کلی صرف اللہ تعالےٰ ہے جو کائنات کے ذرّے ذرّے کا خالق و مالک اور مختار مطلق ہے۔ یہ سب جان لینے کے بعد جب اس کی الوہیت مطلقہ پر ایمانِ مکمل ہو جائے تو اپنے جملہ امور اس کے سپرد کر دینے چاہئیں۔

توکل کے بارے میں بزرگانِ دین نے فرمایا ہے: "التوکّل کلہ الامر کلہ الی مالکہ"۔ (توکل یہ ہے کہ اپنے سب امور کلی اور جزئی طور پر مالک مطلق کے سپرد کر دئے جائیں)۔ اگر آپ خود کو اس کا بندہ سمجھتے ہیں تو آپ کو اس کے سامنے لاف وجود نہیں مارنی چاہئے۔ یہ نہیں کہنا چاہئے کہ میں ایسا چاہتا ہوں یا میں یہ نہیں چاہتا۔ بلکہ جو کچھ وہ کرے اور جیسا بھی وہ چاہے اور جس حال میں بھی وہ رکھے اس کی رضا پر شاکر رہئے۔

اسباب سے تمسک بہر حال توکل سے کوئی منافات نہیں رکھتا۔ اور جیسا کہ ہم کئی بار یاد دلا چکے ہیں کہ "لیس للانسان الّا ما سعیٰ" ـــ (انسان کو وہی کچھ ملتا ہے جس کیلئے اس نے کوشش کی ہوتی ہے)۔ لیکن اس کا یہ معنیٰ بھی نہیں کہ سارے کا سارا تکیہ اسباب پر ہو کیونکہ آپ کے وکیل، آپ کے مالک نے فرمایا ہے کہ میں رزق اسباب کے ذریعے دوں گا لیکن اسباب میری مشیّت کے بغیر کچھ نہیں دے سکتے۔

آیات توحید میں غور و فکر

توحید کو ہر چیز سے زیادہ اہمیت دیجئے۔ قرآن مجید میں توحید سے متعلق آیات میں خوب تدبّر کیجئے تاکہ آپ کے اس ایمان کو تقویت ملے کہ اسباب کی کوئی مستقل حیثیت نہیں کیونکہ بعض اوقات اسباب اپنی تاثیر کھو بیٹھتے ہیں اور ان سے جو فوائد مربوط و متوقع ہوں وہ ان سے حاصل نہیں ہوتے۔

اسباب کا بے اثر ہو جانا اس بات کی قوی دلیل ہے کہ اسباب سے بالاتر کوئی کارفرما طاقت موجود ہے جو قادرِ مطلق ہے اور اس کی مشیت اسباب سے بے نیاز ہے۔ افلاطون کے متعلق مشہور ہے کہ ایک دفعہ وہ سخت قسم کے اسہال میں مبتلا ہوا۔ ہر چند علاج کیا لیکن افاقہ نہ ہوا۔

شاگردوں نے اس سے کہا آپ طب کے استاد ہیں اور اس قسم کے امراض کے علاج میں خصوصی مہارت رکھتے ہیں کیا وجہ ہے کہ اس مرض پر آپ قابو نہیں پا سکے۔ افلاطون نے ان سے کہا فلاں سفوف لاؤ۔ اس نے وہ سفوف پانی کے ساتھ نگل لیا۔ اسہال فوراً بند ہو گئے۔ وہ پھر شاگردوں کی طرف متوجہ ہوا اور بولا میں نے پہلے بھی یہ سفوف استعمال کیا تھا لیکن جب تک مشیت الٰہی نہ ہو کچھ بھی نہیں ہو سکتا۔

بعض اوقات ہم دیکھتے ہیں کہ کوئی امر بلاسبب واقع ہو گیا یا کسی ایسی وجہ سے ظہور پذیر ہو گیا جس سے بظاہر اس کا امکان نہ تھا۔

چند سال ہوئے صدر الحکماء مرحوم نے جو ایک متدین اور شریف النفس طبیب تھے۔ مجھ سے ایک واقعہ بیان کیا۔ کہنے لگے ایک دفعہ میرے پاس ایک مریض لایا گیا جو بے حد کمزور اور لاغر تھا۔ جب میں نے اس کا معائنہ کیا تو معلوم ہوا کہ وہ ہر طرح سے ختم ہو چکا ہے اور اس کا دل اس کے گردے اور جگر وغیرہ بے کار ہو چکے ہیں اور وہ صرف چند روز کا مہمان ہے میں نے اسے دوا دینے سے انکار کر دیا۔ اس کے متعلقین نے مجھ پر زبان طعن دراز کی اور کہنے لگے۔ معلوم ہوتا ہے کہ نیم حکیم ہو۔ کچھ بھی نہیں جانتے۔ میں دل میں ناراض تو ہوا لیکن ضبط کر کے ان کے اہانت آمیز الفاظ کے جواب میں ازراہ مذاق کہا اسے برسیم کا جوشاندہ پلاؤ۔

چند دنوں کے بعد وہی مریض جو اب بالکل تندرست تھا میرے پاس آیا۔ اس کے ساتھ اس کے عزیز بھی تھے اور وہ لوگ میرے لئے ایک دنبا اور بہت سا پنیر اور گھی تحفتاً لائے تھے۔ مجھ سے کہنے لگے جب آپ ایسی اچھی دوا جانتے تھے تو ہمیں مایوس کر کے واپس کیوں بھیج رہے تھے؟!

وہ قادر مطلق ہے بعض اوقات قوی سبب کو بے اثر کر دیتا ہے اور کبھی بلاسبب کسی امر کو ظاہر فرما دیتا ہے۔ مسبب الاسباب جو ہوا۔ وہ خود اسباب کا خالق ہے۔ بے اثر چیزوں میں اثر آفرینی اور قوی موثرات کا اثر کھو دینا اس کے دست قدرت

کے ایک ادنےٰ سے اشارے کا کرشمہ ہے۔ حصول نفع اور دفع ضرر کے اسباب کے پیچھے بھاگنے والے کو معلوم ہونا چاہئے کہ محض اسباب کی کوئی حقیقت وحیثیت نہیں کیونکہ امور کا مدبر اور مدیر صرف وہ ہے، چاہے تو بلا کسی ادنیٰ سبب کے کوئی عظیم الشان امر ظاہر فرما دے اور چاہے تو ہزاروں یقینی اسباب منہ دیکھتے رہ جائیں اور ان کا کوئی نتیجہ ظاہر نہ ہو۔

جناب موسیٰؑ کو ارشاد ہوتا ہے کہ اپنی غذا کیلئے نمک بھی مجھ سے مانگو۔ اس کا بھی دینے والا میں ہوں۔ اس کا معنی یہ نہیں ہے آپ اپنی جگہ پر بیٹھے رہیں اور اللہ تعالےٰ سے کہیں کہ تو میرے کھانے میں نمک ڈال دے بلکہ یہ مطلب ہے کہ اسی کے توکل پر نمک کے حصول کی کوشش کرو کیونکہ اگر اس کی مشیت میں نہیں تو ساری دنیا نمک سے پر ہو جائے آپ کو نمک نصیب نہ ہوگا۔

فقہ اور توحید

جب تک توحید میں یقین کامل حاصل نہ ہو، انسان عالم اور فقیہ نہیں ہو سکتا اور اسے دینی بصیرت نصیب نہیں ہو سکتی۔ کسبی علوم نور یقین کے حصول کا مقدمہ ہیں۔ اس کیلئے انسان کا علم درست ہونا اور احکام شرعی سے اسے پوری پوری واقفیت ہونی چاہئیے۔

عوام عموماً شرک میں مبتلا ہیں کہ اسباب کو حاجت روا مانتے ہیں۔ جس طرف دیکھو مادہ پرستی ہے، اسباب کی پوجا ہے اور جاہ ومال کی محبت ہے۔

بعض لوگ محراب ومنبر کو بھی معبود سمجھنے لگتے ہیں۔ لیکن یہ یاد رکھنا چاہئے کہ سبب کو مسبب سمجھ لینا شرک ہے۔

تقویٰ اور توحید

علم کے اس مقام تک رسائی کی کوشش ہمارا فرض ہے کہ جہاں ہمارا فرض ہے کہ جہاں ہماری توحید یقینی ہو جائے۔ "فاعلم انه لا اله الا الله"۔ (خوب سمجھ لے کہ اللہ کے سوا ہرگز کوئی معبود نہیں۔") اور وہاں تک پہنچنے کا راستہ تقویٰ ہے کیونکہ "فاتقوا الله ويعلمكم الله"۔ جب آپ کا تقویٰ مضبوط ہو جائے گا تو اللہ تعالےٰ کے فضل سے آپ عالم بن جائیں گے۔ وہ آپ کو علم کی دولت نصیب فرمائے گا جس سے "لا اله الا الله ولا حول ولا قوة الا بالله" میں آپ کا یقین مکمل ہو جائے گا۔ آپ کی دنیا بھی سدھر جائے گی اور جب آپ یہاں سے منزل عقبیٰ کی طرف روانہ ہوں گے تو علم وایمان ویقین کا نور آپ کا رہنما ہو گا۔ آخرت کے درجات عالیہ بھی اسی روشنی میں آپ کو نظر آئیں گے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ عمل بھی بہت ضروری ہے لیکن اگر آپ چاہتے ہیں کہ مقربین سا یقین کے مقام تک

رسائی حاصل کریں تو یہ صرف یقین کامل کے ذریعے ہی سے ممکن ہے۔" والسابقون السابقون اولٰئک المقربون"۔

ایمان حقیقی

حضرت امام محمد باقر علیہ السلام فرماتے ہیں کہ ایک سفر کے دوران نبی ص کی ملاقات چند اشخاص سے ہوئی انہوں نے آپ کو سلام کیا۔ آپ نے پوچھا تم کون لوگ ہو۔ انہوں نے جواب دیا۔ مومن ہیں۔ آپ ص نے دریافت فرمایا تمہارے ایمان کی حقیقت کیا ہے؟ (یعنی محض ادّعا ہے یا اس کی کوئی علامت بھی تمہارے پاس ہے)۔ کہنے لگے جو کچھ ہمارے لئے اللہ تعالےٰ کی مشیت ہے' اس پر راضی ہیں' اپنے امور کو ہم نے اس کے سپرد کر دیا ہے اور اس کے امر پر ہمارا سر تسلیم خم ہے۔ آپ نے فرمایا دانا و حکیم ہو اور قریب ہے کہ حکمت کی بدولت انبیاء کے درجے تک پہنچو۔

(اصول کافی حقیقۃ الایمان والیقین)

مطلب یہ کہ تم واقعی عالم اور اہل حکمت ہو' اس حکمت کے مالک ہو کہ جو کسی کو نصیب ہو جائے تو خیر کثیر کا مالک ہو جاتا ہے۔ "ومن یوت الحکمۃ فقد اوتی خیراً کثیرا"۔ (جس کو حکمت مل گئی اسے خیر کثیر نصیب ہو گئی)۔ تم راز ہستی کو جانتے ہو اور حقیقت غیب سے واقف ہو۔ مادہ اور مادیت سے بلند ہو چکے ہو' ساری دنیا محسوسات کی پجاری ہے لیکن تم مقام نبوت سے قریب پہنچ چکے ہو۔

لہٰذا انسان کو چاہئے کہ ایسے اعمال بجا لائے کہ علم و یقین کی دولت حاصل ہو جائے اور مقام توکل پر فائز ہو کر اپنے جملہ امور اللہ تعالےٰ کے سپرد کر دے اور آخر کار "آخر العلم تفویض الامر الیہ" کا مصداق بن جائے۔

حرص سے بچو

پھر حضور ع نے ان سے فرمایا اگر تم سچے ہو تو وہ مکان تعمیر مت کرو جس میں تمہیں رہنا نہیں اور وہ رزق جمع نہ کرو جسے تمہیں کھانا نہیں اور اللہ تعالےٰ سے ڈرو کہ تمہاری بازگشت اسی کی طرف ہے۔

اگر تم واقعی صاحبِ تسلیم و رضا ہو اور اہل توکل ہو تو حرص سے بچو۔ جو شخص جائداد بنانے کی فکر میں رہے اور ہر وقت اس میں اضافے کی سکیمیں سوچتا ہو وہ اس اندیشے میں مبتلا رہتا ہے کہ اس کی دولت کم ہو جائے گی۔ وہ آنے والے وقت سے خوفزدہ رہتا ہے۔ اگر اللہ تعالےٰ پر توکل ہو تو آنی کا فکر اور جانی کا غم نہ ہو اور فقر و فاقہ کا اندیشہ نہ ہو یہ اس بات کی علامت ہے کہ دعوائے توکل جھوٹا اور بے بنیاد ہے۔ جو شخص قناعت اختیار نہیں کرتا اور ہمیشہ حرص میں مبتلا رہتا ہے' یہ اس بات کی علامت ہے کہ مسبب الاسباب پر اس کا ایمان نہیں اور وہ صرف سبب ہی کو

حاجت روا اور مشکلکشا سمجھتا ہے ورنہ جس مکان میں اسے کبھی سکونت ہی نہیں رکھنی وہ نہ بنائے اور وہ رزق جو اس کی اور اس کے خاندان کی ضرورت سے وافر ہو وہ نہ جمع کرے۔ ایک عورت کہہ رہی تھی کہ میرے پاس کچھ پیسے ہیں جنہیں میں نے اپنے کفن دفن کیلئے محفوظ کیا ہوا ہے۔ میں نے کہا' ازراہِ بخل و حرص تو انہیں خرچ نہیں کرنا چاہتی ورنہ کون ہے جو مرا اور بے گور و کفن رہا۔ جب تک انسان سبب کا پجاری بنا رہے گا۔ مال دنیا اس کا معبود رہے گا۔ اسے چاہئے کہ موت کو یاد رکھے کہ کہیں جگہ گرم کرنے سے پہلے ہی کوچ کا نقارا نہ بج جائے۔

بے نیاز کی طرف بازگشت

ارشاد خداوندی ہے۔ "اتقوا اللہ الذی الیہ ترجعون" (اللہ سے ڈرو کہ تمہاری بازگشت اسی کی طرف ہے)۔ آپ کا جو یہ عقیدہ ہے کہ ہمیں اللہ ہی کی طرف لوٹ کے جانا ہے۔ (انّا للہ و انّا الیہ راجعون) تو آپ پر کتنی احتیاط لازم ہے کہ آپ سے اس کی شان میں کوئی گستاخی سرزد نہ ہو جائے کہ اس کو کیا منہ دکھائیں گے۔ بغیر خدا سے امید اللہ کے حضور کتنی بڑی گستاخی ہے۔ آدمی اس کے پاس جاتا ہوا کتنا بُرا لگتا ہے جس کی شان میں وہ ساری عمر گستاخیاں کرتا رہا ہو۔

جناب امام حسنِ مجتبیٰ ع جب موت اور قبر اور بعث کو یاد فرماتے تو فرطِ گریہ سے آپؑ کی حالت غیر ہو جاتی اور جب بھی روزِ حشر اس سے روبرو ہونے کا تصور فرماتے غش کر جاتے کیونکہ علم و یقین کے بلند مقام پر فائز تھے' اللہ تعالےٰ کی قوت و عظمت کی پوری معرفت رکھتے تھے اور اس کے حضور پیش ہونے کی ہیبت سے واقف تھے۔

حبیب ابن مظاہر فقیہ تھے

آلؑ محمدؐ اہل علم و حکمت ہیں۔ جس کسی کو بھی ان کے نور معرفت سے کوئی کرن نصیب ہوئی' عالم باعمل ہو گیا۔ اس بات کو معمولی نہ جانیے۔ ان حقائق کو سمجھنا بہت ضروری ہے۔ ہمیں چاہیے کہ ان علماء میں شمار ہوں جنہیں آلِ محمدؐ عالم سمجھیں نہ کہ جنہیں عوام عالم سمجھیں۔

جناب امام حسینؑ نے کربلا کے سفر کے دوران ایک قاصد کے ہاتھ ایک خط جناب حبیب ابن مظاہر کو کوفہ بھیجا۔ اس کا عنوان آپ نے "ایھا الرّجل الفقیہ" (اے فقیہ مرد) تحریر فرمایا۔ حبیب واقعی فقیہ تھے کہ خدا شناس اور امام شناس تھے اور مبداء کی بنیاد توحید کی معرفت ہے۔ علم دنیا سے توحید نہیں ملتی۔ رستہ گم نہ کیجئے اور اس جہل مرکب میں مبتلا نہ ہوں کہ آپ اہل علم میں سے ہیں۔ یہ غرور آپ کو ہلاک کر دے گا۔
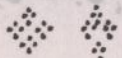
مجلس ۲۲

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم   انہ لیس لہ سلطان علی الذین آمنوا وعلیٰ ربھم یتوکلون (نحل : ۹۹)

توکّل ایمان کا لازمہ ہے

آیات جلیہ قرآنی اور عقل و وجدان کی شہادت کے مطابق توکل ایمان کی شرائط اور اس کے لوازم میں سے ہے۔ چنانچہ قرآن مجید میں پوری صراحت سے یہ ارشاد خداوندی ہے۔" وعلیٰ فتوکلوا ان کنتم مؤمنین ـــ (اگر ایمان والے ہو تو اللہ تعالیٰ پر توکل کرو)۔

دوسرا نکتہ یہ ہے کہ جیسا حکم ایمان کے لئے ہے ویسا ہی توکل کے لئے بھی ہے۔ خدا پر ایمان لانے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ آپ کو معلوم ہو کہ ایک خدا ہے بلکہ ایمان کا تقاضا یہ ہے کہ آپ کو دل سے اس بات کا یقین ہو کہ اس کائنات کا ایک خالق ہے جو بڑی قوت و قدرت والا ہے۔ اور ...." آمنوا باللہ "۔ (اللہ پر ایمان لاؤ) کا حکم اس بات کا متقاضی ہے کہ آپ اسے خدائے بزرگ و برتر جان کر پورے کا پورا بھروسہ اس کی رضا پر کریں۔ اسباب کو اپنی تاثیر میں اس کی مشیّت سے بے نیاز نہ سمجھیں اور ہر قسم کی امید اس سے رکھیں۔ پس جو شخص اسباب کو مشیّت ایزدی کا پابند نہ مانتا ہو اس کا ایمان اللہ تعالیٰ پر نہیں۔ جو انسان مال و دولت، طبیب یا دوا کو اپنے امور زندگی میں رضائے الٰہی سے وابستہ نہیں سمجھتا وہ کفر کا مرتکب ہے۔

اسباب بمقابلہ مشیّت

کفر کا معنیٰ "چھپانا" ہے۔ یہ نور حقیقت کو پوشیدہ کر دیتا ہے۔ جب انسان اسباب ظاہری کے ذریعے سے کسی امر میں کامیاب ہوتا ہے تو مسبب الاسباب تک اس کی نظر نہیں جاتی۔ وہ یہ سمجھ کر کہ شفا صرف طبیب کی تشخیص اور اس کے علاج نے دی ہے، طبیب پر تو ایمان لے آتا ہے لیکن طبیب کا خالق کہ جس کی مشیّت طبیب کی صحیح تشخیص اور اس کے کامیاب علاج میں کار فرما ہے، اس کی نظروں سے اوجھل رہتا ہے۔

لیکن توحید پر یقین رکھنے والا انسان ان سب باتوں کو سمجھتا ہے۔ لہٰذا اس کا ایمان کبھی متزلزل نہیں ہوتا اور اگر وہ کبھی کسی مقصد کیلئے اسباب دینوی کو اختیار بھی کرتا ہے تو تکیہ اس کا مکمل طور پر مسبب الاسباب پر ہی ہوتا ہے۔ پس جو شخص صرف اسباب کی تاثیر کا قائل ہو وہ کافر ہے۔ یہاں کفر سے میری مراد کفر حقیقی ہے نہ کہ وہ کفر جو ظاہری اسلام کی ضد ہے اور جو شہادتین کے اقرار و اعلان سے برطرف ہو جاتا ہے اور جس کے بعد انسان پر اسلامی شرعی احکام لاگو ہو جاتے ہیں ایسا انسان مسلمان تو ہوتا ہے لیکن اس کا ایمان اتنا کمزور ہوتا ہے کہ اسے سعادت و نجات کی منزل تک نہیں پہنچا سکتا۔ کیونکہ ابھی تک اس کی سمجھ میں نہیں آسکا کہ اسباب کی کوئی مستقل حیثیت نہیں اور وہ مشیّت ایزدی کے زیر اثر ہیں۔

قرآن مجید میں کئی ایسے امور کا ذکر ہے جو باعث عبرت ہیں۔ ذرا دریائے نیل کے شگافتہ ہونے پر غور کیجئے پانی کا خاصہ بہنا اور سیلان کی حالت میں رہنا ہے۔ اس کی اس خاصیت کو اس سے جدا کرنا قطعاً محال ہے لیکن اللہ کے حکم سے اس میں بارہ رستے پیدا ہو جاتے ہیں۔ پانی اکٹھا ہو کر دیوار کی صورت اختیار کر لیتا ہے۔ دریا کی تہ ایسی خشک ہو جاتی ہے کہ لوگوں اور ان کی سواریوں کے گزرنے سے اس میں سے گرد بلند ہوتی ہے۔ کیا یہ اس چیز کی علامت نہیں کہ سبب نے اپنی تاثیر کھو دی ہے۔ کیا اس سے یہ حقیقت ثابت نہیں ہوتی کہ سبب ارادہ غیب کے تابع ہے۔

اگر وہ ارادہ فرمائے تو سخت پیاس پانی پیئے بغیر دور ہو جائے لیکن اس کی مشیّت میں نہ ہو تو جتنا بھی پی لو پیاس کی شدت میں کوئی کمی واقع نہ ہو اور بعض بیماریوں کی صورت میں ایک گھونٹ بھی جان لیوا ثابت ہو جیسا کہ مرض استسقاء میں عموماً واقع ہوتا ہے۔

عبدالملک اور مرض استسقاء

لکھا ہے کہ عبدالملک مروان اموی مرض استسقاء میں مبتلا ہوا۔ اس کے طبیب خاص کا حکم تھا کہ ایک دو روز پانی اس کے حلق سے نیچے نہ اترے ورنہ اس کی ہلاکت یقینی ہے۔

لیکن بدبخت پر پیاس غالب ہوئی اور اس نے تاکیدی حکم دیا کہ اُسے پانی پلایا جائے اور کہنے لگا" اسقونی ریًّا وان کان فیہ حیٰوتی " (مجھے پانی دو خواہ اس سے میری جان جاتی ہو) اور آخر کار اس یقین کے باوجود کہ پانی اس کی موت کا پیامی ہے، اس نے پانی پی لیا اور ہلاک ہو گیا۔

جی ہاں۔ وہی پانی جو زندگی کیلئے اتنا لازمی اور ضروری ہے۔ جب اللہ تعالٰے کی مشیّت کے خلاف پیا جائے تو نہ صرف یہ کہ زندگی کا سبب نہیں رہتا بلکہ ہلاکت کی یقینی وجہ بن جاتا ہے۔

امیر معاویہ کے متعلق لکھا ہے کہ نبیؐ کی بد دعا سے جوع البقر کی بیماری میں مبتلا ہو گیا اور جو کچھ بھی اور جتنا کچھ بھی کھالے سیر نہیں ہوتا تھا۔

اصحاب فیل

سورۂ فیل میں کیسے محیر العقول واقعہ کا ذکر ہے۔ کہ جب ابرہہ اور اس کا لشکر ہاتھیوں پر سوار ہو کر کعبہ شریف کو ڈھانے کیلئے آ رہے تھے۔ تو آسمان میں اچانک ابابیلیں نمودار ہو گئیں۔ جن میں سے ہر ایک کے منہ میں تین تین اور پاؤں میں دو دو ریت کے دانے کے برابر پتھریلی مٹی کے ڈھیلے تھے وہ ننھے ننھے ڈھیلے انہوں نے ابرہہ کے فیل سوار لشکریوں پر پھینکے، وہ ان کے جسموں میں گھس جاتے اور سواروں اور ہاتھیوں کے بدنوں کو چھید کر جسم کے پار ہو جاتے۔ اس طرح سے وہ ہاتھی سواروں کا سارا لشکر تلف ہو گیا۔ یہ خدائی مشیّت ہے کہ ہاتھیوں کی فوج کی تباہی کا کام مٹی کے ذرّات سے لے لے۔

تاریخ جزیرہ عرب کے مطابق نبیؐ کی ولادت مبارک اسی ہاتھیوں کے حملے والے سال میں ہوئی۔ اسے عام الفیل یعنی ہاتھیوں کا سال کہا گیا ہے۔ اور علیؑ کی ولادت تیس عام الفیل میں ہوئی جبکہ حضورؐ کی بعثت شریف چالیس عام الفیل میں ہوئی۔ جب تک اسلامی سن ہجری کا اجراء نہیں ہوا تاریخ عرب میں عام الفیل والا کیلنڈر استعمال ہوتا تھا۔

پھر آپ نے حلقِ اسماعیلؑ پر چھری کا بیکار ہو جانا بھی سنا ہوگا کہ حضرت ابراہیمؑ نے ستّر بار تیز دھار والی چھری کو پوری طاقت سے فرزند کے نازک گلے پر چلایا لیکن اس پر کاٹ کا ہلکا سا بھی اثر نہ ہوا۔ کیونکہ جو چیز اس کی مشیّت میں نہیں اس کا واقع ہونا ممکن نہیں۔ اگر اس کی مشیّت نہ ہو تو ساری دنیا کا اسلحہ خانہ ایک ناچیز مخلوق کو بھی کوئی گزند نہیں پہنچا سکتا اس کو سمجھنا از حد ضروری ہے تاکہ آپ کا یقین راسخ ہو جائے کہ ایمان کا قطعی لازمہ توکل ہے۔

یقین کی حد توکل ہے

روایت ہے کہ جناب امیر المومنینؑ سے کسی نے پوچھا کہ " ماحدّ الایمان؟ قال الیقین، قالوا ماحدّ الیقین؟ قال علیہ السلام التوکل علی اللّٰہ۔ "۔ (ایمان کی کیا حد ہے؟ آپ نے فرمایا: یقین۔ انہوں نے پوچھا: یقین کی حد کیا ہے؟ آپؑ نے فرمایا: اللہ تعالٰے پر توکل!)

یہ سب کچھ سبب اور مسبب اور ان کے باہمی تعلق کی معرفت کا نتیجہ ہے۔ اگر کسی کو یقین ہو کہ اسباب کی تاثیر اس کی مشیّت پر منحصر ہے تو اس یقین کی علامت توکل ہے یعنی اسباب کی بجائے اس کا اعتماد مسبب پر ہوتا ہے، اس کا مکمل تکیہ اس کی ذاتِ قدیر پر ہوتا ہے اور اپنے تمام امور کو اس نے اس کی مشیّت کے حوالے کیا ہوتا ہے اور جب وہ ایک دفعہ اسباب کی قید سے آزاد ہو گیا تو سبب کا وجود و عدم اس کیلئے برابر ہو جاتا ہے سبب موجود ہو یا نہ ہو اسے کوئی فرق نہیں پڑتا۔

روایت ہے کہ جناب امیر علیہ السلام نے فرمایا: " لایصدق ایمان عبد حتیٰ یکون مافی ید اللّٰہ اوثق ممافی یدہ "۔ (بندے کا ایمان اس وقت تک کامل نہیں ہو سکتا جب تک اللہ کی مشیّت اس کے نزدیک اپنے خواہش و ارادہ سے زیادہ قابل اعتماد نہ ہو جائے)

یعنی جب اس کا ایمان اس بات پر استوار ہو گیا کہ حصول مقصد کیلئے اللہ تعالٰے اور اس کی مشیّت پر تکیہ اس کے اپنے اسباب و ذرائع سے زیادہ مفید اور یقینی ہے تو پھر اسے اگر کوئی حادثہ بھی پیش آجائے تو بھی اس کا اعتماد اپنے مال و دولت یا مقام و مرتبہ یا اپنے متعلقین کی بجائے اللہ تعالٰے اور اس کی مشیّت پر رہے گا لیکن اگر صرف اسباب پر ہی اسے اعتماد ہوا تو پھر طبیب اور دوا ہی شفا۔ دہندہ ہوں گے اور طبیب کو صحیح علاج کی ہدایت دینے والی ہستی اسباب کی گرد میں چھپ جائے گی۔

کیا اب بھی وقت نہیں آیا کہ ہم اپنے اور دوسروں کے امور میں اکیلے اسباب پر تکیہ کرنے کے نتائج بد سے عبرت پکڑیں۔

شاہین اور اسیر

سید جزائری نے انوار نعمانیہ میں لکھا ہے کہ ایک حاکم کو اس طریقے سے عبرت نصیب ہوئی کہ ایک دن وہ شکار کیلئے جنگل میں گیا۔ شکار کے دوران ظہر ہو گئی۔ اس کے غلاموں اور سپاہیوں نے دوپہر کا کھانا تیار کیا اور مرغ بھون کر اس کے دستر خوان پر رکھا۔ اچانک ایک شاہین آسمان کی بلندیوں سے جھپٹا اور چشم زدن میں مرغ کو اچک کر لے گیا۔ حاکم نے غضبناک ہو کر سپاہیوں کو حکم دیا کہ اس کا پیچھا کریں۔ اور خود بھی ان کے ساتھ اس کے تعاقب میں روانہ ہوا۔ کچھ دور جا کر شاہین ایک پہاڑ عبور کر کے دوسری طرف چلا گیا۔ سب نے بھی پیادہ ہو کر پہاڑ عبور کیا اور دوسری طرف اُتر گئے دیکھتے کیا ہیں کہ ایک انسان جس کے ہاتھ پیر بندھے ہوئے ہیں زمین پر پڑا ہے اور شاہین اپنی چونچ سے گوشت کے ٹکڑے کاٹ کر اس کے منہ میں ڈال رہا ہے۔ گوشت ختم ہو جانے کے بعد شاہین نے اپنی

چھ پنج میں پانی بھرا اور اسے پلا دیا۔

وہ لوگ اس قیدی کے نزدیک آئے اور اس سے اس کا حال دریافت کیا۔ اس نے بتایا۔ میں ایک تاجر ہوں۔ سوداگری کیلئے جا رہا تھا کہ یہاں چوروں کے ہتھے چڑھ گیا۔ انہوں نے میرا سال مال لوٹ لیا اور پھر مجھے بھی مارنا چاہا۔ میں نے ان سے جان بخشی کی التجاء کی۔ انہوں نے کہا ہمیں اندیشہ ہے کہ تم شہر میں جا کر ہمارے خلاف مخبری کرو گے اور پھر میرے ہاتھ پاؤں باندھ کر مجھے یہاں چھوڑ کر چلے گئے۔ دوسرے دن یہ پرندہ میرے لئے روٹی لے آیا اور آج کہیں سے بھنا ہوا مرغ لے آیا۔ روزانہ دو مرتبہ میری خبر گیری کرتا ہے۔ حاکم کا ذہن اسی مقام پر بدل گیا۔ کہنے لگا وائے ہو ہم پر کہ ہم ایسے خدا سے غافل ہوں جو اپنے بندوں کی اس طرح خبر گیری کرتا ہے۔ آخر کار تخت و تاج کو چھوڑ کر اللہ کے عبادت گذار بندوں میں شامل ہو گیا۔ غرضیکہ عبرت کے اسباب ہر جگہ بکثرت ہیں لیکن ان سے عبرت حاصل کرنے والے بہت ہی کم ہیں۔ امیر المومنینؑ فرماتے ہیں "ما اکثر العبر وما اقل الاعتبار!"۔

امام صادقؑ سورہ یوسف کی آیہ شریفہ "وما یومن اکثرھم باللہ الا وھم مشرکون"۔ (ان میں سے بہت سے بظاہر تو ایمان لے آتے ہیں لیکن عملاً مومن نہیں ہیں بلکہ مشرک ہیں)۔ کی تفسیر میں ایک سائل کے سوال پر کہ کیسے ممکن ہے کہ ایک ایمان بھی لے آئے اور پھر بھی وہ مشرک ہو۔ آپؑ نے مفصل جواب بیان فرمایا جس کا خلاصہ یہ ہے کہ یہاں شرک سے مراد شرک خفی ہے جس کی مثال یہ ہے کہ کوئی شخص یہ کہے کہ اگر فلاں نہ ہوتا تو میں یقیناً ہلاک ہو جاتا یا اگر فلاں نہ ہوتا تو میں اہل و عیال سے محروم ہو جاتا۔ (من ذالک قول الرجل لولا فلان لھلکت، لولا فلان لضاع عیالی)۔ راوی نے عرض کیا پھر کیا کہے۔ آپؑ نے فرمایا یوں کہے کہ اگر اللہ تعالےٰ نے اپنے فضل و کرم سے فلاں کو نہ بھیجا ہوتا تو میں ہلاک ہو جاتا۔ (لولا ان منّ اللہ علیّ بفلان لھلکت)۔

خلاصہ یہ ہے کہ توکل اسباب سے قطعاً دست بردار ہو جانا نہیں بلکہ تہ دل سے یہ یقین ہونا ہے کہ سبب کا موثر ہونا اللہ تعالےٰ کی مشیت پر منحصر ہے۔ قوت و قدرت ساری کی ساری اس کے ہاتھ میں ہے اور بلا استثناء ذرے سے لیکر پہاڑ تک، جرثومے سے لے کر ہاتھی تک اور تمام موجودات، زمین و آسمان و ستارگانی اور کہکشانی نظاموں کا ادارہ اس کے دست قدرت میں ہے۔ "فسبحان الذی بیدہ ملکوت کل شیٔ"۔

اس حقیقت پر مکمل ایمان ضروری تا کہ مقامِ عمل میں رسوائی نہ ہو۔ اگر یہ یقین و ایمان موجود ہو تو قضا و قدر پر اعتراض کی گنجائش نہیں رہتی۔ اگر واقعاتی طور پر وہ کچھ ظہور میں نہ آئے جس کی طبیعت کو خواہش ہو تو ایسے مقام پر چون و چرا یا اعتراض ایمان کے دعوے کے جھوٹا ہونے کی علامت ہے۔

رسوا کن عمل

غرض کہ انسان بعض اوقات سمجھتا ہے کہ ایمان اس کا پختہ ہے۔ اہل توکل ہے اور صاحب تسلیم و رضا ہے۔ لیکن ایک ہی آزمائش میں اس کی ساری حقیقت کھل جاتی ہے اور اسے خود اپنی ذات پر شبہ ہو جاتا ہے۔ اللہ تعالےٰ سے دعا ہے کہ وہ اپنے فضل و کرم سے ہمیں دنیا و آخرت کی رسوائی سے محفوظ رکھے ــــ (اللھم لا تفضحنی بخفی ما اطلعت علیہ من سری)۔ اور ہمیں صفتِ توکل سے نوازے تا کہ ہمارا مکمل توکل اس کی ذاتِ اقدس پر ہو۔
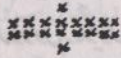
✻✻✻✻✻✻✻

مجلس ۲۳

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم انہ لیس لہ سلطان علی الذین آمنوا وعلی ربہم یتوکلون (نحل : ۹۹)

امورِ آخرت میں توکل

عام طور پر جب توکل کی بات ہوتی ہے تو ذہن دنیاوی امور کو اللہ تعالےٰ کی مشیّت کے حوالے کرنے کی طرف متوجہ ہو جاتا ہے۔ حالانکہ مومن کا توکل ہر امر میں خواہ وہ دنیاوی ہو یا دینی اللہ تعالےٰ پر ہوتا ہے اور صرف دنیاوی زندگی ہی تک محدود نہیں ہوتا بلکہ چونکہ حیات اُخروی ابدی ہے اور زیادہ اہمیت والی ہے، اس لئے انسان کا فرض ہے کہ دونوں زندگیوں کے بارے میں اللہ تعالےٰ پر توکل کرے اور بالخصوص اخروی زندگی کیلئے تو یہ توکل بہت ہی ضروری ہے۔

جس طرح دنیاوی مادی امور میں حصول نفع اور دفع ضرر کے لئے خدا پر توکل ضروری ہے اور سبب کو اللہ تعالےٰ کی مشیّت کے تابع جاننا اور اسے تاثیر میں غیر مستقل سمجھنا لازمی ہے تاکہ شرک سے حفاظت رہے، اسی طرح روحانی اور اخلاقی امور میں بھی اسباب کو اللہ تعالےٰ کے توکل پر اختیار کرنا چاہیئے۔

اخلاقی سعادت کے اسباب

اخلاقی اور روحانی سعادت کے اسباب جو تہذیبِ نفس، تحصیل علم و یقین اور اعمال صالحہ ...... (یعنی وہ اعمال جو انسان کو جنت اور درجات عالیہ سے قریب اور جہنم اور اللہ تعالےٰ کی عدم رضا سے باز رکھتے ہیں) سے عبارت ہیں، انہیں اختیار کرنے میں بھی اللہ تعالےٰ پر توکل اور اس کے حسن مشیت پر بھروسہ لازمی ہے۔ مثلاً جنتی ہونے کی توقع عمل صالح کے بغیر بے جا ہے۔ لیکن نماز یا حج یا روزہ یا راہ خدا میں خرچ کرنے کو یا کسی بھی عمل صالح کو مستقل تاثیر کا حامل نہیں سمجھنا چاہئے۔ اگر ان اعمال صالحہ کو اللہ تعالےٰ کی ضرورت سمجھا گیا اور ان کی قبولیت کیلئے اس کے لطف و کرم پر بھروسہ نہ کیا گیا تو یہ اعمال بے اثر ہو جائیں گے اور انسان کو غرور میں مبتلا کرکے برعکس نتائج پیدا کریں گے۔ پس آپ کی امید اللہ تعالےٰ پر ہونی چاہئے کہ آپ کا عمل مثلاً آپ کی نماز اس کے فضل و کرم سے قبول ہو جائے

کیونکہ غیر مقبول عمل کی بنا پر بہشت میں جانے کی امید خود فریبی ہے جس طرح گنہگار ہونے کی صورت میں جہنم سے بچ جانے کی توقع غلط فہمی ہے۔ یہ آپ کی پسند یا ناپسند پر منحصر ہے ہے بلکہ یہ خدائی فیصلہ ہے کہ فعلِ بد کرنے والا سزا پائے[1] اور نیکوکار جزائے خیر کا مستحق ہو[2] لیکن بالکل دوا جیسی صورت ہے کہ مریض اس کے استعمال سے صرف اللہ تعالےٰ کی مشیت ہی سے صحتیاب ہو سکتا ہے۔ اسی طرح حج بھی انسان کو جنتی بنا سکتا ہے بشرطیکہ اللہ تعالےٰ کی رضا ہو۔

صرف عمل پر تکیہ ہلاکت کا موجب ہے

اگر انسان کا تمام تر بھروسہ اپنے عمل پر ہو تو ہلاکت اس کا مقدر ہے اگر کوئی نجات کا طالب ہو تو نجات دہندہ صرف اللہ تعالےٰ ہے نہ کہ اس کا عمل! یہ درست ہے کہ اس نے عمل کیا لیکن اس میں اثر پیدا کرنے والا صرف اللہ تعالےٰ ہے اور تاوقتیکہ اس کی رضا اور مشیت نہ ہو یہ ممکن نہیں۔

جیسا کہ ہم پہلے بھی کہہ چکے ہیں کہ جس طرح مادیات میں آپ کو صرف اپنی ہوشیاری و چالاکی، اپنے زورِ بازو، اپنے زور قلم یا فصاحتِ زبان پر ناز نہیں ہونا چاہئے، اسی طرح اخلاقیات و روحانیات میں بھی صرف نماز و روزہ کے عمل پر اعتماد درست نہیں انسان کو معلوم ہونا چاہیئے کہ آتش دوزخ سے نجات صرف اس کی پارسائی اور پرہیزگاری پر نہیں بلکہ محض اللہ کی مشیت اور اس کے لطف خاص پر منحصر ہے کہ وہ اسے اس سے محفوظ فرما دیتا ہے۔ اسی طرح بہشت کے حصول کیلئے انجام دئے ہوئے اعمال کی توفیق اور ان اعمال کی قبولیت بھی اس کی نظر کرم کا نتیجہ ہے۔

کبھی ایسا ہوتا ہے کہ انسان اپنے خیال کے مطابق پہاڑوں جیسے عظیم اعمال کا ذخیرہ اپنے پاس رکھتا ہے درانحالیکہ حقیقت میں اُن کا وزن ایک ناچیز تنکے جتنا بھی نہیں ہوتا۔ لہٰذا امور مادی ہوں یا اخلاقی و روحانی، ان میں کامیابی کا دارو مدار اسباب پر نہیں بلکہ ہر حال میں اللہ تعالےٰ کے لطف و احسان پر ہے۔

عمل اور رحمت خداوندی

نبی اکرمؐ کے آخری خطبہ مبارکہ جو بحار الانوار کی چھٹی جلد میں نقل کیا گیا ہے، ایک جملہ کے الفاظ یہ ہیں: "کوئی شخص غلط دعویٰ نہ کرے اور بے ہودہ آرزو نہ کرے نجات عمل صالح اور رحمت خداوندی پر منحصر ہے[3]۔"

---

[1] لیس بامانیکم ولا امانی اہل الکتاب من یعمل سوءاً یجز بہ (۴ : ۱۲۳)
[2] ان اللہ لا یضیع عمل عامل منکم من ذکر او انثیٰ (۴ : ۱۲۳)
[3] لا یدعی مدع ولا یتمنیٰ متمن والذی بعثنی بالحق نبیاً لا ینجی الا عمل معہ رحمتہ (بحار الانوار - جلد ۶)

لہٰذا انسان یہ تصور نہ کرے کہ اس نے راہ خدا میں کوئی عمل کیا تو بہر حال جنت میں جائے گا اور بصورت دیگر جہنم اس کا مقدر ہوگا۔ یہ غلط ہے بلکہ ہر حال میں اس کا بھروسہ ذاتِ خالق پر ہونا چاہیئے۔ بالکل اس کسان کی طرح جو کھیتی میں ہل چلا کر، بیج بو کر اور آبپاشی کر کے اللہ تعالےٰ کی رحمت کا منتظر ہو جاتا ہے۔ طالبعلم کی امید بھی اللہ تعالےٰ پر ہونی چاہیئے کہ اسے فہم عطا ہو۔ صرف سبق پڑھ لینے سے اُسے فہم نہیں مل جائے گا۔ کسبی علوم میں بھی کہ جو بہت محنت طلب ہیں صرف کسب کافی نہیں کیونکہ بعض لوگ کسب علم میں بڑا جوش و خروش دکھانے کے باوجود کورے رہتے ہیں۔ ہم یہ نہیں کہتے کہ سبق نہ پڑھیں بلکہ ہمارا مطلب یہ ہے کہ صرف فہم و حافظہ اور مطالعے پر انحصار غلط ہے۔ کامیابی کیلئے اللہ تعالےٰ پر توکل کرنا چاہیئے۔

عجیب حادثہ

کوئی چالیس سال پہلے جب اس درسگاہ کے انہی حجروں میں مشیر الملک شیرازی بھی مقیم تھے۔ ایک نامور اُستاد جن کا نام میں مصلحتاً ظاہر نہیں کر رہا فقہ اور فلسفہ کا درس دیتے تھے اور اپنے حافظ اور تبحر علمی کی وجہ سے مشہور تھے، رات کو بھلے چنگے اور صبح جب بیدار ہوئے تو معلوم ہوا کہ حافظ کھو بیٹھے ہیں حتیٰ کہ فجر کی نماز کیلئے سورہ فاتحہ بھی بھول چکے ہیں۔ ستر سال نماز پڑھی لیکن اب یاد نہیں ہے۔ قرآن مجید کو کھول کر پڑھنا چاہا لیکن پڑھ نہ سکے۔ غرضیکہ پورے طور پر حافظہ سے محروم ہو گئے حتیٰ کہ الف با بھی بھول گئے اور اسی حالت میں ان کا انتقال ہو گیا۔

محروم تکلم

اے وہ لوگو جو اپنے نطق اور زورِ بیان پر پھولے نہیں سماتے ۔۔۔ پرسوں ایک شخص نے جو خرم شہر سے آیا تھا بیان کیا کہ ایک صاحب (جنہیں اتفاق سے میں بھی جانتا ہوں) دو ماہ سے قوت گویائی سے محروم ہو چکے ہیں اور نو آموز بچے کی طرح توتلے پن سے بات کرتے ہیں اور اپنی اس حالت سے اتنے پریشان ہیں کہ بولنے سے گریز کرتے ہیں۔ تہران جا کر انہوں نے اس بارے میں اطبّاء سے مشورہ کیا ہے جس کے مطابق دو ماہ ہسپتال میں رہیں گے شاید صحیاب ہو جائیں۔

یہ کچھ میں اس لئے بیان کر رہا ہوں کہ کوئی شبہ میں مبتلا نہ ہو جائے اور جو شبہے میں مبتلا ہے وہ شبہے سے آزاد ہو جائے اور ہر حال میں اللہ تعالےٰ کو یاد رکھے۔ مختصر یہ کہ علوم کسبی میں درس و مطالعہ میں کوشش ضرور کریں لیکن اس کے فہم کی امید صرف اللہ تعالےٰ سے رکھیں۔

نورِ یقین کسبی نہیں ہے

حدیث شریف "لیس العلم بکثرۃ التعلیم والتعلّم بل ھو نور یقذفہ اللہ فی قلب من یشاء ان یھدیہ" ۔۔۔ (علم بہت زیادہ پڑھنے پڑھانے سے نہیں آتا بلکہ وہ ایک نور ہے جسے اللہ تعالےٰ اس شخص کے دل میں ڈال دیتا ہے جسے وہ ہدایت کرنا چاہے)۔ مقام یقین اور اللہ تعالےٰ، اس کے اسماء و صفات اور روزِ جزا کا علم غرض کہ علوم الٰہی کا خزانہ جو صرف اللہ تعالےٰ کے فیضان کرم سے حاصل ہوتا ہے اور محنت اور کوشش جتنی بھی آپ کریں علم کا وہ مقام حاصل نہیں ہو سکتا بلکہ صرف عطیہ خداوندی ہے جو بقدر ظرف طالب کو ملتا ہے۔ "فسالت اودیۃ بقدرھا" ۔۔۔ وادیاں اپنی وسعت کے مطابق پانی کی مقدار لیتی ہیں)۔

اللہ تعالےٰ بندہ پرور ہے

آپ کے سب کام ایسے ہونے چاہئیں کہ اللہ تعالےٰ ہر حال میں یاد رہے۔ آپ کو یقین ہونا چاہیئے کہ آپ کا عمل اثر والا ہے۔ دعائے افتتاح میں کیا خوبصورت جملہ ہے کہ "اعطانا فوق رغبتنا" ۔۔۔ (اس نے ہمیں ہماری طلب سے زیادہ عطا فرمایا)۔ نماز جماعت آپ اس کی رحمت کی امید اور اس کے توکل پر ادا کرتے ہیں۔ حج کو جاتے ہیں تو بھی اسی کے فضل و کرم کے بھروسے پر۔ لیکن اگر نماز جماعت ادا کرنے اور چند بار حج کرنے سے آپ نے خود کو جنت کا مالک سمجھ لیا اور جنت کو لازمی طور پر نماز جماعت اور حج کا معاوضہ سمجھا تو جان لیجئے کہ کام خراب کر لیا۔ کیونکہ یہ مزدوری نہیں جو عمل کی مقدار کے مقابلے میں لازماً ملتی ہے بلکہ یہ اللہ تعالےٰ کی رضا اور اس کی مشیّت پر منحصر ہے کہ کس کی محنت قبول ہوتی ہے۔

روایت ہے کہ جنت کی ایک بالشت کی قیمت ساری دنیا و مافیہا ہے۔ بہشت ایسی چیز نہیں ہے کہ جو آپ کے خیال کے مطابق اتنے سے عمل اور اس پر جاہلانہ غرور کے معاوضے میں خریدی جا سکتی ہے۔ یہ بھی بحث طلب ہے کہ کیا جنت آپ کے کوہ نما عظیم اور صحیح اعمال کے بدلے میں بھی عدل الٰہی کے مطابق آپ کو مل سکتی ہے؟ حقیقت یہ ہے کہ آپ اور آپ کی ہر چیز اور آپ کی توفیق اطاعت سبھی کچھ اسی کا دیا ہوا ہے اور اگر بالفرض معاوضہ بھی ہو تو کسی ایسی چیز کا ہو جو آپ کی اپنی ہو۔ آپ کا یہ انداز فکر درست نہیں ۔۔۔ پس چاہیئے کہ آپ کی امید اور آپ کا توکل خدا پر ہو۔ پروردگار بحق محمدؐ و آل محمدؐ ہمیں ہمت عطا فرما اور ہر مقام پر ہماری مدد فرما اور ہمیں صحیح معنوں میں اہل توکل و اخلاص بنا۔

مجلس ۲۴

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم قل کل یعمل علی شاکلتہ فربکم اعلم بمن ھو اھدیٰ سبیلا (۱۷، ۸۴)

عمل اور خلوص نیت

بارگاہ خداوندی میں اگر کسی چیز کی کوئی قیمت ہے تو صرف خلوصِ نیت کی۔ ارشاد نبویؐ ہے۔ " انما الاعمال بالنیات " اگر نیت رضائے الٰہی کے حصول کی ہے اور عمل بھی اسی کی خوشنودی کیلئے انجام دیا جارہا ہے تو یہ چیز بلند مقام تک رسائی کی ضامن ہے۔ لیکن اگر نیت شیطانی ہو یا خالصتاً رحمانی نہ ہو تو دل و زبان پر لاکھ " قربۃ الی اللہ " کا ورد ہو اور ظاہریت بھی متاثر کن ہو، اس سے کوئی فائدہ نہیں۔ ایسا شخص کل قبر سے خالی ہاتھ اٹھے گا اور نامۂ اعمال بھی اس کا کورا ہوگا۔ لیکن اگر صرف انسان کی نیت اخلاص پر مبنی ہو تو باقی سب کچھ خود بخود ٹھیک ہو جاتا ہے۔

اس موضوع پر جو آیہ شریفہ ہم نے پیش کی ہے اس کا معنی یہ ہے کہ اے حبیب فرما دیجئے کہ ہر شخص کا عمل اس کے "شاکلہ" کے مطابق ہوتا ہے۔ آپ کا پروردگار خوب جانتا ہے کہ سب سے زیادہ ہدایت یافتہ کون ہے ۔۔۔۔

اب "شاکلۃ" کے معنی پر غور کیجئے۔ اس کا معنی خصلت یا افتادِ طبع ہے تو مطلب اس آیہ شریفہ کا یہ ہوا کہ ہر شخص اپنی خصلت یا افتادِ طبع کے مطابق کام کرتا ہے۔ جیسی اس کی خصلت یا افتادِ طبع ہوگی ویسا ہی عمل بھی اس سے سرزد ہوگا۔ اگر اس کی خصلتِ طبع رحمانیت اور صالحیت سے متاثر ہے تو اس کے سارے اعمال خیر و رحمت ہوں گے اور پھر اگر ان میں کوئی کمی بھی رہ گئی ہو تو بھی وہ بارگاہِ الٰہی میں مقبول ہو جائیں گے۔ لیکن اگر اس کی خصلت (شاکلہ) ہی خراب اور شیطانی ہوئی اور مادہ پرستی، دنیا طلبی اور بداندیشی پر مبنی ہوئی تو اس کے سارے اعمال ضائع اور سب دعوے ناکارہ ہو جائیں گے۔ لہٰذا سب سے پہلے اس شاکلہ یا افتادِ طبع کو درست کرنا ضروری ہے تاکہ اس پر جس عمل کی بھی بنیاد رکھی جائے اس کا انجام اچھا ہو۔

اب آیئے غور کرتے ہیں کہ انسانی شاکلہ کو درست کرنے کا کیا طریقہ ہے۔ اور کہ یہ شاکلہ کس وسیلے سے

رحمانی بنتا ہے۔ ہم اسے سادہ الفاظ میں بیان کرتے ہیں۔

دوراہے پر

ہر انسان فطری طور پر خیر و شر کے دوراہے پر خلق کیا گیا ہے۔ اپنی ذات میں نہ وہ نیک ہے نہ بد بلکہ ایک صاف، بے نقش اور کورے صفحے کی مانند ہے جس پر جسطرح بہترین تحریر لکھنا یا حسین ترین نقش بنانا ممکن ہے اسی طرح اس پر بدترین شکلیں، شیطانی تحریریں یا مکروہ ترین ڈھانچے بھی نقش کئے جا سکتے ہیں۔ مفید و ہدایت بخش مضامین بھی لکھے جا سکتے ہیں۔ اور مضر اور گمراہ کن باتیں بھی تحریر کی جا سکتی ہیں۔ انسان ابتدا ہی سے رحمانی و شیطانی۔ دنیاوی و اخروی اور مادی و روحانی اعمال کے دوراہے پر ہے۔ جس طرف بھی وہ راغب ہوتا ہے اس کا شاکلہ بھی اسی طرف مائل ہو جاتا ہے ہر حرکت جو اس سے سرزد ہوتی ہے، ہر چیز جسے وہ دیکھتا ہے یا کانوں سے سنتا ہے، حتیٰ کہ وہ لقمہ بھی جو اس کے حلق سے نیچے اترتا ہے، سب کی سب چیزیں اس کی شاکلہ سازی کرتی ہیں۔ ہر لفظ جو زبان سے نکلتا ہے شاکلہ پر اثر انداز ہوتا ہے اور حقیقت ذات اس سے متاثر ہوتی ہے۔ ہر چیز کا اولین اثر انسان کے نفس پر ہی ہوتا ہے۔

اگر آپ نے کسی کے ساتھ بدزبانی کی یا آپ کسی کی اذیت کا خیال دل میں لائے تو اس سے سب سے پہلے آپ کی اپنی ذات متاثر ہوگی، اس عمل سے آپ حق و حقیقت سے دور ہو جائیں گے اور اپنے شاکلہ میں شر کو اثر انداز ہونے کا موقع فراہم کریں گے۔ پھر آپ چاہے کتنی ہی نمازیں پڑھیں لیکن نیت خالص اور اہتمام صادق کے ساتھ پورے حسن و خوبی سے ادا کی گئی نماز جیسی نہ ہوں گی۔ کیونکہ جب شاکلہ ہی خراب ہو تو نیت صادق اس سے پیدا نہیں ہو سکتی۔

روٹی کا ٹکڑا حلال ہو یا حرام، پاک ہو یا ناپاک جب آپ کے حلق سے نیچے اترتا ہے، آپ کے شاکلہ پر پوری قوت سے اثر انداز ہوتا ہے اور اگر وہ لقمہ حرام ہے تو رفتہ رفتہ شاکلہ طبع کو شیطانی بنا دے گا اور جب شاکلہ شیطنت پر متشکل ہو گیا تو پھر ہر صادر ہونے والا فعل شیطانی بن جائے گا۔

قعرِ جہنم یا درجات بہشت

انسانی اعمال سے شاکلہ کی تاثیر پذیری ابتدا میں اگرچہ بہت معمولی ہوتی ہے لیکن سنِ بلوغ کو پہنچ کر اس کی باقاعدہ تشکیل شروع ہو جاتی ہے اگر اس وقت زبان، آنکھ، کان، پیٹ وغیرہ بندِ ہدایت سے آزاد ہو گئے اور ہوائے نفسانی کی انہوں نے اطاعت اختیار کر لی تو شاکلہ

شیطانی سانچے میں ڈھل جائے گا۔ ایسا انسان اس دنیا سے رخصت ہو کر عالم ملکوت کے شیاطین کے گروہ میں شامل ہو جاتا ہے اور اس کا ٹھکانا دوزخ کا آخری مقام اسفل السافلین ہوتا ہے لیکن اگر اس نے اپنی اصلاح کی کوشش کی اور چھوٹی چھوٹی حرکات پر کڑی نظر رکھی، زبان کو قابو میں رکھا اور آنکھ یا کان کو رضائے خداوندی کے علاوہ کسی امر میں نہ کھولا تو وہ فرشتوں سے بلند مقام پاتا ہے اور جنت کے اعلیٰ درجات تک پہنچتا ہے جہاں فرشتے اسکی غلامی پر فخر کرتے ہیں۔

اس میں آپ ہی کی بہتری ہے

یہ جو اسلامی تعلیمات میں اتنی تاکید ہے کہ مسلمان ہوس پرستی سے باز رہیں حدود شریعت کا احترام کریں اور بے لگام نہ ہو جائیں تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ اللہ تعالیٰ کو آپ کی خوشی اچھی نہیں لگتی یا اسے آپ کی تفریح گوارا نہیں۔ ایسا ہرگز نہیں ہے۔ بلکہ چونکہ اس سے آپ کے شاکلہ کو ضرر پہنچتا ہے جس کے نتیجے میں آپ کے اسفل السافلین میں گرنے کا اندیشہ ہوتا ہے۔ اسلئے آپ کو نتائج بد کے حامل اعمال سے باز رکھنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ ہر نظر جو آپ ٹیلیویژن یا سینما کے کسی ہیجان خیز منظر پر ڈالیں گے، آپ کے نفس پر اثر بد چھوڑے گی اور رفتہ رفتہ آپ شیطان کے تسلط میں گرفتار ہو جائیں گے۔ اگر جلدی ہی آپنے اس صورت حال کو درست کر لیا تو خیر ورنہ چالیس سال کی عمر کے بعد شاکلہ کا اصلاح پذیر ہونا بہت مشکل ہے۔

شیطان کے کلیجے میں ٹھنڈک

روایت ہے کہ شیطان اُس چالیس سالہ انسان کی پیشانی کو چومتا ہے جسکا شاکلہ بگڑ چکا ہو اور کہتا ہے قربان ہو جاؤں میں اس پر کہ جس کی اصلاح کی کوئی امید باقی نہیں رہی۔

ہم یہ نہیں کہتے کہ ایسے شخص کا سُدھرنا ممکن نہیں۔ لیکن بہت مشکل ضرور ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ لطف ایزدی شامل حال ہو اور دفعتاً ہی اس کی کایا پلٹ جائے اور وہ اصلاح پذیر ہو جائے۔

لہٰذا خود پر بھی رحم کیجئے اور دوسروں کو بھی سمجھائیے کہ شہوت پرستی اور ہوس رانی سے بچیں اور خود پر ظلم کر کے "ولکن النّاس کانوا انفسہم یظلمون" کے مصداق نہ بنیں۔

جب شاکلہ بگڑ جائے تو نوبت یہاں تک پہنچ جاتی ہے کہ انسان حج و زیارت سے بھی مشرف ہوتا ہے۔ عزاداری امام مظلومؑ بھی کرتا ہے لیکن رحمانی تقاضے سے نہیں بلکہ شیطان کی ایک آہٹ پر کرتا ہے۔ مجالس عزا بپا کرتا ہے لیکن نمود و نمائش کی یا کسی دوسری غرض سے۔ حج و زیارات کو جاتا ہے لیکن تفریح و سیاحت یا تجارت کی غرض سے۔ قصہ مختصر

یہ کہ پھر اس سے کوئی کام بھی اخلاص سے سرزد نہیں ہوتا۔

جہادِ اکبر

لہٰذا جہاد بالنفس کیلئے اور ہوا و ہوس کی مخالفت میں یہ جو اتنی تاکید وارد ہوئی ہے بلا سبب نہیں ہے۔ اصول کافی میں مکرر نقل ہونے والی حدیث شریف آپ نے سنی ہوگی کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے محاذ جنگ سے واپسی پر صحابہ سے فرمایا کہ ہم جہادِ اصغر سے تو فارغ ہو گئے ہیں لیکن جہادِ اکبر ابھی باقی ہے۔ صحابہ نے عرض کیا حضور وہ کونسا جہاد ہے تو آپؐ نے فرمایا وہ اپنے نفس سے جہاد ہے۔

یعنی وہ جہاد کہ جس کا تحمّل محاذ جنگ پر پہنچنے والے تیر و شمشیر کے سخت زخموں سے بھی بدرجہا مشکل ہے اور اسی نسبت سے اس کا اجر بھی زیادہ ہے وہ یہی جہاد بالنفس ہے جسے نبیؐ نے جہادِ اکبر سے تعبیر فرمایا ہے کیونکہ حرص و ہوس اور شہوات نفسانی کے طوفان میں ثابت قدم رہنے اور ان پر قابو پانے کیلئے محاذ جنگ سے کہیں زیادہ مردانگی اور ہمت و شجاعت درکار ہے۔

لیکن جو انسان جہاد بالنفس میں اتنا کمزور ہو کہ حرام لقمے یا حرام نظر تک سے خود کو محفوظ نہ رکھ سکے، اس سے اپنے شاکلہ کی اصلاح ناممکن اور مقام اخلاص تک اس کی رسائی محالِ محض ہے۔

اصلاح شاکلہ خواہشات نفسانی پر پابندی کے بغیر ممکن نہیں۔ اگر آپ چاہتے ہیں کہ دل کے مضبوط قلعے کو فتح کر کے عرشِ الٰہی تک پہنچیں (قلب المومن عرش الرحمان) تو آپ کا فرض ہے کہ ہر حرام اور ہر مکروہ سے اجتناب کریں اور ہر واجب بلکہ ہر مستحب کو بھی بجا لائیں (اس ضروری شرط کے ساتھ کہ آپ سے کوئی عمل ان کے منافی سرزد نہ ہو)۔

شاکلہ اور شریعت

شاکلہ کی اصلاح یقیناً بہت محنت طلب کام ہے لیکن اگر شرع متین کے قوانین کی پیروی کریں اور بالکل ابتدا ہی سے مثلاً والدین کے ازدواجی اختلاط، انعقادِ نطفہ، مدت حمل کے دوران اور اس کے بعد مولود کی صحیح تربیت شریعت کے احکام کے مطابق کریں تو منزل نجات تک پہنچنے کیلئے اس کی راہ کو آسان کر سکتے ہیں۔

والدین کا فرض ہے کہ بچے کو کوئی ایسی غذا نہ دیں جس کے بارے میں انہیں یقین کامل نہ ہو کہ حلال، وطیب ہے اگر اس کیلئے دایہ کی خدمات حاصل کریں تو پہلے پوری تحقیقات کر لیں کہ وہ واقعی نیک اور پاکدامن ہے۔ پھر جب بچہ

سنِ تمیز کو پہنچے تو پوری پوری احتیاط کی جائے کہ اس کے سامنے بدزبانی نہ ہو اور کوئی فعل ایسا سرزد نہ ہو جو حیا کے منافی ہو اور اس سے اس کے ذہن پر برا اثر مرتب ہونے کا اندیشہ ہو۔

حتیٰ کہ اگر والدین کے درمیان سوءِ تفاہم ہو جائے تو والد بچے کے سامنے اس کی والدہ سے ناراضگی کا اظہار نہ کرے ابتدا ہی سے کوشش کریں کہ کوئی بے ہودہ لفظ اس کے کانوں تک نہ پہنچے اسے اپنی نیکوکاری کے سائے میں رکھیں تاکہ اس کی عمر کے ساتھ کوئی برائی پروان نہ چڑھے۔

بچہ سنِ رشد کو پہنچے تو اسے جائز خرچ کی مشق کرائیں تاکہ اسے سخاوت کی عادت پڑے اور آنے والی زندگی میں مال دنیا پر لوگوں سے جھگڑتا نہ پھرے۔ نئے لباس اور پیسوں وغیرہ کی اہمیت اس کے دل میں نہ بٹھائیں۔ اسے سمجھائیں کہ لباس کا مقصد صرف باعزت اور شریفانہ تن پوشی ہے۔ نیا یا پرانا ہونے سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔

اُسے ناپاک غذا نہ دیں۔ یہ نہ خیال کریں کہ بچہ ہے اس پر کوئی تکلیف نہیں ہے۔ سخت افسوس کا مقام ہے کہ اُسے حرام غذا دی جائے۔ خدا ایسے والدین پر لعنت فرمائے جو شراب نوشی پر بچے کی ہمت افزائی کرتے ہیں۔ کیا معلوم کل وہ اللہ تعالےٰ کو کیا جواب دیں گے۔ وہ لوگ جو اپنے بچوں کو سینما یا فواحش کے مراکز میں لے جاتے ہیں ان کو جان لینا چاہئے کہ بچے کے شاکلہ کی تشکیل و تعمیر کے لئے جو ذمہ داری اللہ تعالےٰ نے ان کے سر پر ڈالی ہے وہ اس سے مجرمانہ غفلت برت رہے ہیں۔

عفت و پاکدامنی کے منافی ہر منظر بچے کی حیا کو کم کرتا ہے اُسے گستاخ اور لوگوں کی توہین پر بے باک بناتا ہے۔ ایسا بدبخت بچہ بڑا ہو کر اپنے نفس میں اپنے بے مروت باپ کے چھوڑے ہوئے مفاسد کیسے دور کر سکے گا۔۔۔!

جب بچہ آٹھ سال کا ہو جائے تو اسے نماز کا پابند بنائیں۔ اور جب دس سال کا ہو جائے تو وہ اپنے کسی بھائی یا بہن کے ساتھ ایک بستر میں نہ سوئے۔ اگر بارہ سال کا ہو کر بھی نمازی نہ بنے تو اس کی تادیب ضروری ہے اور اسے جسمانی سزا دینی چاہئے لیکن صرف اس قدر کہ جو اس کے شاکلہ رحمانی کی نشوونما میں معاون ہو۔

آدابِ زناشوئی

رحم مادر میں نطفہ قرار پانے کے وقت ہی سے احکام شرع کو ملحوظ رکھنا ضروری ہے۔ والدین لقمۂ حرام سے پورا پرہیز کریں تاکہ نطفہ پر برا اثر نہ پڑے۔ وظیفہ زوجیت کے دوران خدا کی یاد میں مصروف رہیں۔ شروع میں بسم اللہ پڑھیں تاکہ شیطان نطفہ میں شامل نہ ہو ماں اور باپ دونوں کے خیالات اس دوران میں رحمانی

ہوں تاکہ پیدا ہونے والے بچے کا شاکلہ قبول رحمانیت کے لئے بہتر طور پر مستعد ہو۔ اگر انعقادِ نطفہ کے وقت باپ پہ شیطانیت غالب ہوئی تو بچے پر ضرور اثر انداز ہوگی اور پھر اس بچے کو رحمانی سانچے میں ڈھالنے کیلئے بہت طویل محنت درکار ہوگی۔ لہٰذا والدین جتنے زیادہ رحمانی ہوں اتنا ہی بہتر ہے۔

جنابِ زہرا سلام اللہ علیہا کے

رُوحِ مجسم، صدیقہ کبریٰ جناب فاطمہ زہرا صلوات اللہ علیہا کے نطفۂ طاہرہ انعقاد کی کیفیت کی حامل روایات پر غور کیجئے۔ لکھا ہے کہ

جب اللہ تعالیٰ کا ارادہ گیارہ ائمہ طاہرین علیہم السلام کی والدہ محترمہ و ماجدہ مخدومۂ کونین حضرت زہرا سلام اللہ علیہا کو دنیا میں بھیجنے کا ہوا تو اس نے اپنی قدرت کاملہ سے ایسا اہتمام فرمایا کہ آپؑ کا جسم مقدس اتنا روحانی اور رحمانی ہو جائے کہ روحِ کلیِ الٰہی کا متحمل ہو سکے۔ اور لطافت میں انسانی روح کے برابر ہو۔ مخفی نہ رہے کہ آلِ محمدؐ کے اجسام مومنین کی ارواح جیسے لطیف ہیں۔

اور چونکہ جناب سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا جسم مبارک سراسر نور و لطافت ہے اور پورے طور پر رحمانی ہے اس لئے آپؐ کا شاکلہ انتہائی صفا و نورانیت اور جلا و لطافت کا حامل ہوگا۔

روایت ہے کہ حضور نبی اکرمؐ ایک دن ابطح میں تشریف فرما تھے، علیؑ اور عمار یاسر خدمت اقدس میں موجود تھے۔ حضرت ابوبکرؓ و حضرت عمرؓ بھی موجود تھے۔ جبرئیلؑ نازل ہوئے اور اللہ تعالیٰ کا فرمان حضور علیہ السلام کے گوش گذار کیا کہ آج رات سے گھر تشریف نہ لے جائیں اور پورے چالیس دن رات وظیفہ زوجیت سے پرہیز فرمائیں۔ نیز دن کو روزہ رکھیں اور رات نماز و عبادت میں گذاریں۔ پورے چالیس دن تک مباح خواہشات نفسانی یعنی دن کو کھانے اور رات کو سونے اور زوجۂ طاہرہ سے قربت سے بھی منع فرما دیا تاکہ شاکلۂ محمدیؐ لطیف سے لطیف تر، پاک سے پاک تر اور روحانی سے روحانی تر ہو جائے۔

حضورؐ نے عمار سے فرمایا خدیجہؑ کے پاس جاؤ انہیں ہماری طرف سے سلام کے بعد پیغام دو کہ ہم چالیس دن گھر نہیں آئیں گے اور کہو یہ غیر حاضری کسی رنجش کی بناء پر نہیں بلکہ حکم خدا سے ہے۔

عمار نے حضورؐ کا پیغام پہنچایا۔ جناب خدیجہؑ نے جواب میں امرِ الٰہی پر اظہار تسلیم فرمایا اور جدائی پر صبر اختیار کرنے پر رضامندی کا پیغام بھیجا۔ وہ چالیس روز آنحضرتؐ نے اپنی عمہ محترمہ جناب فاطمہ بنت اسد والدہ گرامی جناب امیرؑ کے ہاں

شب و روز عبادت الٰہی میں گذارے۔

چالیسویں دن شام کو جبرئیلؑ نازل ہوئے اور اللہ تعالیٰ کا حکم عرض کیا کہ آج افطار میں تاخیر فرمائیں حتی کہ غیب سے افطاری کا سامان آئے۔ نماز کے بعد جبرئیلؑ (اور ان کے ہمراہ میکائیل اور اسرافیل بھی جو معمولاً انبیاء پر نازل نہیں ہوتے) آئے اور طعامِ جنت جو انگور، کھجور اور چشمہ ہائے جنت کے پانی پر مشتمل تھا، لائے۔

جناب امیرؑ فرماتے ہیں کہ کھانے کے وقت ہمیشہ آنحضرتؐ مجھے گھر کا دروازہ کھلا رکھنے کی ہدایت فرماتے تھے تاکہ ہر آنے والا آپؐ کے ساتھ کھانے میں شریک ہو سکے لیکن اس رات آپؐ نے خاص طور پر حکم دیا کہ کسی کو آپ کے پاس نہ آنے دوں کہ اس کھانے میں کسی کو شرکت کا حق نہیں۔ کھانے کے بعد جبرئیل نے آپؐ کے ہاتھ دھلائے۔ حضورؐ نے ارادہ فرمایا کہ روزانہ کی طرح آج بھی نافلہ شب کیلئے اٹھیں لیکن جبرئیل نے عرض کیا کہ آج نافلہ شب کی ضرورت نہیں۔ آپؐ اسی وقت (کہ مادہ، بہشتی بدن مبارک میں تشکیل پا چکا ہے) خدیجہؑ کے پاس تشریف لے جایئے۔

جناب خدیجہؑ فرماتی ہیں کہ میں ابھی سوئی نہ تھی کہ دروازے پر دستک ہوئی۔ میں نے کہا کون ہے اس دروازے کو کھٹکھٹانے والا جسے محمدؐ کے سوا کوئی نہیں کھٹکھٹا سکتا۔ حضورؐ نے فرمایا میں ہوں دروازہ کھولو۔ قصہ مختصر حضورؐ تشریف لائے۔ میں معمولاً آپؐ کے وضو کیلئے پانی لاتی تھی اور آپؐ دو رکعت نماز ادا فرما کر بستر میں تشریف لاتے۔ لیکن اس رات آپؐ نے وضو نہ فرمایا اور بستر میں تشریف لے آئے۔

اسطرح اس نورانی پیکر سے خالص روحانی مادہ پاکیزہ ترین رحم میں منتقل ہوا۔

اس پاکیزہ نطفے کی حقیقت یقیناً عجیب ہے۔ جناب خدیجہؑ فرماتی ہیں میں نے فوراً محسوس کر لیا کہ استقرارِ حمل ہو گیا ہے۔ دوسرے ہی دن سے جنین پاک نے اپنی مادرِ گرامی سے مخاطبت اور حمد و تسبیح باری کا آغاز کر دیا۔ یہ واقعات خوارق عادت ہیں اور صرف ارادہ ایزدی پر منحصر ہیں۔

ہمارے مذہب کے مسلمات میں سے ہے کہ روزِ قیامت شفاعتِ کبریٰ جناب زہراؑ کے ہاتھ میں ہوگی۔

ولها جلال لیس فوق جلالها
الا جلال اللہ جل جلالہ

٭٭٭

مجلس ۲۵

بسمِ اللہِ الرّحمٰنِ الرّحیمْ قال فبعزّتک لاغوینّھم اجمعین الّا عبادک منہم المخلصین (ص:۸۵)

عمل نیت سے ہے

دین کی بنیاد اخلاص نیت پر ہے۔ اگر اخلاص نہ ہو تو عمل لغو محض ہے۔ آپ کے اعمال پہاڑوں جیسے بڑے ہوں لیکن اگر وہ اخلاص سے انجام نہیں دیے گئے تو روز حشر ان کا وزن تنکے جتنا بھی نہیں ہوگا۔ بے اخلاص عبادت بھی ناقابل قبول ہے کیونکہ اللہ تعالےٰ کا فرمان ہے "وما اُمروا الّا لیعبدوا اللّٰہ مخلصین لہ الدین۔" (انہیں یہی حکم دیا گیا ہے کہ اللہ تعالےٰ کی عبادت اخلاص نیت سے کریں)۔

شیعہ سنی کے نزدیک اصول کافی کی یہ حدیث متواترات میں سے ہے کہ حضورؐ نے فرمایا: "لا عمل الّا بالنیّۃ۔ (عمل کا انحصار نیت پر ہے)۔ اور دوسری جگہ حدیث پاک کے الفاظ یہ ہیں: "انما الاعمال بالنّیات"۔ نیت صادق کے بغیر اور صرف نمائشی طور پر انجام دیے گئے عمل کا کوئی فائدہ نہیں بلکہ جو بھی اثر ہے نیت کا نتیجہ ہے۔ اگر خالصتاً اللہ تعالےٰ کی خوشنودی کیلئے کوئی عمل کیا جائے تو سود مند ہے ورنہ لغو اور بے سود بلکہ اس کی رضا کے منافی عمل گناہوں کی فہرست میں درج ہوتا ہے۔

عبادت میں قصدِ قربت

آپ خوب جانتے ہیں کہ عبادت نیت کے بغیر بے معنی ہے۔ ہر واجب عبادت میں قصد قربت ضروری ہے لیکن نیت صرف یہی نہیں کہ نماز، روزہ، حج، خمس وغیرہ کیلئے چند الفاظ ادا کر دئے یا دل میں کہہ لئے جائیں۔ جب آپ وضو کے ارادے سے وضوگاہ کی طرف جاتے ہیں تو یہ ارادہ ہی آپ کی نیت ہوتا ہے خواہ زبان سے ادا کریں یا نہ کریں، دل میں کہیں یا نہ کہیں۔

اب آپ کو کس نے اس کام پر آمادہ کیا؟ اس کا محرک در اصل اللہ تعالےٰ کا حکم ہے جو قربت جوئی کے وقت آپ کی نیت میں شامل ہوگیا۔ نیت کے الفاظ زبان سے ادا کر دینے میں بھی قطعاً کوئی حرج نہیں ہے لیکن نیت کی حقیقت

وہی داعیہ ہے جو آپ کو عمل پر آمادہ کرتا ہے۔ لیکن اگر عمل کا محرک اللہ تعالےٰ کے تقرب اور رضا جوئی کے علاوہ کوئی امر ہو تو لاکھ آپ زبان سے قربۃً الی اللہ کا ورد کیجئے، حقیقت سے اس کا دور کا بھی تعلق نہ ہوگا بلکہ یہ دروغ گوئی ہوگی جو آپ کے عمل کو خاک میں ملا دے گی۔ لہٰذا یہ نہایت ضروری ہے کہ اولاً عمل صمیم قلب اور خلوص نیت سے ہو اور ثانیاً صرف خدائے تعالیٰ کیلئے ہو اور بلا شرکت غیرے ہو۔ اس بارگاہ میں صرف سچائی قبول کی جاتی ہے۔ اگر اس میں ذرا سا بھی کھوٹ ہو تو سارا عمل بے کار ہے۔

ایک شخص اذان کہتا ہے لیکن اس سے اس کا مقصد عبادت نہیں بلکہ اپنی خوش آوازی یا دینداری کی نمائش ہے تو یہ کام شرعاً لغو اور باطل ہے اور ریا کی وجہ سے اس کے گناہوں میں شمار ہوگا۔ بعض اوقات انسان خود شک میں پڑ جاتا ہے کہ آیا جو کام اس نے کیا قربِ الٰہی تھا یا نمائش کے ارادے سے تھا۔ اس کی آزمائش اس طرح ہو سکتی ہے کہ اگر کسی دوسرے شخص نے سبقت کی اور چاہا کہ آپ کی بجائے اذان دے اور آپ سے کہا کہ آپ بلاوجہ اذان دینے پر بضد ہیں اور آپ نے اس سے برا مانا تو یہ دلیل اس بات کی ہے کہ آپ کی اذان دینے کی خواہش کا محرک اللہ تعالیٰ کے نام کو بلند کرنے کا ارادہ نہیں بلکہ خود نمائی کا جذبہ تھا۔ ورنہ کیا فرق پڑتا ہے؟ کیونکہ مقصد تو صرف اتنا ہے کہ اذان دی جائے آپ نے نہ دی کسی اور نے دی۔ عموماً ایسا بھی ہوتا ہے کہ افکار اور دعائیں بلا نیت کی جاتی ہیں۔ اور انسان من گھڑت الفاظ میں دعا کرتا ہے یہ درست نہیں ہے بلکہ دعا صرف روایت میں وارد شدہ الفاظ میں کہنی چاہیے۔

نبیؐ کی دعائے بارش

اصول کافی میں روایت ہے کہ چند صحابہ حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض گذار ہوئے کہ مدت سے بارش نہیں ہوئی اور دنیا پانی کو ترس رہی ہے۔ اللہ تعالےٰ سے دعا فرمائیں کہ باران رحمت کا نزول ہو۔ حضورؐ نے دست مبارک دعا کیلئے بلند کئے اور عرض کیا بار الٰہا بارش نازل فرما لیکن اس دعا کا کوئی نتیجہ برآمد نہ ہوا۔ دوسری بار صحابہ نے باصرار دعا کیلئے عرض کیا۔ حضورؐ نے دوبارہ ہاتھ اٹھائے اور کہا پروردگار دنیا باران رحمت کی سخت محتاج ہے۔ ان کے گناہوں کو ان کی محرومی نعمت کا سبب نہ بنا۔ ابھی ہاتھ نیچے نہیں گئے تھے کہ کالی گھٹا امنڈ آئی اور اتنی بارش ہوئی کہ جل تھل ہوگیا۔ صحابہ نے عرض کیا حضورؐ پہلی دفعہ کیوں قبول نہیں ہوئی؟ تو آپ نے فرمایا "دعوت ولم تکن لی نیۃ" (دعا تو میں نے کی تھی لیکن پوری نیت سے نہیں۔)

علامہ مجلسیؒ شرح کافی میں فرماتے ہیں کہ اس کا مطلب یہ ہو سکتا ہے کہ حضورؐ نے پہلی بار مشیت ایزدی کو معلوم سمجھتے ہوئے صرف صحابہ کا دل رکھنے کیلئے دعائیہ الفاظ فرما دئے ہوں گے کیونکہ اکثر ایسا ہوتا تھا کہ آپؐ صحابہ کی

دلجمعی اور تسکین خاطر کے لئے ان کی خواہش قبول فرما لیتے تھے۔ لہٰذا پہلی دعا صمیم قلب سے نہ تھی بلکہ صرف صحابہ کو مطمئن کرنے کی غرض سے تھی لیکن دوسری دعا میں لوگوں کی ضرورتمندی کی تصدیق فرمائی اور ان کی سفارش کی کہ ضرورتمند یہ لوگ ضرور ہیں۔ اگرچہ گناہگار ہونے کی وجہ سے تیرے انعام واکرام کے بہت مستحق نہیں ہیں لیکن اگر تیری مشیئت کی مصلحت ہو تو ان کو بچا لے۔ اس سے ظاہر ہوا کہ صرف صمیم قلب ہی سے کی ہوئی دعا قبول ہوتی ہے۔

بے خلوص ظاہرداری

آج کل بے خلوص اور رسمی آؤ بھگت ہمارے عوام میں رائج ہے جو صرف زبان بازی تک محدود ہوتی ہے۔ مثلاً آپ خوب جانتے ہیں فلاں شخص آپ کا بدخواہ دشمن اور آپ کے خون کا پیاسا ہے لیکن جب آپ سے مخاطب ہوتا ہے تو باور کرانے کی کوشش کرتا ہے کہ آپ کا دوست اور خیرخواہ ہے۔ کیا آپ کو اس کی یہ منافقت بری نہیں لگتی؟ ظاہریت اور فریب سب کو برا لگتا ہے اور بے خلوص اور نمائشی اظہارِ دوستی کو کوئی بھی پسند نہیں کرتا تو پھر کیا اللہ تعالےٰ جو ہر ظاہر و پوشیدہ کا دانا ہے، اسے پسند فرمائے گا؟ جب آپ اللہ اکبر اس یقین سے کہیں گے کہ وہ واقعی عظیم ہے اسے صحیح معنوں میں کائنات کی ہر بڑی سے بڑی ہستی سے برتر اور بزرگ تر مانیں گے اور اس کی عظمت و جبروت سے متاثر ہو کر یہ الفاظ کہیں گے تو عبادت ہوگی ورنہ یہی الفاظ اس کے غیظ و غضب کا باعث ہوں گے۔

حمد اور شکر نعمت

الحمد للہ کہنا بھی جبھی معقول ہے کہ تہ دل اور خلوصِ نیت سے اللہ تعالےٰ کی حمد و ثنا کرنا مقصود ہو۔ جب بھی اس کی طرف سے کسی خیر کا نزول ہو تو ضرور الحمد للہ کہنا چاہیئے بعض اوقات الحمد للہ کہنا ذرہ برابر بھی قدر و قیمت نہیں رکھتا۔ خصوصاً جب یہ لفظ ظاہرداری کے طور پر کہا جائے کیونکہ اگر آپ منعم حقیقی صرف اللہ تعالےٰ کو سمجھتے ہیں تو پھر زید، عمرو، خالد وغیرہ سے بھی خوشامد کیوں کرتے ہیں۔ اگر سب تعریف کے لائق صرف ذاتِ باری تعالےٰ ہی ہے تو پھر آپ دوسروں کی مدح و ثنا میں کیسے رطب اللسان ہوسکتے ہیں۔ اس سے یہی ظاہر ہوتا ہے کہ آپ کا الحمد للہ کہنا محض دکھاوا اور ظاہرداری ہے۔ لیکن اللہ تعالےٰ آپ کے دل سے خوب واقف ہے اور وہ آپ کے حال کو آپ سے بہتر جانتا ہے۔

بے بنیاد دعویٰ

اگر آپ کا فرزند زبان سے تو آپ کی اطاعت و فرماں برداری کا دم بھرے اور حقیقت میں مکمل طور پر نافرماں اور سرکش ہو اور آپ جانتے بھی ہوں کہ وہ جھوٹا ہے اور آپ کو اس کا تجربہ بھی بارہا ہو چکا

ہو تو کیا آپ اس فرزند سے دلی طور پر راضی ہوں گے جس کے قول و فعل میں اس قدر تضاد ہو۔ زبان سے تو کہے کہ میرے پاس جو کچھ بھی ہے آپ کا ہے لیکن بوقت ضرورت بہانہ سازیوں پر اتر آتا ہو۔ اگر آپ ایسے فرزند سے راضی نہیں ہوسکتے تو کیا اللہ تعالےٰ آپ سے آپ کی تمام تر منافقتوں اور فریب کاریوں کے باوجود کبھی راضی ہوسکتا ہے؟ یقیناً نہیں۔

فریب جائز نہیں

ایک بزرگ کا فرمان ہے کہ آپ لوگ دنیاوی معاملات میں ظاہرداری اور فریب کو ناپسند کرتے ہیں مثلاً معمار کو آپ نے ہدایت دی کہ ایسا مکان بنائے جو ہر طرح سے مضبوط اور پائدار ہو۔ لیکن جب وہ اسے تیار کر کے آپ کے حوالے کرتا ہے تو آپ دیکھتے ہیں کہ اس نے تعمیر میں پختہ اینٹ کی بجائے کچی اینٹ لگائی ہے اور لوہے کی بجائے اس میں لکڑی استعمال کی ہے لیکن اس کی ظاہریت کو رنگ روغن سے خوب سنوارا ہے۔ آپ یقیناً کہیں گے کہ یہ ظاہر فریب عمارت مجھے درکار نہیں۔

یا مثلاً آپ نے گھر میں حلوا پکانے کی فرمائش کی۔ تیار ہو کر جب آپ کے سامنے آیا تو چکھنے پر آپ کو معلوم ہوا کہ بدمزہ ہے اور میٹھا بھی نہیں۔ تو آپ کے گھر والے لاکھ کہتے رہیں کہ دیکھو تو اس کا رنگ کتنا خوبصورت ہے خوشبو کیسی اچھی ہے۔ لیکن آپ ان باتوں کو قبول نہیں کریں گے اور کہیں گے کہ اگر یہ حلوا ہے تو اس کی مٹھاس کہاں ہے؟

تو جب آپ دنیاوی کاموں میں فریب کو پسند نہیں کرتے اور اگر ان میں سچائی نہ ہو تو قبول نہیں کرتے تو کیا خدائی معاملات میں یہ توقع رکھ سکیں گے کہ آپ کی بے حقیقت ظاہرداری اس کی بارگاہ میں قبول ہو جائے گی؟۔

بدنصیبی یہ ہے کہ ہم اپنے عیوب کو تسلیم کرنے پر تیار نہیں ہیں ہمیں بہت پسند ہے کہ لوگ ہماری تعریف کریں اور جھوٹ بول کر ہمیں اچھا ثابت کریں۔ انفسانی نفس اتنا پست ہے کہ جھوٹ سے خوش اور سچ سے ناراض ہو جاتا ہے۔

دل کی اصلاح ضروری ہے

عاقل وہ ہے جو پہلے اپنے مرض کو سمجھ لے اور پھر اس کے علاج کے درپے ہو، اگر مرض سے جاہل رہے گا تو غلط علاج سے ہلاک ہوگا۔ ہم سب کو جان لینا چاہیئے کہ بارگاہ خداوندی میں نیت صادق کے سوا کوئی چیز قابل قبول نہیں کیونکہ " انّ اللّٰہ ینظر الیٰ قلوبکم لا الیٰ صورکم " (اللہ تعالےٰ آپ کے دلوں کو دیکھتا ہے نہ کہ آپ کی صورتوں کو)۔ پس اگر آپ کے دل میں حبِ دنیا کا مرض ہے تو اس کا علاج کریں اور اس کے رجحانات و میلانات کی اصلاح کریں۔ ایسا نہ ہو کہ خود بینی اور خود پرستی کی وجہ سے آپ کے سب کام

خراب ہو جائیں۔

لہذا اگر آپ قلبِ صمیم اور نیت سلیم کے مالک ہیں تو زبان کی لغزش سے کوئی فرق نہیں پڑتا حتیٰ کہ فقہی مسائل میں بھی مثلاً آپ نے نیتِ نمازِ مغرب کی کی ہے لیکن زبان سے "نمازِ عشا" کہہ دیا تو کوئی حرج نہیں کیونکہ معیار و میزان آپ کا دل اور آپ کی نیت ہے۔

جنگ جمل اور اصحابِ علی علیہ السلام

روایت ہے کہ جنگ جمل کے دوران جناب امیرؑ کے ایک محب نے آہ بھر کر کہا کہ کاش اس جہاد میں میرا بھائی بھی میرے ساتھ موجود ہوتا۔ (اس کا بھائی بھی شیعیانِ علیؑ میں سے تھا لیکن سوء اتفاق سے رکابِ امامؑ میں جہاد کی سعادت سے مشرف نہ ہو سکا تھا)۔ آپؑ نے پوچھا" أهوى اخيك معنا؟" (کیا تمہارے بھائی کی خواہش ہمارے ساتھ ہے؟) یعنی کیا وہ پورے صمیم قلب اور اخلاص نیت سے ہمارے ساتھ اس جہاد میں شرکت کا متمنی ہے؟ اس نے عرض کیا جی ہاں بخدا۔ آپؑ نے فرمایا فکر مت کرو وہ ہمارے ساتھ ہی ہے یعنی وہ اپنی سچی نیت کی وجہ سے ہماری رفاقت میں ہے۔ بلکہ آپؑ نے یہاں تک فرمایا کہ بہت سے ایسے بھی ہمارے ساتھ اس جنگ حق و باطل میں شریک ہیں جو ابھی تک اس دنیا میں آئے بھی نہیں اور ابھی والدین کی پشتوں میں ہیں۔ ظاہر کہ یہ شرکت صرف نیت اور عزم قلبی کے اعتبار سے ہے۔

اللہ تعالےٰ صدق نیت عطا فرمائے

ہم اللہ تعالےٰ سے نیت کی سچائی طلب کرتے ہیں۔ اپنے امام زمانہؑ کی اقتداء کرتے ہیں اور دعا میں عرض کرتے ہیں۔ اللّٰھم ارزقنا توفیق الطّاعة وبعد المعصية وصدق النّيّة۔" (بارالٰہا ہمیں اطاعت کی توفیق، گناہوں سے دوری کی ہمت و طاقت اور صدق نیت کی نعمت عطا فرما) بعض اوقات ایسا ہوتا ہے کہ انسان اطاعت خداوندی میں مصروف ہوتا ہے لیکن اسکی حرکات ہوائے نفس کے ایماء پر ہوتی ہیں۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ وہ عبادت کر رہا ہے لیکن اس کی حرکات اخلاص نیت کی نہیں بلکہ ہوائے نفس کی تابع ہیں۔ وہ سمجھتا ہے کہ وہ قربۃً الی اللہ کام کر رہا ہے لیکن دراصل اسے قربِ شیطانی حاصل ہے۔

اے پروردگار۔ شرِ ابلیس اور ہوائے نفس سے ہماری حفاظت فرما ــــ

مجلس ۲۶

بِسمِ اللّٰہِ الرَّحمٰنِ الرَّحِیمِ   قال فبعزّتك لاغوينّهم اجمعين الّا عبادك منهم المخلصين (ص: ۸۵)

دشمن ایمان و عمل

ہماری بحث کا موضوع اخلاص تھا۔ ہم نے بیان کیا کہ اخلاص گناہوں سے بچنے کیلئے ایک مضبوط اور محکم پناہ گاہ ہے۔ اگر کوئی شخص شیطان کے شر سے محفوظ رہنا چاہئے تو اس کیلئے اس کے سوا کوئی چارہ نہیں کہ راہ اخلاص کو طے کرے کیونکہ اس منزل کو پائے بغیر وہ شیطان کے ہاتھوں ایک گیند کی طرح ہے۔ انسان کے دین و ایمان کو غارت کرنے والا شیطان ہی ہے اور اگر غارت نہیں تو خراب تو ضرور ہی کر دیتا ہے۔ اور آخرت کیلئے ذخیرہ کئے ہوئے اعمال کو بھی ضائع کر دیتا ہے۔ وہ ہمارا دشمن ہے لہذا ہمیں بھی اس کے ساتھ دشمنی رکھنی چاہئے (فاتخذوہ عدوّا)۔ یہ دشمن بڑا طاقتور ہے اور ہر دم ہمارے دین و دل پر حملہ آور ہونے کی کوشش میں ہے لہذا ہمیں اہل اخلاص بننا چاہئے تاکہ شر شیطان کی آماجگاہ نہ بنیں۔

اخلاص کمالِ توحید ہے

نہج البلاغہ کے خطبۂ اول میں امیرالمؤمنین حضرت علیؑ کے الفاظِ گوہر بار ملاحظہ ہوں ارشاد فرماتے ہیں" اوّل الدین معرفته وکمال معرفته التصدیق به وکمال التصدیق به توحیده وکمال توحیده الاخلاص له"۔ (دین کی بنیاد اللہ تعالےٰ کی معرفت ہے، اس معرفت کا کمال اس کی خالقیت مطلقہ کی تصدیق ہے (اور روز جزاء پر اعتقاد کامل ہے جو پیغمبران خدا کی دعوت کی بنیاد ہے)، تصدیق کا کمال توحید (پر ایمان) ہے اور توحید کا کمال اخلاص ہے یعنی اسے وحدانیت اور ربوبیت کے تمام مظاہر میں یکتا و لاشریک مانا جائے)

اگر ہمارا اور ساری موجودات کا رب ایک ہی ہے تو اس کے غیر سے ہمارا کیا تعلق ہے اور کسی اور کو ہم کیوں کارساز و کار فرما سمجھتے ہیں۔ اگر واقعی ہمارا عقیدہ یہ ہے کہ" لا الٰہ الّا اللّٰہ بیدہِ الخیر"۔ کہ اس کے سوا کوئی معبود نہیں، ہر خیر

اس کے دست قدرت میں ہے، سارے کام اس کی مشیت پر منحصر ہیں. ہر مشکل کا حل اسی کے پاس ہے. ہر تکلیف کا دور کرنے والا صرف وہی ہے اور "یا کاشف الضر والکرب" کے الفاظ سے صرف اسی کو پکارا جاتا ہے تو پھر ہمیں یہ حق نہیں ہے کہ اس کے سوا کسی اور کے سامنے دست سوال دراز کریں کیونکہ یہیں سے ریا کی ابتدا ہوتی ہے اور جب انسان یہ سمجھنے لگتا ہے کہ مخلوق سے بھی حاجت روائی ممکن ہے اور اہل دنیا کی نظروں میں عزّت کا حصول بھی فلاح کا ضامن ہے تو وہ توحید سے بے گانہ ہو جاتا ہے، اس کے سامنے شرک یا خفا کی راہ ہموار ہو جاتی ہے اور اس کی نیت میں شیطنت گھر کر لیتی ہے۔

اگر ہم موحد ہیں تو ہماری دعا کا مخاطب صرف اللہ تعالےٰ ہونا چاہئے۔ جب ہم اسے حاضر ناظر سمجھتے ہیں تو پھر ہمیں کسی اور کی طرف متوجہ نہیں ہونا چاہیے چہ جائے کہ اس کی طرف سے جس عمل پر ہم مامور ہیں اس میں اس کے غیر کو بھی شریک کریں. یہ جائز نہیں کہ فعل واجب کی ادائیگی کی دوسروں کے سامنے نمائش کریں کہ ہماری تعریف ہو ہمیں اپنے رب سے شرم آنی چاہئے اور ڈرنا چاہئے کہ مبادا اس کی غیرت جوش میں آجائے اور اس کے قہر و غضب کی بجلی ہمیں جلا ڈالے اگر "کمال التوحید الاخلاص للہ" پر ہمارا ایمان ہے اور ہم واقعی اسے اپنا رب، اپنا پالنے والا اور اپنے تمام امور میں ولی التوفیق سمجھتے ہیں تو اس کے غیر سے ہمیں وابستہ نہیں ہونا چاہئے۔ دوستی کے بارے میں بھی ہمیں موحد ہونا چاہئے اور ہمارا تمام تر تعلق صرف خدا اور اس کی رضا سے ہونا چاہئے۔

بہت سے لوگ اخلاص کے مدعی ہیں

انسان کے بیشتر اعمال اخلاص کے منافی ہیں۔ اگر رازق صرف خدائے تعالےٰ ہے اور دینے والا، لینے والا، لانے والا، لے جانے والا وہی ہے اور تمام خیرات اسی کے دست قدرت میں ہیں تو ہم اسباب کو کیوں مؤثر کل سمجھتے ہیں اور جب زندگی میں کوئی نشیب و فراز آتا ہے تو اللہ تعالےٰ کی قضا و قدر پر کیوں اعتراض کرتے ہیں۔ یہ امر بڑا دقت طلب ہے کیونکہ بعض اوقات ایسا ہوتا ہے کہ انسان ساری عمر اپنے آپ کو مخلص سمجھتا رہتا ہے لیکن جب وہ فنا کی ڈھلوان پر پہنچتا ہے تو اس کی آنکھیں کھلتی ہے، پھر اسے معلوم ہوتا ہے کہ اس کی ساری عمر اللہ تعالےٰ سے عدم اخلاص میں گذر گئی. بہت سے ایسے بھی ہیں جو بہت سے خداؤں کی پرستش کرتے ہیں اور اس کے باوجود خود کو موحّد کہتے ہیں۔

ایک شخص نے ایک رات ارادہ کیا کہ مسجد میں جائے اور ساری رات یکسوئی اور خلوص نیت سے اللہ تعالےٰ کی عبادت کرے. نرم و گرم بستر چھوڑ کر وہ مسجد میں چلا گیا اور وہاں چٹائی پر عبادت میں مصروف ہو گیا. کچھ دیر کے بعد تاریکی میں ایک آواز اس کے کانوں سے ٹکرائی. وہ سمجھا کہ ضرور کوئی دوسرا آدمی بھی مسجد میں عبادت میں مشغول ہے. اس نے سوچا کہ یہ بہت اچھا ہوا. صبح جب وہ مجھے دیکھے گا تو لوگوں سے میرا ذکر کرے گا کہ میں ساری ساری رات عبادت میں مصروف رہتا ہوں چنانچہ اس نے اور زیادہ ذوق و شوق اور خشوع و خضوع سے عبادت شروع کر دی اور اپنی آواز میں بھی مزید عاجزی اور زاری پیدا کر لی اور اسی حالت میں صبح کر دی جب شب کی تاریکی رخصت ہوئی تو اس نے دیکھا کہ مسجد کے کونے میں ایک کتا دبکا بیٹھا ہے جو غالباً باہر کی سردی سے بچنے کیلئے مسجد میں آگیا تھا. معلوم ہوا کہ اس نے ساری رات کتے کی خاطر عبادت کی یا یوں سمجھئے کہ اسی کی پرستش کی.

شیطان کی فریاد

اگر آپ اہل اخلاص ہیں تو آپ کا سروکار صرف اسی کی ذات سے ہونا چاہئے. اور صرف اسی کو اپنا کارساز اور اپنے جملہ امور میں کارفرما سمجھیں. جاہ و مال دنیا کو اپنی نیت پر ہرگز اثر انداز نہ ہونے دیں کیونکہ عزّت و ذلّت کا مالک صرف وہ ہے مرض و شفا کا نازل کرنے والا بھی وہی ہے اور سب امور کی بازگشت اسی کی طرف ہے (الا الی اللہ تصیر الامور)۔

اخلاصِ ایمان کی اس منزل کو پہنچا ہوا انسان جب مسجد میں داخل ہوتا ہے تو شیطان کی جان پہ بن آتی ہے اور وہ نالہ و فریاد شروع کر دیتا ہے۔

لیکن یہ مقام بڑا مشکل اور محنت طلب ہے. یہ بڑی مردانگی کا کام ہے کہ انسان شیطان سے الجھ جائے اور نفس امارہ اور ہوا و ہوس سے جہاد اکبر کرے حتیٰ کہ اہل اخلاص بنے جس کے بغیر پہاڑوں جیسے بڑے بڑے اعمال ہباءً منثوراً ہو جاتے ہیں۔

تین گروہوں کا حساب کتاب

اس ضمن میں ایک روایت عرض کی جاتی ہے. محجة البیضاء میں لکھا ہے کہ روز قیامت سب سے پہلے تین گروہوں کا حساب کتاب ہوگا۔

پہلا گروہ علماء کا ہوگا۔ اللہ تعالےٰ ان سے سوال فرمائے گا کہ تم نے دنیا میں کیا کیا اور جو علم ہم نے تمہیں دیا تھا اس کو

کیسے استعمال کیا؟ وہ کہیں گے پروردگار تو شاہد ہے کہ ہم نے علم کو دنیا میں پھیلایا، تعلیم و تدریس میں مصروف رہے کتابیں تصنیف کیں اور لوگوں کی راہنمائی کی۔ جواب میں کہا جائے گا تم جھوٹ بولتے ہو کیونکہ یہ سب کچھ تم نے اس لئے کیا کہ لوگ تمہیں علامہ کہیں اور بڑا دانشمند سمجھیں۔ یہ نمائش تھی اور اس کا معاوضہ تم لوگوں کی تعریف و تحسین کی شکل میں وصول کر چکے ہو۔ اب ہم سے کیا چاہتے ہو۔

دوسرا گروہ مال داروں کا ہوگا۔ ان سے پوچھا جائے گا کہ ہمارے دئے ہوئے مال کو تم نے کیا کیا۔ وہ جواب دیں گے اے اللہ تو شاہد ہے کہ ہم نے اسے تری راہ میں خرچ کیا، اعمال خیر انجام دئے، فقراء کی دستگیری کی اور اس بارے میں کوئی حسرت اپنے ساتھ قبر میں نہیں لے گئے۔ انہیں جواب دیا جائے گا کہ جھوٹے ہو، تم نے اس لئے خرچ کیا کہ لوگ تمہاری تعریف کریں، تمہیں سخی کہیں اور تمہارا نام اخبار اور ریڈیو کے ذریعے شہرت پائے تم اپنے عمل کا معاوضہ دنیا ہی میں وصول کر چکے ہو اب ہم سے کیا چاہتے ہو؟ (روایت میں آیا ہے کہ روز قیامت سات گروہ عرش الٰہی کے سائے میں ہوں گے جن میں سے ایک ان لوگوں کا ہوگا جو پوشیدہ سخاوت کرتے ہیں اور اللہ کی راہ میں اس طرح خرچ کرتے ہیں کہ ان کے دوسرے ہاتھ تک کو خبر نہیں ہوتی اور خدا کے سوا ان کے اس عمل کو کوئی نہیں دیکھ سکتا۔ حضرت امام زین العابدینؑ جب اللہ کی راہ میں مال دیتے تو عبا کو سر تک اوڑھ لیتے اور چہرۂ مبارک چھپا لیتے تاکہ آپ کو کوئی پہچان نہ سکے حتیٰ کہ بعض اوقات وہ لوگ بھی جن کی آپ نے مدد فرمائی ہوتی شکایت کرتے کہ آپ نے ہماری مدد نہیں کی کیونکہ مدد کے وقت انہیں اندازہ نہیں ہو سکا تھا کہ منعم کون ہے)۔ لہٰذا انسان خواہ لاکھوں روپے خرچ کر ڈالے، اگر نمائش یا نام و نمود کے لئے کرے گا تو پرکاہ جتنی بھی اس کے عمل کی قیمت نہ ہوگی۔

تیسرا گروہ معرکۂ جہاد میں شہید ہونے والوں کا ہوگا۔ ان سے سوال ہوگا کہ تم نے دنیا میں کیا کیا؟ تو وہ کہیں گے بارالٰہا تو خوب جانتا ہے کہ ہم نے تیری راہ میں جان دی۔ زخم کھائے اور اذیتیں اٹھائیں۔ جواب میں کہا جائے گا تم میدان جہاد میں ہماری راہ میں شہادت سے زیادہ اپنی شجاعت کی نمائش کے لئے گئے تھے اور تمہارا اصل مقصد مال غنیمت کا حصول تھا تم نے خالصتاً ہماری راہ میں جان نہیں دی۔ بعض اوقات ایک شخص قرآن مجید بہت اچھا پڑھتا ہے لیکن گویوں کی طرح قرآن مجید کو گاتا ہے تاکہ اپنی خوش آوازی کی نمائش کرے۔ اس کا بھی آخرت میں کوئی حصہ نہیں۔

روایت ہے کہ ایک شخص کو اس بارے میں خوف محسوس ہوا اور اس نے حضرت صادقؑ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کی کہ مولا میں اپنے گھر میں قرآن پاک کی تلاوت کرتا ہوں جسے میرے اہل و عیال سنتے ہیں لیکن بعض اوقات میری آواز گھر سے باہر بھی چلی جاتی ہے جسے راہگیر بھی سنتے ہیں۔ اس بارے میں کیا ارشاد ہے؟ آپ نے فرمایا درمیانہ آواز سے پڑھو تاکہ ریا میں شمار نہ ہو۔

شاید اس میں یہ نکتہ ہے کہ انسان اپنے اہل و عیال کے لئے تو ریا نہیں کر سکتا (الّا یہ کہ پہلے درجے کا احمق ہو)۔ آپ نے اسے درمیانہ آواز سے تلاوت کرنے کے لئے اس غرض سے ارشاد فرمایا کہ اس کے اہل و عیال بھی سن سکیں اور گھر سے باہر بھی اس کی آواز نہ جائے کہ ریا سمجھی جائے۔

یہ عجیب بات ہے کہ تا وقتیکہ انسان اخلاص کے قلعہ میں پناہ نہ لے شر شیطان سے محفوظ نہیں ہو سکتا اور شیطان کی زد میں رہتا ہے۔ یہ وہ مقام ہے جہاں انسان صمیم دل سے دعا کرتا ہے۔ "امّن یجیب المضطر اذا دعاہ ویکشف السوء" (اے وہ ذات اقدس جو مصیبت کے ماروں کی فریاد سنتی ہے اور ان سے مصیبت کو رفع فرماتی ہے۔) ——— "اے اللہ مشکل بہت بڑی ہے اور ہم اتنے غافل اور بے پرواہ ہیں۔ تیری نظر کرم ہی اس صورت حال کی اصلاح فرما سکتی ہے۔ ہم اتنے فریب خوردہ ہیں کہ عدم اخلاص کا شکار ہونے کے باوجود خود کو اللہ تعالےٰ کے مخلص بندگان میں شمار کرتے ہیں۔ ایک دفعہ حجاب اٹھ جائے اور موت کا منظر اور بعد الموت کی منزلیں، عالم برزخ وغیرہ سامنے آجائے تو معلوم ہو کہ ہم کیسی مہلک غلط فہمی میں مبتلا تھے کہ اپنے آپ کو سلمانِ ثانی سمجھے بیٹھے تھے۔

ساری عمر اس خوش فہمی میں رہے کہ ہم کربلائے معلّٰی اور مشہد مقدس کے زوّار میں سے ہیں لیکن یہ کیا زوّاری تھی کہ زیارت کی زیارت اور سیاحت کی سیاحت! دل اداس ہوا اور دنیا کے کاموں سے تھک گئے تو چلو تفریح کی خاطر زیارت ہی سہی۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ زیارت ایک بڑی سعادت ہے جسے ترک نہیں کرنا چاہیئے۔ لیکن ہمارا مطلب یہ ہے کہ اس کی تحریک اخلاص نیت کی طرف سے ہونی چاہیئے۔ روزمرہ کا مشاہدہ ہے کہ ایک شخص حج کو اسلئے جاتا ہے کہ نہ گیا

تو لوگ طعنے دیں گے یا اس مقصد سے جاتا ہے کہ نام کے ساتھ حاجی کا اضافہ ہو جائے اور اس لقب سے اسے دنیاوی فائدہ حاصل ہو یا سفرِ حج میں تجارت کر سکے اور ایسی سوغاتیں لائے جن کی فروخت سے حج میں خرچ کی ہوئی رقم سے کئی گنا وصول ہو جائے۔ مختصر یہ کہ نیت خالص کا وجود نہیں ہے۔ مراتب اخلاص پر ایک نگاہ ڈالنے سے معلوم ہوگا کہ اخلاص کا مقام کتنا بلند ہے اور مخلصین کی تعداد کتنی کم ہے۔

بلند ترین مراتبِ اخلاص

شہدائے کربلا کو بلاوجہ ساداتِ شہدا نہیں کہا جاتا۔ ان میں دنیاوی رتبے کے لحاظ سے کمترین شہید ایک حبشی غلام ہے۔ عرض کرتا ہے مولا میں حسب و نسب کے لحاظ سے پست اور ذلیل انسان ہوں۔ رنگ میرا سیاہ ہے، بو میرے جسم کی ناگوار ہے۔ یہ صحیح ہے کہ میں آپ پر قربان ہونے کے ہرگز قابل نہیں ہوں لیکن آپ مجھ پر احسان فرمائیے اور مجھے اپنا فدیہ قرار دیجئے۔ امامؑ اُسے اجازت نہیں دیتے وہ روتا ہے اور عرض کرتا ہے۔ مولا میں خوش حالی میں آپ کے دستر خوان کا ریزہ چین رہا، اس سختی کے عالم میں آپ کو کیسے چھوڑ دوں۔ قصہ مختصر کہ اتنی عاجزی سے اصرار کرتا ہے کہ امام مظلومؑ کو اجازت دینا ہی پڑتی ہے۔ اور وہ شہادت کی سعادت سے مشرف ہوتا ہے۔ اس سے بہتر اور خالص تر عمل اور کیا ہوگا۔
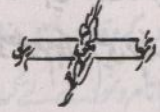
مجلس ۲۷

بسمِ اللّٰہ الرّحمٰنِ الرّحیم   قَالَ فَبِعِزَّتِكَ لَاُغْوِيَنَّهُمْ اَجْمَعِيْنَ اِلَّا عِبَادَكَ مِنْهُمُ الْمُخْلَصِيْنَ (ص: ۸۵)

خلوص اور عملِ خالص

خالص وہ چیز ہوتی ہے جو کھری اور بے کھوٹ ہو اور اس میں اس کے غیر کی آمیزش نہ ہو مثلاً خالص سونا جو صرف سونا ہوتا ہے اور سونے کے علاوہ کچھ نہیں ہوتا۔ نہ اس میں تانبے کی اور نہ ہی کسی اور چیز کی ملاوٹ ہوتی ہے۔ یا مثلاً خالص دودھ جس کا وصف قرآن مجید میں یوں فرمایا گیا ہے: " نسقیکم مما فی بطونہ من بین فرث و دم لبنًا خالصًا سائغًا للشاربین ـــــ النحل: ۶۶ ـــــ (حلال چوپاؤں کے شکموں میں گوبر اور خون کے ماحول میں سے گزار کر صاف اور خالص، لذیذ و خوشگوار دودھ پلاتے ہیں) یعنی باوجود اس کے کہ وہ خون اور فضلات شکم میں گھرا ہوا ہے پھر بھی نہ فضلات کی بُو سے متاثر ہے نہ ان کی گندگی سے مکدر ہے اور نہ خون ہی کے رنگ سے متغیر ہے۔

اسی طرح عمل بھی کدورتہائے نفسانی سے غیر متاثر ہونا چاہئے اور خالصتاً اللہ تعالےٰ کے لئے ہونا چاہئے لہٰذا اللہ تعالےٰ کے تقرّب کے ساتھ کسی دنیاوی طلب کی شرکت جائز نہیں۔ ہم یہ کہہ چکے ہیں کہ یہ ایک روحانی امر ہے جو زبان سے ادا کرنے یا دل میں لانے پر منحصر نہیں۔

دنیاوی آبرو بھی اسی کے ہاتھ میں ہے

عمل کے محرک کو دریافت کرنا ضروری ہے کہ کیا تقربِ خالق اس کا محرک ہے یا تقربِ مخلوق ـــــ مثلاً اگر آپ منبر پر موعظت کیلئے جا رہے ہیں تو کیا اللہ کے تقرب کے لئے جا رہے ہیں یا حصول مال و جاہ کے لئے یا دونوں یا تینوں کے لئے۔ یقین کیجئے کہ ان کا یکجا ہونا ممکن نہیں۔ کیونکہ کوئی کام یا اللہ کے لئے ہے یا غیر اللہ کے لئے۔ یہ نا ممکن ہے کہ اللہ کے لئے بھی ہو اور غیر اللہ کے لئے بھی۔ اور اگر پورے خلوصِ نیت کے ساتھ صرف اُسی کے لئے انجام نہ دیا جائے اور اس میں اس

کے غیر کی بھی شرکت ہو تو نہ صرف یہ کہ اس کے حضور قبول نہیں ہوتا بلکہ دنیاوی مقصد بھی اس سے پورا نہیں ہوتا کیونکہ تمام انسانوں کے دل اللہ تعالےٰ کے ہاتھ میں ہیں۔ اگر وہ چاہے تو دنیاوی عزت بھی حاصل ہو سکتی ہے اور اگر اس کی مشیت میں نہ ہو تو سوائے ذلت کے کچھ ہاتھ نہیں آتا۔

مالک دینار کا قصہ

ابتدائے عمر میں مالک دینار کا پیشہ صرافی تھا اور گذر اوقات بھی ان کی اچھی تھی۔ مال میں زیادتی کے لالچ میں انہیں شام کی جامع مسجد اموی کی تولیت کی خواہش ہوئی۔ ظاہر ہے کہ اس تولیت کے حصول سے بڑی بڑی رقوم ان کے ہاتھ لگتیں لیکن متولی بننے کیلئے ازحد خلق یعنی سب سے زیادہ زاہد اور پرہیزگار ہونا شرط ہے۔ انہوں نے تولیت کی ہوس میں اپنی ساری جائداد غرباء میں تقسیم کر دی اور مسجد میں گوشہ نشین ہو گئے اور جب دیکھتے کہ کوئی شخص مسجد میں داخل ہوا ہے فوراً نماز کے لئے کھڑے ہو جاتے اور خود پر خشوع و خضوع کی حالت طاری کر لیتے۔

تعجب کی بات یہ تھی کہ ان کے پاس سے ہر گزرنے والا ان سے پوچھتا کہ اے مالک کیا ارادے ہیں۔ کس چکر میں ہو؟ اسی حالت میں کافی زمانہ گذر گیا۔ ایک رات وہ اس سوچ میں پڑ گئے کہ یہ میں نے کیا کیا اور مال دنیا کی حرص میں مبتلا ہو کر میں کس حالت کو پہنچ گیا۔ اپنا سارا مال و متاع ہوس کی نذر کر کے آخر مجھے کیا ملا ـــــ اب تو سب لوگ بھی میرے بھید سے واقف ہو گئے ہیں اور مجھے جینے نہیں دے رہے۔ میں نہ دین کا رہا نہ دنیا کا۔ اب تو خسر الدنیا و الاخرۃ میرا مقدر ہو چکا ہے۔۔۔۔

اس رات انہوں نے ٹوٹے ہوئے دل کے ساتھ سچی نیت سے استغفار کیا۔ نمائشی عبادت سے توبہ کی اور صبح تک اللہ تعالےٰ سے گڑگڑا کر اپنے گناہوں کی معافی مانگتے رہے۔ دوسرے دن وہ یہ دیکھ کر حیران ہوئے کہ مسجد میں آنے والا ہر شخص ان سے احترام سے پیش آتا اور ان سے التماس دعا کرتا ہے اور سارے لوگ ان سے اظہار عقیدت و ارادت کرتے ہیں۔ رفتہ رفتہ سارے شام میں مشہور ہو گیا کہ مالک دینار ازحد خلق ہیں۔ اب لوگ ان کے پاس آئے اور انہیں مسجد اموی کے اوقاف کی تولیت انہوں نے پیش کی۔ لیکن انہوں نے جواب دیا نہ بابا بڑی مشکل سے اللہ تعالیٰ کی کچھ رضا مجھے حاصل ہوئی ہے، میرے حالات اب خوب سدھر گئے ہیں، مجھے اب کسی چیز کی احتیاج نہیں رہی۔

وہ بدبخت انسان جو خلوص سے محروم ہو واقعی خسر الدّنیا و الآخرۃ سے دوچار ہوتا ہے۔

بے فائدہ عبادت

ہم کہہ چکے ہیں کہ عبادت کی قبولیت خلوص سے مشروط ہے اور وہ عبادت جو خلوص سے عاری ہو قطعاً بیکار ہے۔ پست ترین اور بدترین عبادت وہ ہے جس کے ذریعے انسان خالق اور مخلوق دونوں کا تقرب چاہے۔ اسی میں وہ مبطل ایمان اعمالِ شرک و ریا بھی شامل ہیں جو گناہانِ کبیرہ میں شمار ہوتے ہیں۔ اس سے بھی نچلے درجے کی عبادت وہ ہے جو حظِ نفس کے لئے بھی نہ ہو۔

کبھی انسان کی نیت میں اس کی طبیعت کا میلان کارفرما ہوتا ہے مثلاً جمعہ کا دن ہو اور موسم گرم ہو تو اس کے دل میں آئے کہ چل کر سوئمنگ پول (حوض) میں نہاؤں، جسم بھی ٹھنڈا ہو جائے گا اور غسل جمعہ بھی ہو جائے گا۔ اب کون جانے کہ حقیقت میں وہ اپنا جسم ٹھنڈا کرنا چاہتا ہے یا غسل جمعہ بجالانا چاہتا ہے۔ یا مثلاً ہوا سرد ہے اور وہ گرم ہونا چاہ رہا ہے، اس کے دل میں آتی ہے کہ حمام چلوں بدن میں گرمی بھی آجائے گی اور غسل جمعہ بھی ہو جائے گا۔ یہ عمل اخلاص سے عاری ہے۔ اگر آپ چاہتے ہیں کہ آپ کا عمل مکمل طور پر مخلصانہ ہو تو آپ کی نیت میں ذرا سا بھی شائبہ حظِ نفس کا نہیں ہونا چاہئے۔

علاوہ ازیں کسی عمل کا ضمیمہ اگرچہ مباح ہے لیکن اس کا دائمی طور پر ضمنی صورت اختیار کر جانا بھی نفسِ عمل کو باطل کر دیتا ہے۔ اخلاص سے ہمارا مقصود یہ ہے کہ عمل کے ساتھ اس کا کوئی ذیلی یا ضمنی لاحقہ بھی موجود نہ ہو۔ مثلاً اگر کوئی شخص حقیقت میں تو غسلِ جمعہ ہی کرنا چاہتا ہے لیکن ضمناً ٹھنڈا یا گرم بھی ہونا چاہتا ہے تو یہ غسل صحیح تو ہو گا لیکن اخلاص سے خالی ہو گا اور اگر غسل جمعہ کی نیت اور ٹھنڈا یا گرم ہونے کی خواہش دونوں مساوی طور پر اس طرح غسل کے محرک ہوں کہ ان میں ایک اکیلا اسے غسل پر آمادہ کرنے پر قادر نہ ہو تو وہ غسل ہی باطل ہے۔

تحسین و آفرینِ خلق

بڑا نازک مقام ہے۔ اللہ تعالےٰ سے پناہ طلب کرنی چاہئے۔ بعض اوقات انسان کو محسوس تک نہیں ہوتا اور دنیا کے ایک نعرۂ تحسین پر وہ اللہ تعالےٰ کو نظر انداز کر کے اپنی عاقبت خراب کر بیٹھتا ہے۔ اللہ تعالےٰ کے ساتھ بقائے دوام کا معاملہ تو کرتا نہیں لیکن دنیا کی ایک عارضی "واہ وا" پر اپنی عاقبت کا سودا کر لیتا ہے اور پھر اسی کا ہو جاتا ہے۔

اس سے بھی بدتر یہ ہے کہ اپنی موت کے بعد صرف دعائے مغفرت پر قناعت و اکتفا نہیں کرتا بلکہ ایسے کام کرتا ہے کہ دنیا موت کے بعد بھی اُسے یاد رکھے اور اس کی تعریف کرے۔ وہم و خیال میں ایسا جکڑا ہوا ہے اور حُبِ جاہ اس کا اتنا بڑھا ہوا ہے کہ سمجھتا ہے کہ موت کے بعد بھی جب وہ اس دنیا میں موجود نہ ہوگا تو اپنے کارہائے نمایاں کی وجہ سے اس دنیا کی تعریف و توصیف سے محظوظ و مستفید ہوگا۔ بیچارہ موت کے بعد بھی جاہ مقام کا بھوکا ہے۔

موت کے بعد کی نیک نامی البتہ مفید ہے بشرطیکہ اپنے اعمال سے انسان کا مقصد دنیاوی نیک نامی نہیں بلکہ محض اللہ تعالےٰ کی رضا کا حصول ہو۔ یہ نیک نامی اچھی ہے بشرطیکہ آپ خود بھی نیک رہے ہوں ورنہ اگر آپ کا نفس خراب اور نیت آپ کی فاسد ہوئی تو دنیا چاہے آپ کی کتنی ہی تعریف کرے آپکو اس سے کچھ نہیں ملیگا۔

کیا مدح مفید ہے؟

اگر کوئی شخص دنیا میں غلط کردار کا مالک ہو اور کسی مغالطے کے بنا پر لوگ اس کی تعریف و مدح کریں اور اس کے معتقد ہوں تو کیا یہ تعریفیں اس کے لئے سوئی کی نوک برابر کوئی فائدہ رکھتی ہیں یا اتنی ہی تخفیف اس کے عذاب میں کر سکتی ہیں۔؟

دنیا کی نیکنامی اس شخص کے لئے جو برزخ میں ہو کیا فائدہ رکھتی ہے جو شخص عالم ملکوت میں ہو اسے عالم ملک یعنی عالم محسوسات طبیعی سے کیا واسطہ؟ دونوں جگہوں کی اوضاع آپس میں مختلف ہیں۔ اگر کوئی یہاں سے ایمان کی سلامتی کے ساتھ رخصت ہوا ہے اور اپنی زندگی میں نیکوکار اور با اخلاص رہا ہے تو اس کے اعمال اللہ تعالےٰ کے لئے تھے نہ کہ دنیاوی نیک نامی کے لئے۔ موت کے بعد مسلمانوں کو آپ کے لئے دعائے مغفرت کرنی چاہئے نہ کہ آپ کی تعریفوں کے گیت الاپنے چاہئیں۔ اپنی نیکوکاری اور اخلاص کے لئے انسان یقیناً نیک اجر پائے گا لیکن بصورت دیگر خواہ اس کی قبر پر چراغاں ہوتی رہے یا خاک اڑتی رہے اُسے کیا فرق پڑتا ہے؟

احمد بن طولون و قاری قرآن

اگر کوئی اس دنیا سے باایمان رخصت ہوا ہے اور قرآن مجید پر اس کا ایمان کامل رہا ہے تو بعد مرگ اس کی قبر پر قرآن خوانی کا اسے فائدہ پہنچ سکتا ہے ورنہ احمد بن طولون کا قصہ آپ نے سنا ہوگا جسے علامہ دمیری نے حیوٰۃ الحیوان میں لکھا ہے۔ وہ شخص مصر کا بادشاہ تھا۔

جب اس کی وفات ہوئی تو حکومت مصر کی طرف سے ایک قاری کو اس کی قبر پر تلاوت کے لئے مامور کیا گیا اور اس کی معقول تنخواہ مقرر کر دی گئی۔ وہ ہر وقت اس کی قبر پر تلاوت میں مصروف رہتا ——

ایک دن خبر ملی کہ قاری کہیں غائب ہو گیا ہے۔ کافی تلاش کے بعد سپاہیوں نے اسے ڈھونڈ نکالا اور اس سے اچانک فرار کا سبب پوچھا۔ جواب کی جرآت اسے نہیں ہوتی تھی بس استعفا۔ کا مطالبہ کئے جاتا تھا ارباب حکومت نے اس سے کہا اگر تنخواہ کم سمجھتے ہو تو جتنا کہو ہم اس میں اضافہ کئے دیتے ہیں۔ اس نے کہا کتنے ہی گنا بڑھا دو مجھے منظور نہیں۔ انہوں نے حیران ہو کر کہا جب تک حقیقت بیان نہیں کرے گا ہم تجھے نہیں چھوڑیں گے ——

کہنے لگا چند روز قبل صاحب قبر مجھ سے معترض ہوا اس نے میرا گریبان پکڑ لیا اور کہنے لگا میری قبر پر قرآنی خوانی کیوں کرتا ہے۔ میں نے کہا مجھے اس پر مامور کیا گیا ہے تاکہ تمہاری روح کو ثواب پہنچے۔ اس نے کہا مجھے اس سے فائدہ تو کوئی نہیں پہنچا البتہ تمہاری تلاوت کردہ ہر آیت میرے عذاب کی آگ کو مزید بھڑکا دیتی ہے اور مجھ سے کہا جاتا ہے اب سُن رہا ہے؟ دنیاوی زندگی میں اسے کیوں نہیں سُنا اور کیوں اس پر عمل پیرا نہیں ہوا۔ لہٰذا مجھے معاف کریں میں اس خدمت سے باز آیا۔

بارگاہ خداوندی میں سچائی اور اخلاص کے سوا کوئی چیز فائدہ نہیں پہنچاتی۔ آپ زبان سے لاکھ "قربۃ الی اللہ" کا ورد کریں لیکن اگر آپ کی نیت میں خلوص موجود ہے تو فبہا ورنہ صرف الفاظ بول دینا قطعاً مفید نہیں۔

غرضیکہ نفس انسانی عام طور پر یا تو دنیا والوں کے درمیان عزت حاصل کرنے کے لئے اور یا حظ نفس کی خاطر نیک کام انجام دیتا ہے اور سمجھتا ہے کہ بڑا پارسا اور پرہیزگار ہوں۔ لیکن روز قیامت جب اپنا سیاہ نامہ دیکھے گا تو پتہ چلیگا کہ سب کچھ ریاکاری یا اغراض نفسانی کی وجہ سے تھا۔

اگر عمل اخلاص کے ساتھ انجام دیا جائے تو اس کا ایک ذرہ بھی انسان کے درجات میں بلندی کا سبب بن سکتا ہے اور اس کی نجات کا باعث ہو سکتا ہے۔ انسان دو رکعت نماز سے بھی بہشتی بن سکتا ہے۔ بشرطیکہ پورے اخلاص اور حضور قلب سے پڑھی ہو۔ ورنہ ساری عمر کی بے حضور نمائشی نمازوں سے کچھ حاصل نہیں۔

سیدابن طاووسؒ فرماتے ہیں کہ وہ عبادت بھی جو دوزخ کے ڈر سے یا بہشت کے طمع میں کی جائے حظ نفس میں شمار ہے۔ وہ عمل جو خلوص سے تہی ہو اور صرف حظ نفس کے لئے کیا جائے البتہ شرعاً صحیح ہوگا اور دوسرے اعمال سے بہتر ہوگا لیکن درجاتِ عالیہ کی نسبت سے جیسا کہ حضرت امیرالمومنینؑ نے فرمایا ہے کہ "الٰہی لم اعبدک خوفاً من نارک ولا طمعاً لجنتک ولکن وجدتک اھلا للعبادۃ" (میں تری عبادت دوزخ کے ڈر یا جنت کے لالچ سے نہیں کرتا بلکہ صرف اسلئے کہ تو واقعی عبادت کے لائق ہے) وہ عمل بہت کم درجے کا ہوگا۔

عالم کی عبادت

آپ نے سنا ہوگا کہ عالم کی دو رکعت نماز جاہل کی یک سالہ عبادت سے بہتر ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ عالم انسان حقائق کو جانتا اور ان کا ادراک رکھتا ہے۔ اور حظ نفس کی سب صورتوں کو سمجھتا ہے لیکن جاہل نہیں جانتا کہ اس کے کسی عمل کا کیا مقصد ہے۔ وہ عموماً یا تو خود اپنی عبادت کرتا ہے یا کسی دوسرے کی لیکن سمجھتا ہے کہ خدا کی عبادت کر رہا ہے۔

اسی طرح آپ نے یہ بھی سنا ہے کہ عالمِ امام کے پیچھے نماز جماعت ادا کرنے کا ثواب عام نماز کے ثواب سے ہزار گنا ہوتا ہے۔ کیونکہ وہ آفاتِ نفس کا دانا ہوتا ہے اور اخلاص سے کبھی جدا نہیں ہوتا جو دین کی اصل حقیقت ہے۔

باپ بیٹا

سفر کربلا کے دوران ایک منزل پر جناب امام حسینؑ کو اونگھ آگئی اس کے بعد آپ نے اپنے رفقاء سے فرمایا میں نے ایک منادی کو سنا جو فضائے آسمانی میں باآواز بلند کہہ رہا تھا کہ یہ جماعت جا رہی ہے اور موت ان کے ہمراہ چل رہی ہے۔ علی اکبرؑ نے پوچھا باباجان کیا ہم حق پر نہیں ہیں اور کیا ہماری موت اس کی راہ میں نہیں ہوگی۔ آپؑ نے جواب دیا۔ ہاں۔ تو علی اکبرؑ نے عرض کیا۔ "اذاً لانبالی بالموت" (پھر موت کی ہمیں کوئی پروا نہیں) کیونکہ اس سے بڑی سعادت اور کیا ہے کہ حق کے لئے حق کی راہ میں شہید ہوں۔ —— یہ الفاظ ایک عبد مخلص کی دلی کیفیت کے آئینہ دار ہیں — "انما جعل الکلام علی الفواد دلیلا" (اللہ تعالٰے نے الفاظ کو دل کا ترجمان بنایا ہے) —— یہ اخلاص کا بلند ترین مقام ہے اور یہاں مقصود صرف ذات خدا ہے۔ نہ یہاں حظِ نفس کا کوئی خفیف ترین شائبہ موجود ہے اور نہ نام و نمود یا جاہ و مقام کی ذرہ بھر کوئی خواہش کارفرما ہے کیونکہ انہیں اچھی طرح معلوم ہے کہ شہادت مقدر ہو چکی ہے ❊ ❊ ❊

مجلس ۲۸

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم قال فبعزتک لاغوینھم اجمعین الّا عبادک منھم المخلصین (ص: ۸۵)

امید جنت و خوف دوزخ

عمل واجب ہو یا مستحب بہرحال اخلاص کے ساتھ ہونا چاہئے کیونکہ اس کی قدر و قیمت اخلاص ہی سے ہے اور اخلاص کے بغیر کوئی بھی عمل قابل قبول نہیں۔

اخلاص کا ادنیٰ درجہ یہ ہے کہ انسان کے عمل کا محرک دکھاوا یا نمائش کا جذبہ نہ ہو بلکہ خوف عذاب یا طلب ثواب ہو۔ مثلاً جب وہ نماز فجر کے لئے اٹھے اور وضو کرے تو اس کا محرک یہ اندیشہ ہو کہ نماز واجب ہے اگر نہ پڑھی تو ترکِ صلوٰۃ کا مجرم ہو کر کافر بنوں گا اور اس کی سزا میں پندرہ قسم کے عذاب ہائے خداوندی کا نشانہ بنوں گا۔ یا مثلاً جب وہ روزہ رکھے تو اس کے فاقہ برداشت کرنے اور چودہ گھنٹے کے لئے خود کو روزہ شکن امور اور دیگر خواہشات نفسانی سے باز رکھنے کا محرک ثواب کا وہ وعدہ ہو جو روزہ دار کو دیا گیا ہے۔

یہ ادنیٰ یا پہلا درجہ اخلاص کا ہے جس میں انسان کا عمل صحیح شمار ہوتا ہے، جس عذاب سے وہ ڈرتا ہے اللہ تعالےٰ اُسے اس سے امان میں رکھتا ہے اور جس ثواب کا وہ امیدوار ہوتا ہے اللہ تعالےٰ اپنے فضل و کرم سے اسے اس سے نوازتا ہے۔

لیکن اگر انسان کے عمل کا محرک محض دنیا والوں کی نظروں میں برتری کا شوق یا فضیحت کا خوف ہو، مثلاً حج کو جانے سے اس کا مقصد طلب ثواب نہ ہو بلکہ اصل محرک دنیا کی نظروں میں برتری کی خواہش ہو یا یہ اندیشہ ہو کہ اگر حج نہ کیا تو دنیا والے بخیل یا کنجوس کہیں گے —— تو اس کا عمل باطل اور حرام ہے۔

یہ بڑا مشکل مقام ہے۔ بعض اوقات انسان اپنی ذات میں الجھ جاتا ہے اور اپنا آپ اس کی نظروں میں مشکوک ہو جاتا ہے۔ مثلاً وہ افعال بد سے بیزاری اور نفرت کا اظہار کرتا ہے یا امر بالمعروف کرتا ہے اور سمجھتا ہے کہ اس نے اللہ تعالےٰ کی طرف سے عائد کردہ ایک ضروری اور واجب عمل انجام دیا ہو لیکن اصل محرک اس کے اس عمل کا

محض دکھاوا اور دوسروں کو یہ باور کرانا ہوتا ہے کہ اس کے دل میں دین کا بڑا درد ہے اور ہر چند کہ یہ عمل بظاہر اچھا ہے لیکن اس کے گناہان کبیرہ میں شمار ہوتا ہے۔

تیس سالہ عبادت کا اعادہ

یہ ایک عبادت گذار کا قصہ ہے جس میں خوب غور کرنا چاہیئے کہ مبادا ہمارا بھی وہی انجام نہ ہو۔

ایک صاحب تقویٰ شخص نماز باجماعت ادا کرنے کی غرض سے ہمیشہ سب سے پہلے مسجد میں پہنچتا سب سے اگلی صف میں کھڑا ہوتا اور سب سے آخر میں مسجد سے نکلتا تھا۔ پورے تیس سال اس کا یہ رویہ رہا اور ایک وقت کا بھی اس میں ناغہ واقع نہ ہوا۔ ایک دن اُسے کوئی بہت ہی ضروری کام پیش آ گیا جس کی وجہ سے اسے دیر ہو گئی اور وہ مسجد میں اپنے وقت پر نہ پہنچ سکا۔ جب آیا تو نماز شروع ہو چکی تھی لہٰذا ناچار اُسے آخری صف میں کھڑا ہونا پڑا۔ نماز سے فراغت کے بعد لوگ مسجد سے رخصت ہوتے وقت اسے تعجب سے دیکھتے تھے۔ اسے بہت دکھ ہوا کہ نمازیوں نے اسے آخری صف میں کیوں دیکھا اور وہ شرم سے پانی پانی ہو گیا۔

پھر اسے خیال آیا کہ شرمندہ ہونے کی کیا بات ہے اور اپنے آپ سے مخاطب ہو کر کہنے لگا اے بدبخت یہ جو تیس سال تو صفِ اول میں کھڑا ہوتا رہا معلوم ہوتا ہے کہ ثواب کیلئے نہ تھا بلکہ صرف دنیا کے سامنے نمائش کے ارادے سے تھا ورنہ اگر خدا کے لئے تھا تو آج اسے منظور نہ رہا ہوگا کہ تو صف اوّل میں کھڑا ہو۔ اس کی مشیّت پر ناراض ہونے کی جرأت تجھے کیسے ہوتی.....؟

آخرکار وہ تائب ہوا اور تیس سالوں کی نمازیں اس نے قضا کیں۔

امراض نفسانی کا علاج کیجئے

یہ داستان ہم سب کے لئے باعث عبرت ہونی چاہیئے۔ ہم یہ نہیں کہتے کہ نماز کے لئے مسجد میں صف اول میں کھڑے نہ ہوں۔ ضرور کھڑے ہوں لیکن فضیلت اور ثواب کے حصول کے لئے نہ کہ دنیا کے دکھاوے کے لئے اگر کسی دن پہلی صف میں جگہ نہ ملی اور آپ کو دوسری، تیسری یا آخری صف میں کھڑا ہونا پڑا تو اس میں توہین کی کوئی بات نہیں۔ یہ نہ کہیں کہ میں عالم ہوں مجھے ضرور ہی صف اول میں جگہ ملنی چاہیئے، پچھلی صفیں میرے شایانِ شان نہیں بلکہ آپ کو پچھلی صفوف

میں کسی بچے یا کسی جاہل کے ساتھ بھی کھڑا ہونا پڑے تو آپ کو تردد لاحق نہیں ہونا چاہیئے۔

یہ نفسانی امراض ہیں جو انسان کو ہلاک کر دیتے ہیں۔ امام جماعت کا بھی فرض ہے کہ مقتدیوں کی تعداد کو اہمیت نہ دے ورنہ گناہ گار ہوگا۔ مقتدی خواہ ایک ہو یا دس ہزار ہوں اس کے لئے برابر ہونا چاہیئے۔

ریا۔ اور ذیلی محرکات سے توبہ

لہٰذا یہ ضروری ہے کہ انسان کے عمل کا ادنیٰ محرک خوف عذاب یا امید ثواب ہو اس سے بہتر اور مکمل تر صورت یہ ہے کہ محرک خود ذات خداوندی ہو۔ اس کے سوا جو کچھ بھی ہے ریاء ہے اور باطل و حرام ہے اور اگر وہ عمل واجب تھا تو اس کا اعادہ اور قضاء ضروری ہے اور توبہ تو ہر حال میں لازم ہے خواہ وہ عمل واجب ہو یا مستحب۔

اسی طرح ذیلی محرکات بھی ریاء ہی کے حکم میں داخل ہیں۔ مثلاً کوئی شخص مشہد مقدس کی زیارت کو جائے لیکن اس کا محرک وہاں کی آب و ہوا یا پھلوں کی فراوانی یا سیاحت ہو کہ زیارت ثانوی حیثیت اختیار کر جائے۔

کشتہ راہ خر

پس اگر انسان سے کوئی نیک عمل سرزد ہو تو غرور و فریب میں نہ آجائے کہ میں نے خدا کی راہ میں یہ کام کیا بلکہ اُسے چاہیئے کہ اس کام کے محرک کی تعیین کرے کیونکہ حقیقی ہدف اس کا وہی چیز ہے جس نے اسے عمل پر اکسایا اور اس کو خدا کی راہ میں قرار دینا صرف اس صورت میں ممکن و معقول ہے کہ آپ نے پورے عزم، سچی نیت اور دلی ارادہ سے محض اللہ تعالےٰ کی رضا جوئی کے لئے اسے انجام دیا ہو۔

روایت ہے کہ عہد رسالت ؐ میں ایک محاذ جہاد پر ایک کافر ایک خوبصورت سفید خچر پر سوار جنگ میں مصروف تھا، ایک مسلمان کی نظر جو اس سفید راہوار پر پڑی تو اس پر لٹو ہو گیا اور دل میں کہنے لگا اس کافر کو قتل کر کے اس کے خچر کو حاصل کرنا چاہیئے۔ اس نیت سے وہ آگے بڑھا لیکن پیشتر اس کے کہ وہ اس کافر پر حملہ آور ہو، اس کافر نے سبقت کی اور اُسے قتل کر دیا۔ صحابہ میں وہ مسلمان "قتیل الحمار" (کشتہ راہ خر) مشہور ہو گیا۔

ملاحظہ کیا آپ نے کہ اس نے کس نیت سے حرکت کی اور اس سے اِسے کیا حاصل ہوا۔ اس بازار میں صرف حق و حقیقت کا لین دین ہوتا ہے۔ ظاہرداری جیسے کھوٹے مال کی یہاں کوئی پرسش نہیں۔ پس وائے ہو اس بدبخت انسان پر جو اپنے نفس کی غلامی میں جان دے کر "خسر الدنیا والاخرۃ" حاصل کرے اگر کوئی شخص اپنے نفس کی

غلامی میں جان دے کر "خسر الدنیا والآخرۃ" حاصل کرے۔ اگر کوئی شخص اپنے نفس کی خاطر سرگرم عمل ہو تو ہوسکتا ہے کہ اللہ تعالےٰ کی حکمت و مشیت سے بعض اوقات اپنے مقصد کو پا بھی لے۔ لیکن اس کا یقینی حصول صرف اس صورت میں ممکن ہے کہ عمل کو پورے اخلاص نیت سے صرف اللہ تعالےٰ کی خاطر انجام دیا جائے۔ اس طرح سے نہ صرف یہ کہ حصول مقصد میں کامیابی حتمی ہوگی بلکہ اس کے فضل و کرم سے توقعات سے بڑھ چڑھ کر نتائج حاصل ہوں گے جیسا کہ اللہ تعالےٰ کا فرمان ہے کہ "من کان یرید حرث الآخرۃ نزد لہ فی حرثہ ومن کان یرید حرث الدنیا نؤتہ منھا ومالہ فی الآخرۃ من نصیب۔" ۴۲ : ۲۰ (جو شخص اجر آخرت کا طلبگار ہو کر عمل صالح کرے اس کے اجر میں ہم اضافہ فرماتے ہیں لیکن جو شخص اپنے عمل کا صلہ اسی دنیا میں چاہے تو ہم اسے یہاں بھی دیتے ہیں اس صورت میں اجر آخرت سے وہ بے نصیب رہے گا۔)

ضمنی محرکات مبطل عمل نہیں

اس مقام پر یہ یاد دہانی ضروری ہے کہ ضمنی محرکات مبطل عمل نہیں ہیں مثلاً ایک شخص حصول ثواب کی نیت سے حضرت امام رضاؑ کی زیارت کے لئے مشہد مقدس جاتا ہے کیونکہ امامؑ کا وعدہ ہے کہ وہ میزان، صراط اور نامۂ اعمال کی تقسیم کے وقت اپنے محبین کی مدد کو پہنچنگے اسی وعدے کے شوق میں وہ جاتا ہے کہ امامؑ کی شفاعت سے اللہ تعالےٰ اُسے حج وغیرہ کا ثواب عطا فرمائے گا۔ ضمناً وہ یہ سوچتا ہے کہ ذرا ایک ہفتہ ٹھہر جاؤں تاکہ مشہد کی خوبانی خوب پک جائے یا خربوزہ وہاں کا میٹھا ہو لے تو اس میں کوئی حرج نہیں کیونکہ اسے مشہد کی خوبانی یا خربوزے نے سفر مشہد پر آمادہ نہیں کیا بلکہ حقیقی محرک اس کے سفر کا زیارت امامؑ ہے اور خوبانی، خربوزہ یا ہوا خوری اس کے ذیلی محرکات ہیں۔

خانہ کعبہ تپتی سرزمین پر

نہج البلاغۃ میں حج اور اس کی حکمت کے بارے میں جناب امیرؑ نے اپنے خطبۂ جلیلہ میں فرمایا ہے کہ اللہ تعالےٰ نے خانہ کعبہ شریفہ کو تپتی سرزمین پر قرار دیا جس میں جسمانی آسائش کا سامان نہیں کیونکہ اس کے اطراف میں تپتے ہوئے پہاڑ ہیں اور زمین وہاں کی بنجر ہے۔ اگر اللہ تعالےٰ کی مشیت ہوتی تو وہ اپنے مقدس گھر کو دنیا کے خوش موسم ترین خطہ میں قرار دیتا لیکن ایسا کرنے سے لوگوں کی آزمائش نہ ہو سکتی۔

مثلاً اگر خانہ کعبہ لبنان میں ہوتا تو لوگ خوشگوار آب و ہوا اور خوبصورت باغوں اور سبزہ زاروں کے فرحت بخش مناظر سے لطف اندوز ہونے کے لئے وہاں جاتے اور اس طرح تقرب خداوندی سے محروم رہتے کیونکہ یہ اللہ تعالےٰ کی عبادت سے زیادہ حظ نفس ہوتا اور اس کا محرک اخلاص عبادت نہ ہوتا۔

کچھ نہیں کہا جا سکتا کہ حالیہ سالوں میں عربستان میں نعمت کی جو فراوانی واقع ہوئی ہے اور سفر کی آسانی اور وسائل کی کثرت جو بہترین طریقے سے صورت پذیر ہوئی ہے آیا اس نے لوگوں کی نیتوں پر بھی کچھ اثر کیا ہے یا نہیں اور وہاں کا سفر بھی تجارت اور تفریح وغیرہ کا ذریعہ بنا ہے یا نہیں۔ خدا نہ کرے کہ ایسی عظیم عبادت کا محرک حظ نفس ہوسکے۔

زاد سفر

کسی کو ہماری باتوں سے بدگمانی نہیں ہونی چاہئے۔ ہم یہ نہیں کہتے کہ مکہ معظمہ جا کر اچھی غذا نہ کھائیں، زادِ سفر سے غفلت برتیں اور کوئی تحفہ وغیرہ نہ خریدیں بلکہ بہتر سے بہتر زاد سفر کی فراہمی ایک مستحب فعل ہے اور اسی طرح سے گھر کی طرف لوٹنے والا مسافر تحفہ یا سوغات بھی لاتا ہے، اس میں بھی کوئی قباحت نہیں۔ ہمارا مقصد صرف یہ ہے کہ سفر حج کے لئے صرف یہی امور آپ کے محرک نہیں ہونے چاہئیں۔ بلکہ آپ کو حج کا شوق دلانے والی چیز کم از کم یا خوف عذاب یا طلب ثواب ہو کیونکہ ہم کہہ چکے ہیں کہ جو شخص خوف عذاب سے یا طلب ثواب کے لئے کوئی نیک عمل بجا لاتا ہے تو اللہ تعالےٰ اسے مایوس نہیں فرماتا۔ لیکن اگر نیت ہی خالص نہیں تو عمل بیکار ہے۔

معانی الاخبار میں روایت ہے کہ حضرت امیر المومنین علیؑ اپنے ایک شیعہ کے سرہانے تشریف لائے جو حالت نزع میں تھا۔ آپؑ نے احوال پرسی فرمائی تو اس نے جواب دیا "اخاف ذنبی وارجو رحمۃ ربی"۔ (اپنے گناہوں کی وجہ سے خوف میں مبتلا ہوں اور اللہ تعالےٰ کی رحمت کا امیدوار ہوں)۔ آپؑ نے فرمایا یہ امید و بیم جس دل میں ہو اللہ تعالےٰ اسے اس چیز سے امان میں رکھتا ہے جس سے وہ اندیشہ ناک ہو اور جس چیز کا وہ امیدوار ہو اسے عطا فرماتا ہے۔

خدا سے معاملہ

یہ معاملہ ایسا ہے جس میں نقصان کا اندیشہ نہیں، اور نہ ہی اس میں دنیاوی معاملات کی طرح "لمن نشاء" کی شرط ہوتی ہے۔ بلکہ یہاں قطعی وعدہ دیا گیا ہے اور نیک عمل کی کوشش کو سعی مشکور فرمایا گیا ہے۔ وہ ہوا و ہوس والا معاملہ ہے جو متزلزل ہوتا ہے۔ اللہ تعالےٰ کے ساتھ معاملہ قطعی اور یقینی ہے اور اس میں کسی قسم کے نقصان کا کوئی اندیشہ نہیں۔

سورۃ اسراء میں ارشاد باری ہے:

من کان یرید العاجلۃ عجلنا لہ فیھا ما نشاء لمن نرید ثم جعلنا لہ جھنم یصلٰھا مذموما مدحورا. ومن اراد الآخرۃ وسعی لھا سعیھا وھو مومن فاولئک کان سعیھم مشکورا (۱۸ - ۱۹)

(مال دنیا کے طلبگاروں میں سے جسے ہم چاہیں جلدی مال دنیا دے دیتے ہیں لیکن پھر جہنم اس کے لئے مقدر کر دیتے ہیں جس میں وہ ذلیل و مردود ہو کر جلے گا. لیکن جو شخص آخرت کا طالب ہو اور اس کے حصول کے لئے ایمان اور اخلاص سے جد و جہد کرے، ہم ایسے لوگوں کی قدر کرتے ہیں اور ان کی کوششوں کو اپنی رضاؤں سے نوازتے ہیں.) ———

مجلس ۳۹

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

قال فبعزتک لاغوینھم اجمعین الا عبادک منھم المخلصین (ص: ۸۲)

ضمنی محرکات کی وضاحت

پچھلی رات ہم نے عرض کیا کہ ضمنی محرکات کی موجودگی صحت عمل کے لئے مضر نہیں بشرطیکہ عمل کا حقیقی اور بنیادی محرک طلب ثواب یا خوف عذاب ہو آج ہم اس کے لئے مزید ایک مثال عرض کرتے ہیں:-

ایک شخص سچے دل سے قربۃ الی اللہ اس سال حج بیت اللہ کی سعادت حاصل کرنا چاہتا ہے. اس کو یہ اندیشہ بھی لاحق ہے مبادا وہ حج سے پہلے مر جائے اور اس کی موت دین یہود و نصاریٰ پر ہو. اور ضمناً یہ بھی چاہتا ہے کہ ایک جنس جو اس کے اپنے شہر میں نایاب ہے حرمین شریفین کے بازاروں سے خرید کرے یا اپنے ساتھ کوئی قالین وغیرہ لیتا جائے جس کی وہاں فروخت سے اسے فائدہ حاصل ہو تو یہ امر اس کے حج کی صحت پر اثر انداز نہیں ہو سکتا کیونکہ اس کی تحریک ضمنی اور داعیہ اس کا اضافی ہے.

اس کے مقابلے ایک اور شخص ہے جو حج کے سفر سے دنیاوی معاملہ کرنا چاہتا ہے اور اس کا مقصد مالی فائدے کا حصول ہے تو اس کا یہ سفر عبادت نہیں تجارت کے لئے ہوگا کسی دنیاوی فائدے کے لئے رخت سفر باندھنے سے عبادت کے ثواب کی امید نہیں رکھی جا سکتی. مختصر یہ کہ ہر عمل کی حقیقی تحریک کو سمجھنے کی کوشش کرنی چاہئے

معاوضہ جائز نہیں

اب جبکہ بات یہاں تک پہنچ گئی ہے، مناسب ہے عروۃ الوثقیٰ میں سیّد کا ذکر فرمودہ مسئلہ بیان کروں. پہلے عرض کیا جا چکا ہے کہ اگر عبادت خوف عذاب یا طلب ثواب سے کی جائے تو صحیح ہے بشرطیکہ کسی معاوضے کے عنوان سے نہ ہو جیسا کہ عموماً مستحب اعمال میں ہوتا ہے مختصر یہ کہ ہر وہ عمل جو کسی لین دین یا معاوضے کے لئے انجام دیا جائے، عبادت نہیں معاملہ ہے اور اس کی صحت یقینی نہیں.

مثلاً ہم سنتے ہیں کہ کسی نے نماز جناب زہراؑ ادا کی تو اس کی مشکل آسان ہوگئی. تو یہ تو مزدوری ہوگئی. عبادت تو نہ رہی اور اس سے جو کچھ حاصل ہوا ثواب نہیں بلکہ مزدوری کا معاوضہ ہے جو حاجت روائی کی شکل میں ملا۔ اس کا خیال ہے کہ اللہ تعالےٰ نے اس سے قضائے حاجت کے بدلے میں دو رکعت نماز کی خواہش یا درخواست کی ہے کیونکہ بالفاظ دیگر وہ اس کی اس ناچیز دو رکعت کا محتاج ہے۔

کس برتے پر؟ خود کو اللہ تعالےٰ کے مقابلے میں کسی چیز یا اَمر کا مالک سمجھنا سراسر جھوٹ اور خلاف واقعہ ہے۔ آپ کے پاس ہے کیا جو دینگے اور اس کے مقابلے میں اللہ تعالےٰ سے معاوضہ طلب کرینگے۔ مثلاً اسی دو رکعت نماز کو لیجئے جس کی ہم نے مثال دی ہے۔ آپ کھڑے ہوتے ہیں، جھکتے ہیں، پیشانی کو خاک پر رکھتے ہیں اور زبان سے ذکر کرتے ہیں۔ اچھا تو آپ کو پیدا کس نے کیا، آپ کے اعضاء کس نے بنائے اور کس نے انہیں تناسب و اعتدال عطا فرما کر نوک پلک سے انہیں سنوارا تاکہ آپ پوری سہولت و آسانی کے ساتھ حرکات نماز بجالاسکیں۔ اور آپ کے منہ میں لٹکتے ہوئے اس گوشت کے متحرک لوتھڑے کو کس نے گویائی عطا فرمائی۔

حق تو یہ ہے کہ آپ کے پاس صرف ایک ارادے کے سوا کہ وہ بھی اسی کی توفیق پر منحصر ہے، کچھ بھی نہیں ہے۔ آپ کے پاس کیا ہے جو خدا کو دے کر اس کے بدلے میں کچھ طلب کرینگے۔ موجوداتِ عالم کی ہر مرئی اور غیر مرئی چیز اس کی ہے۔ یہ ہاتھ جو آپ اس کے سامنے پھیلاتے ہیں یہ کس کا ہے۔ آپ کے سر سے لیکر پیر تک آپ کا سارا وجود اور آپ کے صفات و ملکات عارضی ہوں یا مستقل، اسی کے عطا فرمودہ ہیں جنہیں اس نے اپنی قدرت کاملہ سے آپکے ارادے کا تابع بنا دیا ہے۔ آپ جب نماز کا ارادہ کرتے ہیں تو بڑی آسانی سے کھڑے ہو جاتے ہیں کس نے آپ کے اِس بوجھل وزن کو مسخر کیا ہے۔

مقناطیس سے عجیب تر بوعلی سینا کا قول ہے کہ لوگ مقناطیس سے جو کہ سوئی کو کھینچ لیتا ہے تعجب کرتے ہیں لیکن اس امر پر متعجب نہیں ہوتے کہ خدائے حکیم نے کس طرح اس بوجھل جسم کو نفس ناطقہ کے تابع قرار دیا ہے (الناس یتعجبون من جذب المغناطیس منتقالاً من حدید و لم یتعجبوا من النفس الناطقة هذا الهیکل العظیم)۔

کبھی آپ تابوت برداروں میں شامل ہوئے؟ میت کو اٹھانا شخصِ واحد کے بس کا روگ نہیں۔ اسے اٹھانے کے لئے چند اشخاص کا ہونا ضروری ہے۔ کیا یہ وہی جسم نہیں جو جب زندہ تھا تو جس طرح آپ چاہتے تھے پوری آسانی و سبکی سے حرکت کرتا تھا۔

آپ کا ارادہ بھی خدا ہی نے آپ کو عطا فرمایا ہے اور آپ خواستِ الٰہی کے خلاف کوئی خواہش کر ہی نہیں سکتے (وما تشاؤن الّا ان یشاء الله)۔

لہٰذا معاوضے یا مبادلے کی بات نہ کریں۔ آپ حج کو جاتے ہیں۔ پیسے خرچ کرتے ہیں۔ لیکن یہ پیسے ہیں کس کے؟ خود آپ کس کے ہیں؟۔

ناچیز کیا جھگڑتا ہے ناچیز کے لئے دنیا میں جو کچھ بھی ہے اللہ کا ہے۔ اس نے اپنے مصالح کی بناء پر شرع مقدس میں مالک و مملوک کے حقوق کی تعیین فرمائی ہے ورنہ دینے والا اور لینے والا اس چیز کا جس کا آپ حساب کرتے ہیں. بالآخر وہی ہے کیونکہ "سب امور کی بازگشت اسی کی طرف ہے" (الا الی الله تصیر الامور)

پس آپ کو اپنی عبادت میں معاملہ کرنے یا معاوضہ کی طلب سے ہوشیار اور باز رہنا چاہئے کہ کیا کرایا خاک میں نہ مل جائے۔ یہ خیال نہ کریں کہ آپ نے مال دیا یا کام کیا اور اس میں اپنی طاقت صرف کی۔ یعنی کوئی چیز آپ نے ایسی دی جسے آپ اپنی ملکیت سمجھتے تھے۔ اور اب چاہتے ہیں کہ اس کا معاوضہ آپ کو ثواب کی شکل میں یا عذاب سے نجات کی صورت میں ملے۔

یاد رکھیں کہ انسان صرف ایک مشت خاک ہے جو امر و مشیتِ الٰہی سے ایک محدود مدت تک کے لئے ایک مخصوص شکل و صورت میں مجسم ہے۔ اس عارضی مدت کا خیال نہ کریں۔ موت کے بعد ایک مدت گذر جانے کے بعد جب اس کی قبر کو اکھیڑا جائے گا تو معلوم ہوگا کہ وہ بدستور مشت خاک ہی ہے۔

وہ ہاتھ بہت قادر و توانا تھا جس نے اس مٹی کے پتلے کو جان دی اور مشتِ خاک کو گویا و شنوا اور بینا و توانا بنایا اور آخر میں پھر اسے اپنی اصل خاک ہی کی طرف لوٹا دے گا۔ (منها خلقناکم وفیها نعیدکم ومنها نخرجکم تارة اخری)

آپ زیارت عاشورا یا جامعہ پڑھتے ہیں، اس حقیقت سے آپ کو خبردار رہنا چاہئے کہ یہ زبان آپ کو کس نے دی اور اسے آپ کے ارادے کا تابع فرمان بنا دیا۔ جب ہم اختیاری افعال کے مقدمات پر غور کرتے ہیں تو ہماری حیرت کی کوئی حد نہیں رہتی کہ کس نے ہمیں عقل و شعور عطا کیا، اسباب زیست فراہم کئے، توفیق عمل عطا کی اور موانع کو برطرف فرمایا۔

پس اول تو عمل کا معاوضہ ہی ممکن نہیں کیونکہ نہ ہمارے پاس مال ہی ہے اور نہ ہی اپنی ذاتی کوئی چیز ہے جس کا عوض وصول کریں۔ بس ایک ارادہ ہے کہ وہ بھی اسی کی توفیق پر منحصر ہے —— اور پھر

کام کی اُجرت ہے ہی کتنی ؟

اگر بالفرض عمل کی اجرت ناگزیر ہی ہو تو آیئے دیکھیں ہمارا حق کتنا بنتا ہے۔ کیوں اے نمازیو، روزہ دارو، حاجیو۔ اگر آپ لوگوں کو آپ کے عمل کا معاوضہ دیا جائے تو تمہارا کیا اندازہ ہے کہ وہ کتنا ہونا چاہیئے ——

یا اے شب زندہ دارو جو کہتے ہو کہ ہم ساری ساری رات عبادت میں گذارتے ہیں اور بڑے فخر سے تہجد گذاری کی کیفیت بیان کرتے ہو تو ساری رات جاگ کر پہرہ دینے والے چوکیدار کی مزدوری جانتے ہو کتنی ہوتی ہے۔

پس آپ ہی کے فیصلے کے مطابق کہ عمل کی مزدوری ملنی چاہیئے۔ اپنے عمل کی پورے حساب سے انصاف کے ساتھ اُجرت لگا کر بتائیں کہ کیا بنتی ہے۔ آپ حج کو گئے ہیں تو اس کی کتنی اُجرت آپ کو درکار ہے جبکہ اس زمانے میں حج کر کے آپ یقیناً مالی خسارے میں نہیں رہے ہوں گے۔ یا آپ نے روزہ رکھا ہے یعنی ظہر کا کھانا چند گھنٹے لیٹ کھایا ہے تو دنیا میں کئی ایسے لوگ ہیں جو روزے سے نہ ہوتے ہوئے بھی اپنے کام میں اتنے مشغول ہوتے ہیں کہ صبح سے شام تک کچھ نہیں کھاتے پیتے اور سارا دن انہیں بھوک یا پیاس کا احساس تک نہیں ہوتا . . . .

بدبخت ہے وہ انسان جو یہ سمجھ کر کہ اپنے کسی عمل کے بدلے میں وہ اللہ تعالےٰ سے معاوضے کا طلبگار ہے خود ہی ترازو پکڑے اور حساب کتاب شروع کر دے۔

اُمید ثواب

لہٰذا انسان کے عمل کا محرک اللہ کا اپنے فضل و کرم سے دیا گیا ثواب کا وعدہ ہونا چاہیئے۔ صرف اسی صورت میں اس کا عمل عبادت شمار ہو سکتا اور اسے اجر کے قابل سمجھا جا سکتا ہے۔

ہمیں اپنی عبادت کو درگاہ ایزدی میں انتہائی خشوع و خضوع کے ساتھ اس فہم و شعور کے ساتھ پیش کرنا چاہیئے کہ وہ ذات غنی و غفور و کریم ہماری عبادت کی ہرگز محتاج نہیں ہے اور اس کی قبولیت صرف اس کے لطفِ کریم اور فضلِ عمیم پر منحصر ہے۔

انسان کو اللہ تعالےٰ کے حضور غرور و خود بینی سے بچنے کے لئے اپنے نفس کو انتہائی ذلیل کر کے اور خود پر پورے خشوع و خضوع کی کیفیت طاری کر کے پیش کرنا چاہیئے اور اس انداز سے سوچنا چاہیئے کہ وہ بارگاہ بارگاہِ لطف و کرم ہے اس نے وعدہ فرمایا ہوا ہے، وہی وعدہ صادقہ میرے عمل کا محرک ہے اور اسی کی وجہ سے میں پر اُمید ہوں ورنہ میرا عمل ہرگز بارگاہ الٰہی میں پیش کئے جانے کے لائق نہیں ہے۔ میری حقیقت ہی کیا ہے کہ عمل کا دعویٰ کروں اور میرے پاس عمل ہی کیا ہے جس پر ناز کروں۔ کیا میں نے کوئی ایسا عمل کیا ہے جس پر میں فخر کر سکوں. . . . . . ؟

عاقل عمل پر نازاں نہیں ہوتا

لہٰذا اہل عقل کبھی اپنے عمل پر نازاں نہیں ہوتے، وہ شخص انتہائی جاہل اور بے خرد ہے جو اپنے ناچیز نا بچیز اعمال کو حسنات سمجھ کر ثواب کا حساب کرتا رہتا ہے اور ساری عمر خود کو فریب اور خوش فہمی میں مبتلا رکھتا ہے۔ لیکن دنیا سے رخصت ہوتے وقت جب آفتاب حقیقت طلوع کرتا ہے تو اصلیت کھلتی ہے کہ جسے پہاڑ سمجھتا تھا تنکا بھی نہ نکلا۔ اس روز سب پوشیدہ چیزیں ظاہر ہو جائنگی۔ (یوم تبلی السرائر)۔

جگنو اور ہیرا

ایک شخص تاریک رات میں جنگل میں سفر کر رہا تھا دور سے اس کی نگاہ ایک چمکتی ہوئی چیز پر پڑی۔ وہ سمجھا کہ ہیرا ہے اور جا کر بڑی احتیاط سے اس نے اردگرد کی مٹی سمیت اُسے اُٹھا کر ایک ڈبیہ میں محفوظ کر لیا۔ دوسرے روز وہ شہر کے سب سے بڑے جوہری کے پاس گیا اور اس سے کہنے لگا میرے پاس ایک بہت بیش قیمت ہیرا ہے میں اسے فروخت کرنا چاہتا ہوں۔ جوہری نے کہا اُسے لے آؤ، اس نے جواب دیا، بڑی احتیاط کی ضرورت ہے بہتر ہے کہ تم میرے ساتھ میرے مکان پر چلو۔ ناچار جوہری اس کے ساتھ گیا۔ اس نے پورے آداب و رسوم کے ساتھ ہیرے کی ڈبیہ کو صندوق میں سے نکالا۔ لیکن اسے کھولنے پر اس کے اندر مٹھی بھر خاک اور ایک کیڑے کے مردہ ڈھانچے کے سوا کچھ نہ پایا —— وہ حیرت و تعجب کے ساتھ اپنے آپ سے پوچھتا تھا ہیرا کیا ہوا؟

جوہری نے حقیقت واقعہ دریافت کی تو اس نے گذشتہ رات والا قصہ دہرا دیا۔ جوہری نے کہا بیوقوف انسان تو نے میرا سارا دن غارت کر دیا۔ تو نے رات کو صرف ایک جگنو دیکھا تھا۔ جسے ہیرا سمجھ کر تو نے اتنی پریشانی پیدا کی۔

جو کل ہو گا کردار کا پیش نامہ

اے عقلمند۔ تو جس عبادت کو اللہ تعالےٰ کی ضرورت سمجھ کر اس کے ساتھ معاملے کے چکر میں ہے جب کل حقیقت روشن ہو گی تو تجھے اس سے ندامت اور پریشانی کے سوا کچھ حاصل نہ ہو گا۔

ملاحظہ ہو کہ پیشوایان دین کس طرح اللہ تعالےٰ کے حضور عاجزی اور تذلل کا اظہار کرتے ہیں۔ دعائے حمزہ ثمالی میں سید سجاد حضرت امام زین العابدین بارگاہِ خداوندی میں یوں عرض گذار ہیں ——

"وما انا یا سیّدی وما خطری"

پروردگار میں کیا شے ہوں کہ میرا عمل کوئی شے سمجھا جا سکے۔

اے خدا ہمیں معرفت عطا فرما کہ حقائق امور کو سمجھ سکیں پیشتر اس کے کہ سمجھنا بے فائدہ ثابت ہو۔

رکنِ پنجم

مجلس نمبر ۳۰

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم　　اخذنا اھلھا بالبأساء والضرآء لعلھم یتضرعون　(اعراف: ۹)

تضرع کیفیت استعاذہ کا لازمہ ہے

ارکان استعاذہ میں سے پانچواں رکن تضرع ہے بعض اوقات استعاذہ کا تقاضا ہوتا ہے کہ انسان میں تضرع کی کیفیت پیدا ہو کیونکہ اس کے بغیر استعاذہ بے حقیقت رہتا ہے۔

تضرع کا معنیٰ ہے اپنی ذلت و مسکنت اور ناتوانی و بے چارگی کو آشکار کرنا اور استعاذہ کا معنیٰ جیسا کہ ہم ابتدائے بحث میں بیان کر چکے ہیں، انسان کا ایسے دشمن سے فرار کرنا ہے جو ہر لحظہ اس کے تعاقب میں ہے اور وہ نہ تو اس کے مقابلے کی طاقت رکھتا ہے اور نہ اس کے حملوں سے اپنا دفاع ہی کر سکتا ہے لہٰذا ناچار وہ کسی ایسی ہستی سے پناہ طلب کرتا ہے جو اس دشمن کو دفع کرنے اور اس کے شر کو رفع کرنے کی قوت و قدرت رکھتی ہے۔ اس حالت میں اس کی ناتوانی اور بے چارگی اس بچے کی سی ہوتی ہے جس کے تعاقب میں زہریلا سانپ ہو اور وہ چیختا چلاتا بھاگ کر اپنی شفیق ماں کے بازوؤں میں پناہ گزین ہوتا ہے۔ اسی حالت و کیفیت کا نام استعاذہ ہے۔

لہٰذا جب انسان سمجھ لیتا ہے کہ شیطان ملعون جو اس کا طاقتور جانی دشمن ہے اس پر حملہ آور ہوا چاہتا ہے اور وہ اکیلا اس کے شر سے خود کو محفوظ نہیں رکھ سکتا تو ناچار نالہ و فریاد کرتا ہوا اپنے قادر و توانا اور مہربان خدا کی طرف متوجہ ہوتا ہے اور دل و زبان سے پکارتا ہے کہ اے پروردگار فریاد ہے اس دشمن سے جو خونخوار کتے کی طرح بھونکتا ہوا مجھ پر لپک رہا ہے۔ "واغوثاہ من عدو قد استکلب علیّ" ——— (دعائے حزین حاشیہ مفاتیح الجنان)

ماثور دعاؤں کے ذریعے کیفیتِ تضرع کا بیان

جب بھی کبھی اللہ تعالٰی کے حضور شرِ شیطان ملعون سے پناہ طلبی کی صورت پیدا ہوتی ہے تو تضرع

کی مناسبت اپنی تمام تر اہمیت کے ساتھ دعاہائے واردہ کی شکل میں روشن ہو جاتی ہے۔ ان دعاؤں میں سے ایک دعا "دعائے دفع شر ابلیس ہے جو اسطرح ہے۔

"اللھم ان ابلیس عبد من عبیدک یرانی من حیث لا اراہ وانت تراہ من حیث لا یراک وانت اقوی علی امرہ کلہ وھو لا یقوی علی شیء من امرک اللھم فانا استعین بک علیہ یا رب فانی لا طاقۃ لی بہ ولا حول ولا قوۃ لی علیہ الا بک یا رب اللھم ان ارادنی فاردہ وان کادنی فکدہ واکفنی شرہ واجعل کیدہ فی نحرہ برحمتک یا ارحم الراحمین وصلی اللہ علی محمد وآلہ الطاھرین"

(پروردگار ابلیس تیرے بندوں میں سے ایک بندہ ہے جو ایسے مقام سے میری تاک میں ہے کہ میں اسے نہیں دیکھ سکتا لیکن تو اُسے خوب دیکھ رہا ہے جبکہ وہ تجھے دیکھنے پر قادر نہیں۔ اس کے جملہ تصرفات پر تیری قوت گرفت ہے جبکہ وہ تیرے کسی کام میں دخل اندازی نہیں کر سکتا۔ اے اللہ پس میں اس کے خلاف تجھ سے مدد کا طالب ہوں۔ اے پروردگار مجھ میں اس کے دفعیے کی کوئی استطاعت نہیں ہے مگر صرف تیرے وسیلے سے۔ اے اللہ اگر وہ میرا قصد کرے تو تو اس کا قصد فرما، اگر وہ میرے ساتھ برائی کا ارادہ کرے تو تو اس پر عذاب نازل فرما اور مجھے اس کے شر سے نجات دے اور اس کی دشمنی کو اسی کی گردن پر سوار کر دے۔ میں ہوں تیری رحمت کا طالب۔ اے سب رحم کرنے والوں سے زیادہ رحم کرنے والے۔ وصلی اللہ علی محمد وآلہ الطاھرین)

خدا اپنے بندوں کے لئے کافی ہے

اور اس میں کوئی شک نہیں کہ اگر کوئی شخص پورے تضرع کے ساتھ (یعنی خود کو واقعی اللہ تعالٰی کے حضور زار و ذلیل کر کے پیش کرے اور صرف اسی سے مدد چاہے اور اسی کو نجات دہندہ مان کر نجات کا طالب ہو اور) اسی پروردگار توانا و مہربان سے شیطان ملعون کے شر سے پناہ مانگے تو وہ ضرور اسے پناہ دے گا اور اپنے حفظ و امان میں رکھے گا۔ اس کی پناہ حاصل ہو جانے سے نجات یقینی ہو جاتی ہے۔ چنانچہ وہ خود ارشاد فرماتا ہے۔ " الیس اللہ بکاف عبدہ "

کیا اللہ اپنے بندے کے لئے کافی نہیں ہے)　۳۹ : ۳۶

آثار تضرع

نادیدہ شیطان سے فرار: اگر کہا جائے کہ انسان بے چارہ تو شیطان کو دیکھ ہی نہیں سکتا اور اسے پہچانتا ہی نہیں اور اس کے حملے کی کیفیت سے بے خبر اور اس کے اندازِ شر انگیزی سے ناواقف ہے تو پھر اس کے لئے کیسے ممکن ہے کہ اس سے فرار کر سکے اور اس سے بحضورِ پروردگار استعاذہ یا تضرع کر سکے؟

اس سارے اشکال کا خلاصہ یہ ہے کہ جس دشمن کی پہچان نہ ہو اس سے فرار معقول ہی نہیں، تضرع یا پناہ طلبی کا تو ذکر ہی کیا؟!

علامات سے دشمن کی پہچان

جواب اس کا یہ ہے کہ دشمن کو پہچاننا اور اس کے وجود سے خبردار ہونا صرف اسے آنکھ سے دیکھنے ہی پر منحصر نہیں ہے۔ بلکہ قطعی علامات کے ذریعے اس سے آگاہی حاصل کی جا سکتی ہے مثلاً اگر اندھیرے میں ایک سمت سے انسان کے سر و چہرہ پر پتھر آکر لگیں یا اس پر تیروں کی بوچھاڑ ہو تو اسے خوب معلوم ہوتا ہے کہ دشمن گھات میں بیٹھا ہوا اس کی جان و مال کے درپے ہے۔

ایسے موقع پر دشمن کی موجودگی کی تحقیق سے پہلے انسان فوری طور پر کسی پناہ گاہ کی فکر کرتا ہے، اگر کوئی مکان نزدیک ہو تو اس کا دروازہ کھٹکھٹاتا ہے، صاحب خانہ سے مدد اور پناہ کی درخواست کرتا ہے اور خود کو مکمل طور پر اس کے رحم و کرم پر چھوڑ کر پورے عجز و نیاز کے ساتھ دشمن کے خلاف اس سے اعانت و حفاظت چاہتا ہے۔ لہٰذا اگر کوئی شخص شیطان کے حملے اور ضرر رسانی کے اندیشے کو محسوس کرے تو ہر چند کہ اسے دیکھ نہ سکے، اُسے پناہ گاہ کی فکر کرنی چاہیئے۔

شیطانی حملے

اگر یہ کہا جائے کہ نہ صرف یہ کہ شیطان خود غیر محسوس ہے بلکہ اس کے حملے یا وار بھی تو نظر نہیں آتے تو جو شخص دشمن کے وار ہی کا احساس نہ کر سکے، کیسے اس سے فرار کر سکتا یا کسی دوسرے سے اس کے شر سے پناہ مانگ سکتا ہے؟

تو جواب یہ ہے شیطان کے حملے غیر محسوس نہیں بلکہ وہ اُن وسوسوں، ایمان شکن شکوک اور اندیشہ ہائے ناروا کی شکل میں پوری طرح سے قابل احساس و شناخت ہوتے ہیں جو وہ انسان کے قلب پر شب و روز وارد کرتا ہے اور کسی لحظہ بھی اس عمل سے غافل نہیں ہوتا۔

لطیفہ

کسی نے ایک دانا سے پوچھا کیا شیطان بھی انسانوں کی طرح سوتا ہے تو اس نے جواب دیا اگر ایسا ہوتا تو کم از کم اپنی نیند ہی کے دوران انسان سے غافل رہتا اور انسان اس وقفے میں اس کے شر سے محفوظ رہتا۔ لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ انسان ایک لحظہ کے لئے بھی اس کے شر و فریب سے محفوظ نہیں، پس وہ نیند یا غفلت سے آزاد ہے (علمی جواب اس کا یہ ہے کہ شیطان عالم مادہ سے نہیں کہ اسے نیند کی حاجت ہو۔ مذکورہ بالا جواب محض ایک لطیفے کے طور پر دیا گیا ہے)۔

شیطانی حملے کی علامت

اگر کہا جائے کہ انسان کیسے جان سکتا ہے کہ فلاں وسوسہ یا اندیشہ شیطانی ہے اور اس کے شر کی کمان سے چھٹا ہوا تیر ہے جو سیدھا اس کے دل پر آکے لگا ہے تاکہ وہ نالہ و فریاد کرتا ہوا اللہ تعالےٰ کے حضور پناہ طلب ہو۔

تو جواب یہ ہے کہ اصولی طور پر ہر وہ اندیشہ یا وسوسہ جس کا تقاضا اللہ تعالےٰ سے قطع تعلق اور خدا اور رسول صؐ اور آخرت کے بارے میں شک ہو اور نتیجہ اس کا اضطراب قلبی ہو، یقیناً شیطانی ہے، اور اس کے مقابلے میں ہر خیال اور فکر جس کا اثر امید بر خدا، حیات جاودانی پر ایمان میں پختگی اور اطمینان قلبی ہو، بہر حال رحمانی ہے۔ نیز ہر وہ وسوسہ بھی جو اللہ تعالےٰ سے دوری، ثواب سے محرومی اور قہر و عذاب الٰہی کے ورود کے بارے میں ہو، یقیناً شیطانی ہے جبکہ اس کے مقابلے میں ہر وہ فکر جو قرب خداوندی کا احساس دلائے اور ثواب کی امید پیدا کرے، خالصتاً رحمانی ہے۔

رحمانی فکر

اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ انسان کے دل پر شب و روز وارد ہونے والے افکار و خیالات کہ جن سے پیدا شدہ شوق و ارادہ یا حوصلہ شکن تاثیر سے عمل صورت پذیر ہوتا ہے۔ تین قسم کے ہیں: پہلی قسم وہ ہے جس کے متعلق انسان کو یقینی علم ہوتا ہے کہ وہ رحمانی ہیں۔ مثلاً نماز کے وقت اس کا دل اسے کہتا ہے کہ نماز ادا کر، یا جب کوئی موقعہ خرچ کرنے کا آتا ہے تو اس کے دل میں آتا ہے کہ اللہ کی راہ میں خرچ کر۔ بخل نہ کر، صلۂ رحم کر جو تیرے پاس سائل بنکر آتا ہے اُسے محروم نہ کر اور جس قدر جلد ممکن ہو اس کی حاجت پوری کر۔ فلاں فلاں سے جنہوں نے تجھ پر ظلم کیا ہے درگذر۔ لین دین میں انصاف کر۔ کمزوروں کی دستگیری کر وغیرہ۔ قصہ مختصر ہر وہ امر جو اللہ تعالےٰ کے حکم کے مطابق ہے، رحمانی ہے۔

شیطانی فکر

دوسری قسم وہ ہے جن کے شیطانی ہونے میں شک و شبہ کی کوئی گنجائش نہیں ہوتی اور پہلی قسم کی عین ضد ہوتے ہیں۔ ان میں وہ سب اندیشے اور وسوسے شامل ہیں جو عقل و شرع کے منافی ہوں مثلاً خدا کی راہ میں خرچ کرتے وقت وہ مال کی کمی اور فقر سے اندیشہ ناک ہو " الشیطان یعدکم الفقر" —— یا اس کے دل میں یہ اندیشہ آئے کہ کیا ضروری ہے کہ اسی ایک موقعے پر خرچ کیا جائے۔ ممکن ہے کہ اس سے بھی زیادہ اہمیت والا کوئی موقعہ آجائے۔ یا یہ خیال کرے کہ یہ خرچ فلاں شخص پر زیادہ ضروری ہے کیونکہ وہ مجھ سے مالدار تر ہے یا اسے کسی سے کوئی تکلیف پہنچے تو انتقاماً اسے اس سے کئی گنا زیادہ اذیت دینے کا ارادہ کرے، اگر اپنے کسی عزیز سے اُسے رنج پہنچے تو اس سے قطع تعلق کرے یا اگر وہ سنے کہ کسی نے اس کی چغلی کھائی ہے اور اس کے کسی عیب کو ظاہر کیا ہے تو اس کے جواب میں وہ اس کے جملہ عیوب کو جو اس کے علم میں ہیں فاش کر کے اس کی فضیحت کا سامان کرے حتیٰ کہ اس پر تہمت لگانے سے بھی نہ چُوکے اور اگر اس کے دل میں کسی کے لئے حسد جاگزیں ہو جائے تو اس کی تمام خوشیاں اس سے چھن جانے کے لئے سازشیں کرے۔

مجموعی طور پر انسانی معاملات میں شیطانی افکار کا دخل حد و حساب سے زیادہ ہے جنہیں شرع مقدس کے اوامر و نواہی کا عالم شخص پوری تفصیل سے جانتا ہے۔

غور طلب افکار

تیسری قسم کے افکار وہ ہیں جو واضح طور پر شیطانی نہیں ہوتے لیکن اُن کا شیطانی ہونا اس وقت ثابت ہوتا ہے جب ان کے ہاتھوں انسان ہلاکت میں گرفتار ہو چکتا ہے۔

اس قسم کے افکار سے شیطان کا مقصد انسان کو یادِ خدا سے غافل کرنا ہوتا ہے۔ وہ انہیں حالت نماز یا دوسری عبادت کے دوران انسان کے دل پر وارد کرتا ہے تاکہ وہ حضورِ قلب سے محروم ہو جائے اور بعض اوقات تو انسانی نفس میں اتنا نفوذ کر جاتا ہے کہ اس کا وہ عمل ہی شیطان کی بازی گاہ بن جاتا ہے اس کی وضاحت کے لئے یہ حکایت پیش کی جاتی ہے۔

شیر فروش شیخ چلی

کہتے ہیں ایک شیر فروش دودھ سے بھرا ہوا مٹکا سر پر رکھ کر اپنے گاوں سے شہر کی طرف جا رہا تھا۔ اس نے سوچا کب تک اس مصیبت میں پڑا رہوں گا۔ آج سے جو کچھ بچو نگا روزانہ

اس میں سے فلاں مقدار پس انداز کر و نگا حتیٰ کہ فلاں مہینے میں میرے پاس فلاں قدر رقم جمع ہو جائے گی۔ چند مہینوں کے بعد ایک بھیڑ خرید دوں گا اور اس کے دودھ اور اُون کی فروخت سے ایک اور بھیڑ خرید دوں گا۔ اُن کی نسل بڑھے گی اور فلاں مدت میں میرے پاس بھیڑوں کا پورا گلہ ہو جائے گا۔ اس گلے کو میرا بیٹا جنگل میں چرانے کے لئے جایا کرے گا۔ فلاں جگہ پر ممکن ہے کسی روز اس کا کسی شخص سے جھگڑا ہو جائے۔ اگر اس نے میرے لڑکے سے زیادتی کی تو میں اسے ضرور سزا دونگا اسی تصور میں اس نے اپنے بیٹے کے موہوم حریف کو مارنے کے لئے اپنے ہاتھ بلند کئے جو دودھ کے مٹکے سے ٹکرائے اور وہ گر کر چکنا چور ہو گیا اور سارا دودھ ضائع ہو گیا۔

ماضی یا مستقبل کا دکھ

بعض اوقات شیطان کسی گذشتہ حادثے کی تلخ یاد انسان کے دل پر وارد کرتا ہے تاکہ اُسے رنجیدہ کر کے اللہ تعالیٰ کی مشیت پر اُسے غضبناک کرے اور اسے صبر و رضا کے مقام سے محروم کر دے۔

اور اس کے بد تر یہ کہ اُسے مستقبل کے بارے میں غم انگیز افکار و وساوس میں مبتلا کر دیتا ہے مثلاً کہ کل کیا ہوگا شاید یوں ہو جائے یا یوں ہو جائے اب میں کیا کروں —— نہ اُسے نماز اچھی لگتی ہے اور نہ کوئی اور عمل خیر لیکن وہ یہ نہیں سوچتا کہ عین ممکن ہے کہ یاس و قنوطیت کی یہ حالت ختم ہونے سے پہلے ہی اُسے موت آجائے اور وہ ترکِ واجب کا مجرم ہو کر دنیا سے رخصت ہو۔ اس قسم کے وسوسے بعض اوقات انسان کو ابدی ہلاکت کے گڑھے میں جھونک دیتے ہیں۔

حسرتناک

چند سال ہوئے ایک شخص نے ایک قطعہ زمین جو اس نے تین روپے فی میٹر کے حساب سے خریدا تھا تیس روپے فی میٹر کے حساب سے بیچا۔ چند دن کے بعد خریدار نے اس زمین کو نوے روپے فی میٹر کے حساب سے بیچ دیا جبکہ نئے خریدار نے چند روز بعد اسی زمین کو تین سو روپے فی میٹر کے حساب سے فروخت کیا۔

زمین کا اصل مالک شیطانی وساوس کا شکار ہو گیا اور خود کو ملامت کرنے لگا کہ بیچنے میں جلدی کیوں کی۔ اگر صرف چند روز صبر کرتا تو زمین دس گنا قیمت میں بکتی۔

اسی غم میں ایک ہفتہ رو دھو کر آخر کار اس نے چونا اور گندھک کھا کر اپنی زندگی کا خاتمہ کر لیا۔

ایک دوسرے شخص نے اپنی ساری جائداد بیچ کر دو لاکھ پچاس ہزار روپے میں ایک دوسری جائداد خریدلی۔ قبضہ

لینے کے بعد معلوم ہوا کہ دھوکا ہوا کیونکہ نئی جائداد نکمی ثابت ہوئی اور کوئی اُسے نصف بلکہ تہائی رقم پر بھی خریدنے کو تیار نہ ہوا۔ نتیجتاً وہ شخص حسرت و اندوہ کا شکار ہوگیا ——

غم فردا

تیس سال ہوئے شیراز کا ایک تاجر دیوالیہ ہوگیا اور اس غم میں اس نے گھر سے باہر آنا چھوڑ دیا۔ جو کچھ اثاثہ اس کے پاس تھا۔ آہستہ آہستہ اسے بیچ کر گذر اوقات کرنے لگا۔ ایک دن اس فکر میں پڑ گیا کہ اگر یہی حالت رہی تو کتنے دن اور میرا رزق چلے گا۔ جو کچھ باقی موجود تھا اس نے اس کی قیمت لگائی اور اسے روزانہ کے خرچ پر تقسیم کیا تو معلوم ہوا کہ اس سے بمشکل تین سال گذر سکتے ہیں۔ سوچنے لگا کہ تین سال کے بعد کیا ہوگا۔ یقیناً مجھے گداگری کرنی پڑے گی، میں نے ساری عمر تجارت کی اور عزت و شرافت کی زندگی گذاری، اب جانے پہچانے لوگوں کے سامنے ہاتھ کیسے پھیلاؤں گا۔

آخر کار ان شیطانی افکار و وساوس سے مغلوب ہو کر اس نے زہر کھا کر خودکشی کر لی۔

اس طرح کی مثالیں بے شمار ہیں اور جتنا کچھ بیان کیا جا چکا ہے عبرت گیری اور قلب انسانی پر شیطان کے حملوں اور ضربات کی تباہ کاریوں کا اندازہ کرنے کے لئے کافی ہے۔

عام طور پر سنتے ہیں کہ فلاں طالبعلم نے امتحان میں فیل ہو کر خودکشی کر لی یا فلاں نوجوان مقابلے میں شکست کھا کر دماغی توازن کھو بیٹھا۔

اگر کہا جائے کہ انسان ابلیسی وساوس اور اس کے حملوں کی مقاومت کی تاب نہیں لاسکتا اور اپنی انتہائی کوششوں کے باوجود ان سے محفوظ رہنا اس کے بس کا روگ نہیں۔ لہٰذا وہ معذور ہے ——

ہم کہتے ہیں کہ یہ کمزوری یا عدم استطاعت اللہ تعالیٰ پر عدم ایمان یا قلتِ ایمان کی وجہ سے ہے۔ ایسے شخص کو اس کی رازقیتِ مطلقہ میں یقین حاصل نہیں جو بیحد و حساب نعمتیں اس کو عطا کی گئی ہیں انہیں تو دونوں ہاتھوں سے سمیٹتا ہے لیکن ان کے لئے اللہ تعالیٰ کا شکر گذار ہونے کی بجائے کفرانِ نعمت کرتا ہے۔ سبب کو تاثیر میں مستقل مانتا ہے اور اللہ تعالیٰ پر توکل کرنے کی بجائے اسباب ہی پر بھروسہ کرتا ہے اور موت اور فنا سے غافل ہے۔

فرشتہ مقابلِ شیطان

لیکن اگر ایک طرف شیطان انسان کے دل میں ایمان شکن وسوسے ڈالتا ہے تو دوسری طرف اللہ تعالیٰ کی طرف سے مامور فرشتۂ رحمت افکار رحمانی بھی اس کے

دل میں القاء کرتا ہے۔ یقیناً اگر شیطان کسی انسان کو کہتا ہے کہ خودکشی کر لے، دنیا کی مصیبتوں سے نجات پالے گا۔ تو فرشتہ بھی اسے کہتا ہے ایسا نہ کر بدبخت ہو جائے گا اور اپنی عاقبت برباد کرے گا۔ لیکن جس شخص نے ساری عمر شیطان کی اطاعت کی ہو اس پر رحمانی ترغیبات اثر نہیں کر سکتیں۔ "اولٰئک ینادون من مکان بعید۔"

شیطان کے حملے کی ایک اور قسم وہ افکار ہیں جو ابتداء میں خیر و خوبی کے حامل نظر آتے ہیں لیکن نتیجتاً ان کا شر و ہلاکت ہوتا ہے۔ مثلاً انسان کے دل میں کوئی مستحب امر ڈالتا ہے تاکہ اس سے کوئی واجب فوت ہو جائے یا فعل حرام سرزد ہو جائے اور یا فعل حرام یا گناہ کو عبادت و اطاعت کی شکل میں اس کے سامنے پیش کرتا ہے جسے وہ کر گذرتا ہے اور یا پھر اسے کسی واجب پر آمادہ کرتا ہے لیکن خود اس پر سوار رہتا ہے حتیٰ کہ ریاء اور غرور کو اس کے عمل میں داخل کر کے اسے اس کے گناہوں کا حصہ بنا دیتا ہے۔

چونکہ اس طرح کے شیطانی ہتھکنڈے بہت خفیہ اور پوشیدہ ہوتے ہیں اور انسان عموماً ان میں گرفتار ہو جاتا ہے اس لئے ان کا جاننا بہت ضروری ہے وضاحت کے لئے چند مثالیں پیش کی جاتی ہیں:۔

۱۔ نہی عن المنکر میں ارتکاب منکر

ایک شخص کسی کو قبلہ رو پیشاب کرتے ہوئے دیکھتا ہے۔ بجائے اس کے کہ یہ سمجھے کہ ممکن ہے اُسے اس عمل کی حرمت کا علم نہ ہو یا عین ممکن ہے کہ اسے صحیح سمت کا اندازہ نہ رہا ہو اور اسے اخلاق کے ساتھ مہذب انداز میں سمجھا جائے کہ رو بقبلہ یا پشت بقبلہ پیشاب کرنا حرام ہے اور اگر اُسے سمت کا اندازہ نہ ہو تو صحیح سمت بتائے، الٹا شیطان کی انگیخت سے اسے ڈانٹنا شروع کر دے خوش اخلاقی سے پیش آنے کی بجائے اس کے ساتھ بد اخلاقی کرے اور بجائے اس کے کہ اسے سمجھا جائے کہ کھڑے ہو کر پیشاب کرنے سے چھینٹے اڑ کر لباس کو نجس کر دیتے ہیں، یہ کہے کہ کتے کی طرح کیوں پیشاب کر رہا ہے یا ڈانٹ ڈپٹ یا بد زبانی اور گالی گلوچ کے ساتھ اس سے مخاطب ہو تو گناہ کبیرہ کا مجرم ہوگا اور نہی عن المنکر کرتا کرتا خود منکر کا مرتکب ہو جائیگا۔

۲۔ اولاد کی دینی تربیت

ایک شخص کا بیٹا نماز نہیں پڑھتا۔ اس کا سب سے پہلے یہ فرض ہے کہ اسے نصیحت کرے اور نرمی اور شفقت سے اُسے نماز پر آمادہ کرے اور اگر ابتداء ہی سے اس نے انہیں ڈانٹ ڈپٹ شروع کر دی، جسمانی سزا دی یا گھر سے نکال دیا، یا اس کا خرچ بند کر دیا تو وہ

چوری کرنے لگے گا اور آوارہ و اوباش لوگوں کی صحبت اختیار کرے گا۔ ایسی صورت میں باپ گناہ گار ہوگا بلکہ عبادت اور نہی عن المنکر کے نقطہ نگاہ سے گناہ کبیرہ کا مجرم ہوگا۔

۳۔ ریاکارانہ تلاوت

ایک شخص کی آواز اچھی ہے اور تجوید کے اصول کے مطابق خوش الحانی سے تلاوت کرتا ہے۔ شیطان اُسے اکساتا ہے کہ باآواز بلند پڑھ تاکہ لوگ زیادہ مستفید ہوں اور طرفین کو ثواب حاصل ہو۔ لیکن چونکہ اس کی یہ تلاوت شیطان کی اکساہٹ کی وجہ سے ہے اور وہ تلاوت کے دوران اس کے نفس پر سوار رہتا ہے لہٰذا بجائے اس کے کہ وہ اللہ تعالےٰ کی قربت جوئی کے لئے تلاوت کرے، اپنی خوش آوازی کی نمائش اور لوگوں کی تحسین و آفرین سے لذت اندوزی کے لئے قرآن پاک پڑھتا ہے۔ اسطرح سے نہ صرف وہ ایک نہایت مستحب عمل کے ثواب سے محروم ہو جاتا ہے بلکہ شیطان کی انگیخت پر ریاء کا مرتکب ہوکر گناہگار و مردود ہو جاتا ہے۔

۴۔ منبر و محراب ـــــ بازی گاہ ابلیس

ایک شخص علوم دینی سے بہرہ مند ہے۔ شیطان اسے تلقین کرتا ہے کہ قلم کے ذریعے لوگوں کی راہنمائی کر اور مشکل سوالات کے جواب دے۔ لیکن اس کے دل میں شہرت طلبی اور اپنے علم کی نمائش کا داعیہ پیدا کر دیتا ہے۔ وہ کتاب لکھتا ہے جو یقیناً ایک دینی خدمت ہے لیکن اللہ تعالےٰ کے حضور اس کی خدمت قطعاً نامقبول ہے اور اس کی عاقبت کے لئے مضر ہے۔

ایک دوسرے عالم سے جو اہل نطق و بیان ہے، ابلیس کہتا ہے کہ محراب و منبر نبی اور امام کا مقام ہے اور تو انہیں کا جانشین ہے۔ تجھے چاہئے کہ دنیا کی رہنمائی کرے، انہیں نماز اور دیگر عبادات کے ثواب سے آگاہ کرے اور خدا ترسی، تقویٰ اور توکل پر آمادہ کرے لیکن اس کے ساتھ ساتھ اس کے نفس میں جاہ طلبی، مال اندوزی، مرید سازی اور دنیا کی تحسین و آفرین کی محبت راسخ کر دیتا ہے۔ اس طرح جوں جوں محراب و منبر میں اس کی دلچسپی میں اضافہ ہوتا ہے، توں توں اس کے درجات میں تنزل واقع ہوتا ہے اور نتیجتاً منبر کی سیڑھیاں ہی اس کے لئے درکات جہنم بن جاتی ہیں۔ اور محراب اس کے لئے دوزخ کا گڑھا ثابت ہوتا ہے۔

۵۔ زن بیگانہ کے ساتھ خلوت

نامحرم مرد و عورت سے تنہائی میں ہر قابل تصور گناہ ممکن ہے شیطان ہمیشہ اس موقعے کی تاک میں رہتا ہے کیونکہ یہ صورت حال انسان کی تباہی کی کوششوں میں کامیابی کے لئے اس کی بڑی معاون ثابت ہوتی ہے اور وہ اسے حرام و ہلاکت میں مبتلا کئے بغیر نہیں چھوڑتا۔

انسان کو سمجھنا چاہئے کہ نامحرم کے ساتھ خلوت جہاں فساد کا اندیشہ ہو قطعاً حرام ہے خواہ عبادت ہی کے لئے یکجا ہوں۔ ایسی صورت میں ان کی نماز بھی باطل ہے۔

اجنبی عورت کے ساتھ خلوت کے فساد کو سمجھنے کے لئے مجلس ہشتم میں داستان برصیصائے عابد پر غور کریں۔

خیر و شر کا میزان شرع مقدس ہے

اگر کہا جائے کہ اس طرح تو کسی بھی فکر پر جو انسان کے دل میں گذرے عمل نہیں کرنا چاہئے کیونکہ ممکن ہے کہ وہ شیطانی ہو۔ یا اگر وہ رحمانی بھی ہو تو بھی احتمال ہے کہ وہ انسان کے نفس پر تسلط پاکر اس کے عمل کو فاسد کر کے اسے گناہ بنا دے۔

جواب یہ ہے کہ ان گذارشات کا مقصد خدانخواستہ یہ نہیں ہے کہ اعمال صالحہ اور عبادت واطاعت خداوندی کو ترک کیا جائے بلکہ مطلب صرف یہ ہے کہ شر شیطان سے اللہ تعالےٰ کے حضور استعاذہ کی حالت و کیفیت پیدا کی جائے۔

اس مطلب کی وضاحت کے لئے یہ کہنا ضروری ہے کہ ہر وہ فکر جو انسانی دل پر وارد ہو اسے میزان شریعت میں تولنا چاہئے اگر امر خدا کے مطابق ثابت ہو تو پھر وسوسہ شیطانی سے خبردار رہ کر خالصتاً اللہ تعالےٰ کی رضا جوئی کے لئے اسے انجام دینا چاہئے۔ یہ بہت ضروری ہے کیونکہ شیطان ہمیشہ انسان کی گھات میں ہے وہ کبھی گوارا نہیں کر سکتا کہ وہ عبادت کے ذریعے اللہ تعالےٰ کا قرب حاصل کر سکے۔

علاج استعاذہ حقیقی ہے

اس کا علاج صرف یہ ہے کہ شیطان سے دوری اور فرار اختیار کیا جائے اور اللہ تعالےٰ کے حضور اس کے شر سے پناہ طلب کی جائے۔ لہٰذا انسان پر لازم ہے کہ ہر عمل خیر کی ابتداء میں خواہ وہ مستحب ہو یا واجب، تہ دل سے استعاذہ کرے اور "اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم" اس طریقے سے کہے کہ دل بھی پورے طور پر زبان کے ساتھ ہمنوا ہو۔ خلاصہ یہ کہ ہر خوش انجام عمل جس کے شرعی ہونے کے بارے میں انسان کو پورا یقین ہو، فوری طور پر بلا پس و پیش انجام دینا چاہئے لیکن دوران عمل میں شر شیطان سے اللہ تعالےٰ کے حضور پناہ طلبی جاری رہے تاکہ عمل کا صحیح طریقے سے سرانجام ہو اور اللہ تعالےٰ کی قربت اور ثواب آخرت حاصل ہو۔

قرآن مجید میں شیطان کی پہچان

پروردگار عالم نے قرآن میں کئی جگہ شیطان کو انسان کے دشمن کی حیثیت سے روشناس کرایا ہے اور انسان کو اس کے مکر و فریب سے خبردار کر کے اسے اس سے دور رہنے اور اسے اپنا دشمن سمجھنے کی ہدایت فرمائی ہے "انہ یامرکم بالسوء والفحشاء وان تقولوا علی اللہ مالا تعلمون۔" (۲:۱۶۸)

(وہ تمہیں بدیوں اور برائیوں اور اللہ تعالٰے کی نافرمانی پر اکساتا اور آمادہ کرتا ہے اور اللہ تعالٰے کے ساتھ ایسے امور کو نسبت دینے کی تمہیں تعلیم دیتا ہے جن کا تمہیں علم نہیں)۔

"افتتخذونہ وذریتہ اولیاء من دونی وھم لکم عدو" (۱۸ : ۵۰)

(کیا تم شیطان اور اس کی ذرّیت کو میری بجائے دوست بناتے ہو درآنحالیکہ وہ تمہارے دشمن ہیں۔)

"ان الشیطان لکم عدو فاتخذوہ عدواً" (۳۵ : ۶)

(یقیناً شیطان تمہارا دشمن ہے، اسے دشمن سمجھو)۔

"الم اعھد الیکم یابنی آدم الا تعبدوا الشیطان انہ لکم عدو مبین" ـــــ (۳۶ : ۶۰)

(اے اولاد آدم کیا میں نے تمہیں تاکید نہیں کی تھی کہ شیطان کی عبادت نہ کرنا۔ وہ تمہارا کھلا دشمن ہے۔)

لہٰذا جو شخص خدا اور رسولؐ اور قرآن پر ایمان رکھتا ہے اسے چاہئے کہ شیطان کی دشمنی کو اپنی ذات پر واجب سمجھے اور اس کی دوستی کو مہلک جانے۔

ان بیانات سے بخوبی واضح ہے کہ شیطان کی دوستی سے مراد اس کی وسوسہ اندازی اور اس کے احکام کی تعمیل ہے اور اس کی دشمنی سے مراد اس کی جملہ انگیختوں کی مخالفت اور اس کے احکام و وساوس سے سرکشی ہے۔

شیطان کی مخالفت بہت مشکل کام ہے

چونکہ شیطان کی انگیختیں اور اس کے احکام و وساوس انسان کی نفسانی خواہشات، اس کے فطری تقاضوں اور حیوانی شہوات کے مطابق ہوتے ہیں اسلئے ان کی مخالفت سخت مشکل اور نفس پر بڑی ناگوار ہوتی ہے۔

مثلاً اگر کوئی شخص شہد کا بہت رسیا ہو اور شہد اس کے پاس موجود بھی ہو۔ لیکن جب وہ اسے کھانا چاہے تو ایک حاذق حکیم جو اتفاقاً وہاں موجود ہو اسے بتائے کہ شہد اس کے لئے مضر ہے اور اسے اس سے پرہیز کرنے کی

ہدایت کرے لیکن کوئی دوسرا شخص کہے کہ یہ کہاں کا طبیب ہے اور کیسی اس کی تشخیص ہے کہ شہد سے منع کرتا ہے۔ دراصل وہ شہد کے بارے میں تم سے حسد کرتا ہے۔ میرے خیال میں شہد تمہارے لئے نعمت سے کم نہیں۔۔۔ وغیرہ۔ تو ایسی صورت میں طبیب کی باتوں پہ کون کان دھرے گا۔

یا کوئی جوان آدمی کسی بیگانہ جوان عورت کے ساتھ آزادانہ خلوت میں بیٹھا ہو اور ادھر سے شیطان ملعون بھی دونوں کو فعل حرام کی ترغیب و تحریض میں اپنی قوت صرف کر رہا ہو تو ایسی حالت میں شیطان کی مخالفت اور فکر رحمانی کی پیروی بہت مشکل کام ہے۔

عمر سعد اور شیطانی و رحمانی فکر

چنانچہ عمر بن سعد نے جو سخت دنیادار اور حکومت و ریاست کا لالچی تھا شیطانی فکر کو امام حسینؑ کے ساتھ جنگ کے عوض رے کی حکومت ملے گی، انسانی شیطان عبیداللہ ابن زیاد کے ذریعے قبول کر لیا لیکن رحمانی فکر یعنی سیدالشہداءؑ کے ساتھ جنگ سے باز رہنے کو جیسا کہ اس کے باپ سعد وقاص کے دوست کامل کے ذریعے اُسے اشارہ ہوا، قبول نہ کیا (کتب مقاتل میں اسکی تفصیل موجود ہے) اور اس کی نصیحتوں کو جو اس کے اپنے میلان طبع کے خلاف تھیں رد کر دیا۔

شیطان کا کام شہوات پر اکسانا ہے

جس طرح بھوکا کتا اس جگہ کو نہیں چھوڑتا جہاں مردار اور ہڈیاں ہوں اسی طرح وہ دل جس میں حب دنیا اور شہوات نفسانی کی گندگی ہوگی شیطان اسے نہیں چھوڑے گا۔ اور اس سے صحت و اخلاص کے ساتھ کوئی عمل سرزد نہیں ہونے دے گا۔

ہمارے اس بیان سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ انسان کی ہلاکت کا باعث اس کی ہوائے نفس ہے اور شیطان کا کام یہ ہے کہ اس کی تکمیل و تعمیل پر اسے اکسائے اور اس کے شوق و رغبت میں شدت پیدا کرے۔

وقال الشیطان لما قضیٔ الامر ان اللہ وعدکم وعد الحق ووعدتکم فاخلفتکم وما کان لی علیکم سلطان الا ان دعوتکم فاستجبتم لی۔ فلا تلومونی ولوموا انفسکم۔ وما انا بمصرخکم وما انتم بمصرخیّ۔ انّی کفرت بما اشرکتمونی من قبل۔ انّ الظالمین لھم عذاب الیم۔" (۱۷ : ۲۲)

(روز حشر جب سب فیصلے ہو چکیں گے اور جہنم نصیب لوگ شیطان کو قصوروار گردان کر اسے لعن طعن

کریں گے تو) شیطان (جواب میں) کہے گا کہ اللہ تعالےٰ نے جو وعدے تم سے کئے تھے وہ سچے تھے لیکن میں نے تم سے سارے وعدے غلط کئے (لیکن یہ تمہاری خطا تھی کہ تم نے انہیں سچا مان لیا) میں نے تم پر زبردستی نہیں کی تھی بلکہ صرف تمہیں دعوتِ گناہ دی تھی جسے تم نے قبول کر لیا۔ اب مجھے کیوں ملامت کرتے ہو، خود اپنے آپ کو ملامت کرو۔ آج نہ میں تمہاری کوئی مدد کر سکتا ہوں اور نہ تم میرے کسی کام آ سکتے ہو۔ میں تمہارے اس فعل سے بیزار ہوں کہ تم نے دنیا میں مجھے اللہ تعالےٰ کا شریک قرار دیا اب اس دردناک عذاب کو بھگتو جو ظالموں کے لئے مقدر ہے)۔

مختصر یہ کہ انسان کی ہلاکت میں شیطان کے عمل دخل کا بڑا سبب انسان کی اپنی نفسانی خواہشات ہیں۔

دوسرے الفاظ میں انسان کا داخلی دشمن یعنی اس کا نفس اور اس کا خارجی دشمن شیطان دونوں مل کر انسان کو بے بس اور مجبور کر دیتے ہیں۔

فریادرس بے چارگان

لیکن اگر اس حال میں انسان اپنے خدا کی طرف متوجہ ہو، اسے اپنی بے بسی و بے چارگی کا واسطہ دے کر شرِ شیطان سے اس کی پناہ طلب کرے اور اس کے مقابلے کی طاقت مانگے تو اللہ تعالےٰ یقیناً اس کی فریاد سنے گا اور اسے دشمن پر غالب آنے کی ہمت و توفیق عطا فرمائے گا۔ "امّن یجیب المضطر اذا دعاہ ویکشف السوٓء" (اللہ تعالےٰ بیچاروں کی فریاد سنتا ہے اور انہیں مصیبت سے نجات دیتا ہے)۔

سید سجادؑ کی ایک دعا کے الفاظ یہ ہیں:۔

لا یجیرنی من عقابک الا رحمتک ولا ینجینی منک الا التضرع الیک وبین یدیک (تیرے عذاب سے مجھے صرف تیری رحمت بچا سکتی ہے یا میری عاجزی و زاری نجات دے سکتی ہے۔) (صحیفہ سجادیہ: دعائے جمعہ)

ایک دوسری دعا میں عرض کرتے ہیں:۔

"نحن المضطرون الّذین اوجبت اجابتہم واھل السوء الّذین وعدت الکشف عنہم" (ہم وہ بے بس ہیں جنکی فریادرسی تو نے خود پر واجب فرمائی ہے اور وہ مصیبت زدہ ہیں جنکی نجات کا تو نے وعدہ فرمایا ہے۔)

پھر ایک دعا کے الفاظ یوں ہیں:۔

"قد ملک الشیطان عنانی فی سوء الظن وضعف الیقین فانا اشکو سوء مجاورتہ لی وطاعۃ نفسی لہ واستعصامہ من ملکتہ والتضرع الیک فی صرف کیدہ عنی" ——— (دعا: ۳۲)

(بدگمانی اور ضعف یقین کی وجہ سے شیطان نے میری مہار تھام لی ہے۔ میں اس کی بُری ہمسائیگی سے نالاں ہوں اور فریاد کرتا ہوں کہ میرا نفس اس کی اطاعت میں قید ہو گیا ہے، اس کے اس تسلط سے میں تیری پناہ کا طالب ہوں اور عاجزانہ التجاء کرتا ہوں کہ اس دامِ فریب سے مجھے رہائی عطا فرما)

عجز و نیاز بدرگاہ ایزدی

شرِ شیطان سے نجات کا تنہا ذریعہ بارگاہ الٰہی میں تضرع و زاری ہے اور اللہ تعالےٰ عاجزی سے فریاد کرنے والے کی ضرور دستگیری فرماتا ہے۔ ارشاد رب العزت ہے:۔

"فلولا اذ جاءہم باسنا تضرعوا ولکن قست قلوبہم وزیّن لہم الشیطان ما کانوا یعملون۔" (پس کیوں اسی وقت ہی جب ہمارا عذاب ان پر نازل ہوا انہوں نے عاجزی نہیں کی۔ (دراصل) ان کے دل ہی سخت ہو گئے تھے اور شیطان نے ان کے اعمال کو ان کی نظروں میں مزین کر دیا تھا۔)

یعنی اگر گرفتار بلا ہوتے وقت اللہ تعالےٰ کو یاد کرتے اور خود کو اس کا محتاج و نیازمند سمجھ کر اس کے حضور عاجزی اور زاری کرتے تو وہ ضرور انہیں نجات بخشتا لیکن شیطان نے ان کو اس کی یاد سے باز رکھا اور وہ شہوات نفسانی میں سرگرم ہو گئے۔

جو شخص اللہ تعالےٰ کو فراموش کر دیتا ہے، حصول منفعت اور دفع مضرت کے لئے صرف اسباب پہ بھروسہ کرتا ہے اور اللہ تعالےٰ کے حضور تضرّع و زاری کو غیر ضروری سمجھتا ہے وہ بوقت مصیبت اللہ تعالےٰ کی نظرِ کرم سے محروم ہو جاتا ہے اپنے دشمن کے شر سے خود کو محفوظ نہیں رکھ سکتا ———

سرگذشت یوسفؑ

حضرت یوسفؑ کی داستان اور آپ کا زلیخا کے ساتھ خلوت میں گرفتار ہو جانا اہل نظر کے لئے لمحۂ فکریہ مہیا کرنے والا واقعہ ہے۔ زلیخا کے دام تزویر سے بچنے کے لئے آپ انتہائی بے بسی کے عالم میں اللہ تعالےٰ کے حضور پناہ طلب ہوئے اور ذات باری تعالےٰ نے انہیں عجیب طریقے سے نجات بخشی اور قرآن مجید کا ایک پورا سورہ ان کے ذکر کے لئے مخصوص فرمایا تاکہ مسلمان اس سے نصیحت و عبرت حاصل کریں۔ اور مصیبت کے وقت ان کے نقش قدم پر چل کر نجات پا سکیں۔ یہ سورۃ شریفہ سعادت اور نیک بختی تک پہنچنے کے

اس منعم حقیقی کے اتنے احسانات کے بعد جو اس نے بلا واسطہ یا تم لوگوں کے ذریعے سے مجھ پر فرمائے ہیں اس کے احکام سے سرتابی بہت بڑا ظلم ہے جو مجھ سے ہرگز سرزد نہ ہوگا کیونکہ ظالم لوگ اللہ تعالےٰ کے دشمن ہیں اور وہ نجات سے قطعاً محروم رہیں گے۔

حقیقی پناہ گاہ

یوسفؑ جو اللہ تعالےٰ کے مخلص بندے اور اس کے عاشق صادق تھے اس پُرلغزش حادثے پر اللہ تعالےٰ کے حضور پناہ طلب ہوئے اور اسی سے اس شرِ عظیم کے دفیعئے کے لئے مدد خواہ ہوئے۔ ذات باری نے بھی اُن کے نورِ ایمان و معرفت سے پُر دل کو ایسی قوت بخشی کہ نہ صرف یہ کہ وہ گناہ کے نزدیک نہ گئے بلکہ اس کے قصد و ارادہ سے بھی محفوظ رہے اور زلیخا کی تمام ترہیجان انگیز کوششیں، ایمان و تقویٰ شکن تدبیریں، مالکانہ تحکم، کوئی حربہ بھی ان پر کارگر نہ ہوا بلکہ اس کے شر سے بچنے کے لئے وہ دروازے کی طرف دوڑے، زلیخا نے ان کا پیچھا کیا لیکن آپ اس سے پہلے دروازے تک پہنچ گئے۔ مستِ مے شہوت زلیخا نے آپکا قمیص پکڑ لیا تاکہ آپ کا ہاتھ دروازے تک نہ پہنچ جائے۔ اس کھینچا تانی میں آپؑ کا قمیص اوپر سے نیچے تک پھٹ گیا لیکن آپ دروازہ کھولنے میں کامیاب ہو گئے اور باہر کی طرف دوڑے۔ زلیخا بھی آپ کے تعاقب میں دوڑی لیکن رستے میں عزیز مصر کھڑا تھا . . . .

زلیخا نے پہل کرتے ہوئے خود کو شوہر کے سامنے بے گناہ ثابت کرنے کے لئے یوسفؑ پر بدنیتی اور دست درازی کا الزام لگا دیا۔ اور عزیز سے آپ کی سزا یا قید کا مطالبہ کیا۔

اب یوسفؑ کو حقیقت بتانی پڑی۔ آپ نے عزیز مصر کو بتا دیا کہ خود زلیخا کا ارادہ انکے ساتھ بدی کا تھا۔ پنگوڑے میں موجود ایک شیر خوار بچے کو اللہ تعالےٰ نے گویائی عطا فرمائی اس نے کہا اگر یوسف کا قمیص آگے سے پھٹا ہے تو یوسف قصوروار ہیں اور اگر وہ پیچھے سے پھٹا ہوا ہے تو زلیخا مجرم ہے۔ یہ گواہی یوسفؑ کے حق میں گئی اور اللہ تعالےٰ نے آپ کو اس مصیبت سے نجات دی (کذلک لنصرف عنہ السوء والفحشاء انّہ من عبادنا المخلصین)۔ یوسف : ۲۴

مزید امتحان

اشرافِ مصر کی چند بیگمات نے زلیخا کو ایک غلام کے عشق میں مبتلا ہو جانے پر ملامت کی

زلیخا نے ان پر یہ ثابت کرنے کی تدبیر کی کہ اس میں اس کا کوئی قصور نہیں بلکہ یوسف کے مردانہ حسن و جمال کے سامنے کوئی بھی مغرور سے مغرور عورت اپنے ہوش و حواس قائم نہیں رکھ سکتی، اور اگر وہ خود بھی انہیں ایک نظر دیکھ لیں گی تو ان کا سارا غرورِ حسن خاک میں مل جائے گا اور وہ یوسف کے عشق میں اندھی ہو جائیں گی۔

اس نے سب ملامت کرنے والیوں کی دعوت کی اور ضیافت کے عین درمیان میں یوسفؑ کو بلا بھیجا جب آپ آئے تو انہوں نے آپ کو دیکھ کر پہلی ہی نظر میں ہوش و حواس کھو دے اور ان کے عشق میں مبتلا ہو کر اسقدر بدحواس ہو گئیں کہ ہاتھوں میں پکڑی ہوئی نارنجیوں کو کاٹنے کی بجائے اپنے ہاتھ زخمی کر لئے۔ یہاں یوسفؑ پر ابتلا سخت تر ہو گئی۔ اگر پہلے صرف زلیخا کا سامنا تھا تو اب محفل ضیافت میں موجود تمام حسین و جوان عورتوں کے جنگل میں پھنس گئے کیونکہ انہوں نے بھی آپ سے زلیخا ہی والا مطالبہ کر دیا۔ آپ نے بے بس ہو کر اللہ تعالےٰ کے حضور تضرع و زاری کی کہ اے پروردگار ان عورتوں کے شر سے مجھے محفوظ فرما اگر تو نے (میرے نورِ علم اور یقین قلبی کو) نہ بچایا تو میں اس دام میں پھنس کر جاہلوں میں سے ہو جاؤں گا (وان لا تصرف عنّی کیدھنّ اصبُ الیھن واکن من الجاھلین)۔

اللہ تعالےٰ نے آپ کو شرِ شیطان سے اپنی پناہ میں رکھا اور آپ کے دل کو نورِ یقین سے ایسی قوت عطا فرمائی کہ وہ ان سب پر غالب آئے اور ان کا فریب ناکام ہوا حتیٰ کہ آپ زندان خانے میں جانے کے لئے تو تیار ہو گئے لیکن ان عورتوں کی خواہش کے آگے نہیں جھکے۔ "فاستجاب لہٗ ربّہٗ فصرف عنہ کیدھنّ انّہٗ ھو السمیع العلیم" (پس اللہ تعالےٰ نے آپ کی دعا قبول فرمائی اور ان عورتوں کے شر سے آپ کو محفوظ فرمایا وہ (فریادیوں کی فریاد) سنتا ہے اور (پوشیدہ امور کا) دانا ہے)۔

داستان عبرت

اگر اس داستان کو اچھی طرح سمجھ لیا جائے تو ہر وہ شخص جو اللہ تعالےٰ پر کامل ایمان رکھتا ہے، جب بھی اس پر ہوائے نفس یا شیاطین جن و انس کے وسوسوں کا غلبہ اور دباؤ ہو اور وہ اسے اللہ تعالےٰ کی نافرمانی پر اکسائیں تو وہ اپنے پروردگار کے حضور پناہ کا طالب ہوگا اور اس سے شرِ شیطان سے نجات کی دعا کرے گا۔ اور اللہ تعالےٰ اس کی دعا کو شرفِ قبولیت سے نوازتے ہوئے اس شر سے اسکی حفاظت فرمائے گا۔

اس بحث کے خاتمے پر ہم آپ کو جناب امیرالمومنین حضرت علیؑ کی ایک سفارش کی طرف متوجہ کرتے ہیں۔

استعاذہ علی علیہ السلام

نوف بکالی کہتے ہیں میں نے جناب امیرؑ کو دیکھا کہ شہر سے نکل کر تیز تیز قدم اٹھاتے ہوئے صحراء کو تشریف لے جا رہے ہیں۔ میں نے عرض کیا مولا کہاں کا ارادہ ہے تو آپ نے فرمایا اے نوف مجھے جانے دے میری تمنائیں اور احتیاجات مجھے محبوب حقیقی کی طرف بلا رہی ہیں۔

میں نے عرض کیا مولا آپ کی آرزوئیں کیا ہیں۔ تو آپ نے فرمایا اللہ تعالےٰ جو میری امید و آرزو کا مرکز ہیں وہ خود انہیں خوب جانتا ہے اور اس کے غیر کو ان کا بتانا ضروری نہیں اور با ادب بندے کو نہ چاہیئے کہ اپنی نیازمندیوں کے بارے میں کسی دوسرے کو اپنے پروردگار کے ساتھ شریک ٹھہرائے۔

پس میں نے عرض کیا اے امیرالمومنینؑ میں اپنے آپ میں اندیشہ ناک ہوں کہ ہر وقت دنیا اور مال دنیا کے جمع کرنے اور اپنی توجہات کو دنیا کے نمود و نمائش پر مرکوز کرنے میں سرگرم رہنے کی وجہ سے سعادت اخروی سے محروم نہ ہو جاؤں۔

آپ نے فرمایا۔ اس رب کریم کے دامن رحمت سے وابستہ ہو جو خوفزدوں کا محافظ اور عارفوں کی پناہ گاہ ہے۔

میں نے عرض کیا مولا۔ اس کی بارگاہ کرم تک میری رہنمائی فرمائیے۔

آپؑ نے فرمایا:۔

وہ خدائے رحیم و بزرگ و برتر کسی کو مایوس نہیں کرتا۔ پس صدقِ دل اور پورے عزم و ارادہ کے ساتھ اس کی طرف متوجہ ہو تاکہ اس کے فضل عمیم اور لطفِ کریم سے تو اپنے مقصد تک رسائی حاصل کرے۔

(بحار الانوار : جلد - ۱۹، کتاب الدعا۔ باب ادعیۃ المناجاۃ)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نٓ وَالْقَلَمِ وَمَا يَسْطُرُوْنَ ۝

اسلام کے حقیقی نظریات اور معارف کے ادراک اور آپ کے علمی، دینی اور روحانی ذوق کی تسکین کے لیے

عالم اسلام کے جید عالموں اور دانشوروں کی تحقیقی کاوشوں پر مبنی اور اپنے مواد کی صحت، دیدہ زیب کتابت، عمدہ کاغذ اور خوبصورت طباعت سے مزین ہونے کی بنا پر مندرجہ ذیل مطبوعات کتابوں کی دنیا میں یقیناً گراں بہا اضافہ ہیں

کتاب	قیمت
قرآن مجید مترجمہ مولانا فرمان علی صاحب (جلی حروف رنگین)	۱۴۰/=
صحیفۂ کاملہ (جلی حروف) مترجمہ مولانا محمد ہارون صاحب زنگی پوری	۷۵/=
وظائف الابرار (جلی حروف) مولانا فرمان علی صاحب	۵۰/=
استعاذہ دست غیب شیرازی	۴۰/=
توبہ " " "	۱۵/=
قلب سلیم (اول و دوم) دست غیب شیرازی	۶۰/=
تربیت اولاد مولانا جان علی شاہ کاظمی	۲۵/=
اولین موذن اسلام حضرت بلال سعید عین آبادی	۴/=
جناب فضہ راحت حسین ناصری	۷/=
مجالس عظیم مولانا سید کلب عابد صاحب	۲۵/=
سیرت امیرالمومنین (جلد اول) صفحات ۷۲۰	۱۲۰/=
سیرت امیرالمومنین (جلد دوم) صفحات ۳۶۸	۷۵/=
حضرت عائشہ کی تاریخی حیثیت فروغ کاظمی	۴۵/=
الخلفاء (حصہ اول) " "	۳۵/=
الخلفاء (حصہ دوم) " "	۶۰/=
تفسیر کربلا " "	۶۰/=
عرفان امامت (حالات امام زمانہ) ظفر عباس کشمیری	۷۰/=
آل محمد کا دیوانہ بہلول دانا سیدہ عابدہ نرجس	۲۰/=
تحفۃ المومنین (پاکٹ سائز)	۱۵/=
حدیث کساء مع زیارت وارثہ	۶/=
مجموعۂ زیارات چہاردہ معصومینؑ	۵/=
درگاہ حضرت عباسؑ تاریخ کی روشنی میں مرتبہ حسن لکھنوی	۲۵/=
البیان تفسیر سورۃ الحمد سید ابوالقاسم الخوئی	۳۰/=
حیات القلوب (تین جلدیں) علامہ مجلسی علیہ الرحمہ مکمل سیٹ	۵۰۰/=
اوم اور علیؑ سید محمود گیلانی سابق اہل حدیث	۸/=
ایلیا " " "	۱۰/=
اہل ذکر ڈاکٹر محمد تیجانی سماوی	۷۰/=
انتقام خونیں یا خروج مختار سید محمد علی افجہ ای	۸/=
صرف ایک راستہ عبدالکریم مشتاق (پاکستان)	۷۰/=
حقائق القرآن امتیاز حیدر پرتاب گڑھی	۴۰/=
وظائف القرآن (آرٹ پیپر رنگین)	۳۵/=
علوم القرآن مولانا سید محمد ہارون صاحب	۳۰/=
قرآن اور سائنس مولانا سید کلب صادق صاحب	۴۰/=
قرآن اور جدید سائنس مورس بوکائی	۳۰/=
امامیہ نماز با تصویر	۲۵/=
اسلام اور جنسیات ڈاکٹر محمد تقی علی عابدی	۳۰/=
کائنات روش مراثی باقر علی خاں روش لکھنوی	۲۰/=
تعقیبات نماز (پاکٹ سائز)	۵/=
اسلام اور عزاداری (مجموعہ مجالس کراچی) طاہر جرولی صاحب	۲۵/=
منازل آخرہ (مرنے کے بعد کیا ہوگا؟) شیخ عباس قمی علیہ الرحمہ	۳۰/=
اٹھو! خون حسینؑ کا انتقام لو سیدہ عابدہ نرجس	۳۵/=
مولا علیؑ کوثر نیازی (پاکستان) و سید کلب صادق صاحب	۴۰/=
خطبات حضرت زینبؑ علامہ ابن حسن نجفی	۲۰/=
گناہان کبیرہ (مکمل سیٹ دو جلدوں میں) دست غیب شیرازی	

ملنے کا پتہ

عباسؑ بک ایجنسی، درگاہ حضرت عباسؑ، رستم نگر، لکھنؤ ۳